برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

اپریل و مئی ۲۰۲۵ء — شوال و ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

نفیرِ عام

ہلکے ہو یا بوجھل! نکلو! حکمِ الٰہِ باری ہے!

از: ابو خالد محمد الضیفؒ شہید

’’اے اردن و لبنان، مصر و الجزائر، مراکش اور پاکستان، انڈونیشیا و ملائیشیا اور کل عالمِ عرب اور عالمِ اسلام میں بسنے والے ہمارے لوگو!

آج ہی نکلو اور فلسطین کی طرف چلنا شروع کر دو۔ کل نہیں! آج اور ابھی! آج ہی روانہ ہو جاؤ! ان سرحدوں، حکومتوں اور پابندیوں میں سے کوئی بھی تمہیں جہاد میں شرکت اور مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا شرف حاصل کرنے سے محروم نہ کر سکے! اے ہماری ملّت کے بیٹو! اور اے پوری دنیا کے مردانِ حُر!...... وہ حکومتیں جنہوں نے غاصب اسرائیل کے ساتھ اپنی حمایت و تعاون جاری رکھ کر اسرائیل کے جرائم کی پردہ پوشی کی اور خود بھی اس کے جرم میں شریک رہے، ان کا راستہ روکو! آج کا دن عظیم انقلاب کا دن ہے۔ اس دنیا میں قائم آخری قابض اور نسلی تعصب پر مبنی آخری نظام کو ختم کرنے کے لیے اٹھنے کا دن آج ہی کا دن ہے!‘‘

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی

مجاھدینِ اسلام کو وصیت

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجاہدینِ اسلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”میں تمہیں اور تمہارے ساتھ موجود مجاہدین کو حکم دیتا ہوں کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا، اس لیے کہ اللہ عزوجل کا تقویٰ دشمن کے خلاف بہترین ہتھیار ہے اور جنگ کی مضبوط ترین تدبیر ہے۔ میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ دشمن کے مقابلے میں اپنے گناہوں سے زیادہ بچو، اس لیے کہ (مسلمانوں کے) لشکر کے گناہ خود دشمن سے زیادہ خطرناک ہیں۔ مسلمانوں کی نصرت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ ان کا دشمن، اللہ کا نافرمان ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہمیں دشمن پر قوت کے اعتبار سے کوئی فوقیت نہیں، کیونکہ ہماری تعداد بھی دشمن سے کم تر ہے اور ہمارے وسائل بھی دشمن کے ہم پلہ نہیں! پس اگر ہم اللہ کی نافرمانی میں ان کی مثل ہو گئے تو وہ قوت میں ہم سے بڑھ جائیں گے۔ اگر اس فضیلت (گناہ اور معصیت سے اپنے دامن کو بچا رکھنے) کی بدولت ہماری نصرت نہ کی جائے تو محض طاقت اور اسلحے کے بل پر ہمیں غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔“

فصل الخطاب فی سیرۃ ابنِ الخطاب از صلابی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۸، شمارہ نمبر: ۳

اپریل و مئی ۲۰۲۵ء | شوال و ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا اٹھارہواں سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.site

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

contactNGH.01

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے رو پڑی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری۔‘‘

(ترمذی)

اس شمارے میں

اداریہ
- گر جرأت ہو تو سر ڈالو! 5

تزکیہ و احسان
- اصلاحِ معاشرہ: سورۃ الحجرات کی روشنی میں 12

اسوۂ حسنہ
- سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں 17

آخرت
- موت و ما بعد الموت 20

نشریات
- ارضِ پاکستان پر بھارتی جارحیت کی بابت 26

فکر و منہج
- القاعدہ کیوں؟ 27
- وحدت و اتحاد کی اہمیت و ضرورت 30
- اب وقت ہے ایسے نعروں کا جو سوتوں کو بیدار کریں 39
- لامحدود ذہنیت بمقابلہ محدود ذہنیت 42
- خلافت کن صفات کے حامل لوگوں کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے؟ 45
- مدرسہ و مبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) 48
- اللہ الصمد! 54
- ایک عظیم تبدیلی کا وقت قریب ہے! 56

جمہوریت......ایک دجل، ایک فریب!
- جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر! 57

عالمی منظر نامہ
- خیالات کا ماہنامچہ 65
- اخباری کالموں کا جائزہ 69

طوفان الاقصیٰ
- یہ غزہ ہے! 76
- اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کی بڑھتی قربتیں! 81
- یہ بازی عشق کی بازی ہے! 82
- فلسطین! فلسطین! 86
- فلسطین میں دہشت گردی کے جدِّ امجد 88
- غزہ، مجھے معاف کر دو 93

علیکم بالشام
- شام میں جہاد کا مستقبل 96

افغان باقی کہسار باقی......الحکم للہ والملک للہ
- عمرِ ثالث 103

پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
- عالمی شپنگ کمپنی سے معاہدہ: پس پردہ حقائق 107

کشمیر......غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!
- اسلام مخالف بھارتی حربے اور کشمیری نوجوان 110

......ہند ہے سارا میرا!
- اس سیکولرزم اور سنودھان نے ہمیں کیا دیا؟ 112

حلقۂ مجاہد
- مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 116
- سورۃ الانفال 118

ناول و افسانے
- مسلم روح 122
- الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 123

وغیرہ وغیرہ
- اِک نظر ادھر بھی 128

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہرحال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار مضامین‘ (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس رسٹیٹس رٹوئیٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے......اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

گر جرأت ہو تو سر ڈالو!

جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو رفح ملیامیٹ ہو چکا ہے، نجانے جب یہ سطور آپ پڑھ رہے ہوں گے تو (لا قدر اللہ) شاید غزہ ہی مٹ چکا ہو گا۔ اہلِ غزہ کہہ چکے ہیں کہ 'اب اہلِ غزہ کو زمین کے جغرافیے پر تلاشنے کی کوشش نہ کرو، اہلِ غزہ جنت میں آباد ہو چکے ہیں' اور اہلِ غزہ میں سے چند یہ بات کہنے کے بعد مجھے اور آپ کو، اس امت کے لوگوں کو، علماء و عوام کو، ڈاکٹروں، انجنیئروں، صحافیوں، ادیبوں، شاعروں، فوجیوں وغیرہ وغیرہ کو ایک بات مزید بھی کہہ گئے ہیں، ایک مخاطب کرتا عنوان راقم و قاری پر چسپاں کر گئے ہیں: 'اے تاریخ کی بدترین امت!'۔

اے تاریخ کی بدترین امت! جھرجھری لیجیے! روئیے! چلائیے! جو کرنا ہے کر لیجیے۔ اہلِ غزہ اب یہ کہہ کر جنت میں آباد ہو چکے ہیں اور اہلِ غزہ کی نصرت نہ کرنے کے سبب آخرت میں سخت پکڑ ہم سب سے قریب ہے۔ اہلِ غزہ نے اللہ کے دربار میں نیتن یاہو اور ٹرمپ نہیں، پیران و امیرانِ حرم، لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کے خلاف ایک زبردست مقدمہ داخل کر دیا ہے۔ بیس لاکھ اہلِ غزہ کے اس مقدمے کی تائید کے لیے زمین و آسمان اور پانی و ہوا تک میرے اور آپ کے خلاف بطورِ گواہ آئے ہیں۔

یہ سطور اگر دیوانگی معلوم ہوں تو اللہ گواہ ہے اسی لیے لکھی جا رہی ہیں کہ کاش ہم دیوانے ہو جائیں، سنا ہے دیوانے مرفوع القلم ہوتے ہیں، ان کا کوئی حساب کتاب نہیں۔ اگر ہم دیوانے نہیں اور ہوش و حواس ہمارے قائم ہیں تو پکڑ بہت ہی سخت ہے۔

بے غیرت و بے حمیت لکھا جائے یا وہ الفاظ جو اہلِ غزہ ادا کر گئے ہیں 'اے تاریخ کی بدترین امت!'۔ ایمان و غیرت، عشق و محبت، بغض و نفرت یہ سب ایسے جذبات ہیں جو چھپ نہیں سکتے۔ لیکن یہ ہمارا کمال ایمان ہے، کمال غیرت ہے، جھوٹا عشق، دھوکے باز محبت ہے جو ظاہر ہی نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہوتی ہے تو بس بائیکاٹ کیجیے اور مظاہرہ کیجیے، بس! اگر بائیکاٹ و مظاہرہ بھی نہیں کرتے تب تو ایمان کی خیر منائیے، یعنی بالکل ہی پرلے درجے پر کھڑے ہیں ہم۔ ایک پیپسی، ایک کوک، ایک چپس کا پیکٹ نہیں چھوٹتا، تو یہ رونا دھونا سب ٹسوے ہیں اور کچھ نہیں۔ لیکن سچ جانیے، اب جان کوک و پیپسی کے بائیکاٹ سے نہیں چھوٹے گی۔ اب تو اعلان یہ ہے کہ 'گر جرأت ہے تو سر ڈالو'۔ اب مطلوب چیز دیوانگی ہے، جذبات سے سرشار ہو کر میدانِ عمل...... نہیں میدانِ عمل کی نجانے کیا کیا تاویلات ہو جائیں...... میدانِ جہاد میں سر ڈالنا ہو گا۔ جذبات کی حدت کو بڑھانا ہو گا۔

یہ سطور نری جذباتیت نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنی آنکھوں سے قیامت کا منظر دیکھ لیں کہ بیس لاکھ اہلِ غزہ ہمارے خلاف داورِ محشر کے سامنے کھڑے ہیں، میرے اور آپ کے اور شافعِ محشر (علیہ اَلف صلاۃ وسلام) کے درمیان حائل ہیں، شدید پیاس کا عالم ہے، سورج سوا نیزے کی بلندی پر ہے، گوشت و ہڈیاں پگھل رہی ہیں، اور اہلِ غزہ حضور ﷺ سے کہہ رہے ہیں کہ یہی ہیں وہ ظالم جنہوں نے ہمیں قتل ہوتا اور ہمارے بچوں کو سربریدہ ہوتا دیکھا اور تنہا چھوڑ دیا اور روزِ قیامت شافع ﷺ کا نظریں پھیر لینا ایک نئی قیامت کا سبب بن جائے، کیا وہاں یہ سب باتیں جذباتیت ہی لگیں گی؟

آج امت اور سیادت و قیادتِ امت کا بڑا سخت امتحان ہے۔ ایسا امتحان جو صدیوں میں کبھی کبھی متوجہ ہوتا ہے۔ امتحان انتہائی سخت ہے، لیکن اس میں کامیاب ہو جانے والوں کے درجے بھی بڑے بلند ہیں۔ حق و باطل کی جنگ سے متعلق حقائق و براہین بھی بڑے واضح ہیں، آج جس قدر یہ امور واضح ہیں، پچھلی کئی دہائیوں میں اس قدر واضح نہ تھے۔ جہاد کسی خطے میں محدود جنگ کا نام نہیں ہے، یہ ایک عالمی عمل ہے، جس کے محاذ مقامی ہو سکتے ہیں۔ عالمی جہاد مقامی محاذوں کو اور مقامی محاذ عالمی جہاد کو مضبوط کرتے ہیں۔ آج کوئی مجاہد لاکھ بھی چاہے تو غزہ کے محاذ پر پہنچنا اس کے لیے ناممکن ہے،

لیکن اگر یہ مجاہد غزہ میں لڑتے مجاہدین کی جنگ یعنی قدس کی آزادی کی جنگ لڑنا چاہے، معرکۂ طوفان الاقصیٰ میں شمولیت چاہے تو اسرائیلی و امریکی مفادات پوری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں، دنیا کا ہر خطہ اس لحاظ سے اسرائیل و امریکہ ہے۔

اس وقت پورے عالم میں جنگ ایک ہی جنگ ہے، جیسے کسی ایک ہی صف میں موجود زید، بکر اور عمر اپنے مقابل صف میں موجود علی الترتیب، ٹام، ڈِک اور ہیری سے لڑ رہے ہوں تو اگرچہ ہر ایک کا دشمن الگ الگ دکھے گا لیکن اصلاً یہ ایک ہی جنگ ہے جس کو ہر ایک الگ الگ لڑ رہا ہے۔ ہم ان سطور کے ذریعے کچھ مساویوں (equations) کی مانند کچھ امور ثابت کرنا چاہتے ہیں، جن مساویوں کے نتائج پر ہم کچھ عملی کاموں کی طرف متوجہ ہو سکیں، و من اللہ التوفیق!

ہر ذی شعور اس وقت بخوبی واقف ہے کہ اسرائیل غزہ میں پچھلے ڈیڑھ سال سے جو جارحیت برپا کیے ہوئے ہے، یہ جارحیت امریکہ کے بغیر جاری رکھنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ امریکہ نے سفارت و سیاست سے لے کر اقتصادی و معاشی محاذ تک اسرائیل کی پشت پناہی کی ہے، اعلام و میڈیا میں حمایت تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور عسکری مدد بھی سب پر واضح ہے، غزہ میں گرنے والے بم امریکی اسلحہ خانوں میں بنائے گئے ہیں۔ امریکی غزہ کی فضا میں موجود ہیں اور غزہ کے پانیوں میں براہِ راست امریکی بحری جہاز اور کشتیاں تیر رہی ہیں۔ یوں اسرائیل کا دوسرا نام امریکہ اور امریکہ کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔

اس وقت اگر کوئی بھی امریکہ و اسرائیل میں تفریق کرے یا امریکہ و اسرائیل کی جنگ میں تفریق کرے تو ہمیں ایسے سادہ لوحوں کو سلام کہہ کر اپنی راہ لینی چاہیے۔ جس کسی کو غزہ کے لاکھوں بے گھر، زخمی، شہید، سر بریدہ بچوں کی لاشیں یہ حقیقت نہیں سمجھا سکیں، وہ تا قیامت اس امر کو سمجھ نہیں سکتا۔ پس آج جو بھی جہاد کرنا چاہے وہ بخوبی جان لے کہ اسرائیل و امریکہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

دنیا بھر کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام نے پچھلے چند ماہ میں جہاد کے فرضِ عین ہونے کے فتاویٰ جاری کیے، جن میں ایک فتویٰ حال ہی میں پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کا اعلامیہ بھی ہے، جو اسلام آباد سے 'فلسطین اور امتِ مسلمہ کی ذمہ داری' کے عنوان سے نشر ہوا۔ یہ فتویٰ اپنی اساس میں انتہائی شاندار فتویٰ ہے اور یہ فتویٰ بھی امتِ مسلمہ پر جہاد فی سبیل اللہ کے فرضِ عین ہونے ہی کا بیان ہے۔ اسی اعلامیے کی روشنی میں، اداریۂ ہٰذا کی سطور کے ذریعے ہم امتِ مسلمہ خصوصاً پاکستان کے فاضل علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی خدمت میں چند گزارشات عرض کرنا چاہتے ہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ غزہ میں جو ظلم و وحشت جاری ہے اس کے بعد اب زبانی جمع خرچ سے عند اللہ گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔ اس اعلامیے میں کہا گیا کہ مسلم حکومتوں اور ان کی افواج پر جہاد فرضِ عین ہو چکا ہے۔

[مجلّہ ہٰذا نشر و طباعت کے لیے تیار تھا کہ ایسے میں پہلگام واقعہ رونما ہوا، ہندوستان و پاکستان کے درمیان جنگی تناؤ بڑھا اور پھر ہندوستان نے چھ اور سات مئی کی درمیانی شب 'آپریشن سندور' کے نام سے ایک حملہ پاکستان کے مختلف مقامات پر فضائی کارروائی کی صورت میں کر دیا۔ اس کارروائی کے نتیجے میں مساجد اور عوام الناس شہید ہوئے۔ پاکستان فوج نے آپریشن سندور کے جواب میں آپریشن بنیان مرصوص کا آغاز کیا۔

مملکتِ خداداد پاکستان 'لا الٰہ الا اللہ' کے نام پر وجود میں آئی۔ ہندوستان نے اگر پاکستان پر حملہ کیا تو اس کا سبب بھگوا بھارت کی اسی لا الٰہ الا اللہ سے دشمنی ہے۔ اس 'لا الٰہ الا اللہ' کی خاطر ارضِ پاکستان کا دفاع مجاہدینِ اسلام اپنا ایمانی فرض سمجھتے ہیں۔ مجاہدین اور دنیا بھر سے اہلِ اسلام نے اسی 'لا الٰہ الا اللہ' کی نسبت سے بھارتی جارحیت کا رد کیا اور جس قدر ممکن ہوا بھگوا بھارت کی عملی مخالفت کی۔

پاکستان فوج نے آپریشن بنیان مرصوص کی صورت بھگوا بھارت کے کئی لڑاکا طیاروں اور فوجی اڈوں کو تباہ کیا۔ کچھ کو امید ہوئی کہ یہی پاکستان فوج شاید وہ فوج ہے جو غزوۂ ہند لڑے گی، جو بھارت کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑے گی۔ بنیان مرصوص جاری تھا، لیکن امریکی صدر ٹرمپ کی ایک فون کال پر 'غزوۂ ہند' کو معطل و منسوخ کر دینے کا فیصلہ ہوا۔ امریکہ و اسرائیل و بھارت ہوں یا انہی ائمۃ الکفر کے غلاموں کے خلاف جہاد، یہ کوئی جذباتی بات نہیں ہے۔ جنگوں میں اتنا جذباتیت نہیں، ایمان وعقیدے کے بعد جنگوں میں اتنا گہرا تجزیہ ولائحہ اور جنگی سٹریٹیجی کا متقاضی ہوتا ہے۔ لیکن اہلِ اسلام کی جنگ میں ایمان تا سٹریٹیجی کوئی ٹرمپ املا نہیں کروایا کرتا۔ اداریۂ ہٰذا کی آئندہ سطور میں اولاً مذکور 'مساویے' (equations) موجود ہیں اور یہ مساویے حالیہ پاک بھارت جنگ اور پاکستان سمیت دیگر مسلم افواج کی حقیقت کو بھی عیاں کر دیں گے، اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه، آمین!]

مسلم ممالک کے حکمرانوں اور مسلم ممالک کی افواج جن میں سرِ فہرست پاکستان، مصر، سعودی عرب، ترکی، عرب امارات، اردن وغیرہ کی افواج شامل ہیں، علی الاعلان، امریکی بلاک کا حصہ ہیں، یہ افواج اعلانیہ و فخریہ امریکہ و نیٹو کی فرنٹ لائن اتحادی، نیٹو اتحادی اور نان نیٹو اتحادی ہیں۔ ان میں سے اکثر مثلاً ترکی، عرب امارات اور مصر اسرائیل کے وجود کو مانتے ہیں، ان کے ساتھ سفارتی، اقتصادی و عسکری حتیٰ کہ سیاحت تک کے انتہائی قریبی تعلقات سے متمتع ہوتے ہیں۔ کیا وہ جو مشرقِ وسطیٰ تا برِّ صغیر امریکہ و اسرائیل کے اعلانیہ اتحادی ہیں، ان سے ہم مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ اسرائیل و امریکہ کے خلاف جہاد کریں؟

اسلام آباد میں اس تحریض علی الجہاد اور اعلانِ جہاد کے بعد اسلام آباد و راولپنڈی ہی میں جس حاکم و سپہ سالار، فیلڈ مارشل کو جہاد کا کہا جا رہا ہے، اس کا جواب اس کے عمل سے ہمارے سامنے ہے، جہاں وہ امریکی وفد سے مل رہا ہے اور ان کا اتحادی، بلکہ اپنے آپ کو ان کا خادم باور کروا رہا ہے۔ یہی سپہ سالار جس کو بنیان مرصوص کو کم از کم اس وقت تک جاری رکھنا چاہیے تھا جب تک کہ وہ کم از کم الأقرب فالأقرب کے قاعدے کے تحت کم از کم کشمیر ہی آزاد کروا لیتا، لیکن یہی سپہ سالار ٹرمپ کی ایک فون کال پر ڈھیر ہو گیا۔ مومن سادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار ڈسا جاتا ہے۔ جہاد کے فرض ہونے کا بیان آج سے ڈھائی دہائی پہلے بھی ہوا تھا، جب امریکہ اپنے چار در جن اتحادیوں کے ہمراہ افغانستان پر ٹوٹ پڑا تھا، تب بھی انہی عہدوں پر موجود کچھ لوگ تھے، یہی افواج تھیں جنھوں نے افغانستان کی اسلامی حکومت کی پیٹھ میں خنجر گھونپا تھا۔ یہی مملکتِ خداداد پاکستان کی فضا ستاون ہزار بار ٹام ہاک وڈیزی کٹر بم، قندھار وغزنی پر برسانے کے لیے استعمال ہوئی تھی۔ اسی اسلام آباد میں امارتِ اسلامی افغانستان کے سفیر کو مادر زاد برہنہ کر کے چکلالہ ائیر بیس پہنچایا گیا تھا اور وہاں سے امریکی سی ون تھرٹی طیارے میں لاد کر گوانتانامو بھجوایا گیا تھا۔ پرویز مشرف کی کتاب 'اِن دی لائن آف فائر' شاہد ہے کہ اس نے چھ سو سے زیادہ مجاہدوں کو پیسوں کے بدلے امریکہ کو بیچا۔ عافیہ صدیقی سی مجروح روح سے کون واقف نہیں؟ بے شک غزہ میں جو تباہی آج صلیب وصہیون کے بیٹے کر رہے ہیں بہت ہی شدید ہے، لیکن ۲۰۰۷ء کے جولائی میں لال مسجد و جامعہ حفصہ میں جو سیکڑوں طالبات کو فاسفورس سے جلایا گیا، غزہ میں جو آج ہو رہا ہے یہی منظر ہم نے تب اسلام آباد میں بھی دیکھا تھا، آپریشن سائلنس لال مسجد کے بعد بش نے اس فوج کو شاباش دی تھی۔ یہی فوج ہے جس پر پچھلی آٹھ دہائیوں سے جہادِ کشمیر فرضِ عین تھا، لیکن اسی فوج اور اس کے جرنیلوں نے تحریکِ جہادِ کشمیر کو 'abandon' کیا۔ ڈرون حملوں کے لیے جیکب آباد، سی اور شمسی ائیر بیسیں امریکیوں کو حوالے کیں، گوادر بندر گاہ پر امریکی ٹینکوں کی زنجیروں اور ہموی گاڑیوں کے دیو ہیکل ٹائروں کے نشان ثبت ہوئے۔ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو اسی فوج کے کیانی و پاشا نے بیچا۔ وزیرستان تا سوات اپنے ہی قبائل کو آتش و آہن کی بارش سے جھلسایا، بلوچستان کا زخم ہمارے سامنے ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ لکھنے والے 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول

اللہ' کے نام پر بننے والی مملکتِ خداداد کے ایک لمحے کے لیے بھی مخالف نہیں رہے، حاشا وکلا! ہم تو ان وردی و بے وردی حکمرانوں اور ان افواج کے نامۂ اعمال کی انتہائی ہلکی سی جھلک آپ کو پیش کر رہے ہیں۔ کیا یہی فوج ہے، کیا یہی حکمران ہیں جن سے ہمیں جہاد کی توقع ہے؟

ہمارے یہ اپنے ہی فوجی بھائی ہیں جنہوں نے امریکہ کی خاطر ہمیں بیچا ہے، اس مملکتِ خداداد کو بیچا ہے، لا الٰہ الا اللہ کو بیچا ہے، بنگال سے لے کر نیلم تک کی بیٹیوں کو بیچا ہے۔ پھر اگر کوئی حق گو انہی میں پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا حشر چیف آف جنرل سٹاف جنرل شاہد عزیز اور کور کمانڈر کراچی جنرل مظفر حسین عثمانی کی صورت کیا، اپنے ہی پیٹی بھائیوں نے اللہ کے بجائے امریکہ کا کلمہ پڑھ کر ان دو جرنیل مجاہدوں کو شہید کر دیا۔

جب کولن پاؤل نے پرویز مشرف کو فون کر کے پتھر کے زمانے میں دھکیل دیے جانے کی دھمکی دی[1] (اگرچہ بعض ذرائع کہتے ہیں کہ یہ دھمکی کبھی دی ہی نہیں گئی یہ سب افسانے ہیں، مشرف پہلے ہی یہ سب کرنے پر آمادہ تھا) تو پرویز مشرف اپنے جرنیلوں اور سپاہیوں سمیت اس جنگ میں کود پڑا تھا، جنرل کیانی کی آفیسرز کے سامنے کی گئی گفتگوئیں اس پر شاہد ہیں (حالانکہ وہ اس وقت میجر جنرل کے عہدے پر تھا جو کہ ایسے فیصلوں کے لیے بہت زیادہ decision making رتبہ نہیں ہے)۔ پھر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

ہم آج غرناطہ کے ابو عبد اللہ سے، بنگال کے میر جعفر سے، دکن کے میر صادق سے کہہ رہے ہیں کہ تم پر اہلِ غزہ کی نصرت کے لیے جہاد فرضِ عین ہے! ہماری باتوں کا برا نہ مانیے! آپ تو اس امت کے طبیب ہیں، آپ ہی تو وارثِ انبیاء ہیں، اسی لیے تو یہ بپتا ہم آپ کے سامنے سناتے ہیں۔ لیکن یہ بپتا بھی تو ہماری کوئی ذاتی بپتا نہیں ہے۔ یہ تو تاریخ کے یحییٰ خانوں، نیازیوں، مشرفوں اور کیانیوں کی کہانی ہے۔ جنہوں نے اہلِ غرناطہ کے دین و ایمان اور ان اہلِ دین واہلِ ایمان کی جانوں اور عزتوں کا سودا کیا، جنہوں نے اپنے ہی سراج الدولہ کو شہید کروایا، جنہوں نے اپنے ہی ٹیپو سلطان کو بیچا۔

شریفِ مکہ حسین جس نے خلافتِ عثمانیہ کو توڑا، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے بیچا، اسی کی نسل آج اردن پر قابض ہے، اسی کا پڑپوتا شاہ عبد اللہ دوئم اور اس کی بیوی اسرائیل میں قتل ہونے والے صہیونیوں پر آنسو بہاتے ہیں۔ یہ مصر کی سرزمین میں بیٹھا سیسی، یہی تو اہلِ غزہ کو روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا پہنچنے نہیں دیتا۔ یہ ابنِ سلمان ہی تو ہے جس نے اسرائیل کے ساتھ نارملائزیشن کی ہے، جو ٹرمپ کے حالیہ دورے میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھ باندھ کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر ٹرمپ کا شکر گزار ہے۔ یہ امارات کا ابنِ زاید ہی ہے، جس نے غزہ میں زخمی ہونے والے صہیونی یہودی سپاہیوں کے لیے دبئی میں شباب و شراب کا انتظام تادم تحریر کر رکھا ہے، جو اپنے ملک میں ایک فوجی یہودی ربّی کے قاتل غیرت و عزیمت کے پاسبان ان چار ازبک نوجوانوں کو پھانسی دینے والا ہے، اسی نے عربوں کی بیٹیوں کو ننگے سر ابھی ٹرمپ کے سامنے رقص کروایا ہے۔ قطر کا تمیم چالیس کروڑ ڈالر کا جہاز امریکیوں کو تحفے میں دے رہا ہے اور اس کے پاس اہلِ غزہ کی نصرت کو کیا ہے، چند کھوٹے سکے، کچھ مونگ پھلی کے ڈبے؟ کیا ہمیں انہی سے توقع ہے کہ یہ جہاد کریں گے؟

ضرورت تو آج یہ ہے کہ سنتِ حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہما کو زندہ کیا جائے، سنتِ عبد اللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما کو زندہ کیا جائے، سنتِ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو زندہ کیا جائے اور زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ دینے والے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سنت پر عمل کیا جائے، اور یہ پاکیزہ ہستیاں تو فاسقوں فاجروں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کرنے والی تھیں، ان دو چار اموی و عباسی بادشاہوں نے کسی روم کے قیصر، کسی ایران کے کسریٰ، کسی خیبر کے مرحب کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ آج ہمارے یہ حکمران تو قیصرِ زمانہ ٹرمپ کے دوست ہیں، یہ مرحبِ وقت نیتن یاہو کو جزیرۃ العرب میں بلواتے ہیں اور اس سے ساز باز کرتے ہیں، ان کا عمل تو عبد اللہ ابن ابی سلول سے بھی بدتر ہے، ابنِ سلول تو اپنا نفاق چھپاتا تھا، یہ تو یہود و نصاریٰ سے اپنی ولایت و محبت کا اعلان اعلانیہ کرتے

---

[1] جیسے آج تجارتی پابندیاں عائد کرنے کی دھمکی ٹرمپ نے عاصم منیر کو بذریعہ شہباز شریف دی!

ہیں۔ قارئینِ کرام ہماری اس بے باکی پر ہمیں عذر دیجیے، جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو مکہ مکرمہ کے پڑوس میں، شہر جدہ میں ایک امریکی فاحشہ جینیفر لوپز اس وقت عریانی و برہنگی کو بھی شرماتا ایک رقص پیش کر رہی ہے...... کیسی قیامت ہے کہ راقم یہ سطور لکھتے ہوئے اور قاری یہ سطور پڑھتے ہوئے زندہ ہیں، یہ جزیرۃ العرب ہے، رسول اللہ ﷺ کا وطن ہے، یہیں آپ کا روضۂ اطہر ہے، یہیں جبریلِ امین علیہ السلام وحی لے کر اترا کرتے تھے، قدسیوں رضی اللہ عنہم نے اسی سرزمین کو اپنے لہو سے سینچا تھا، یہ حرمین کی سرزمین ہے، یہیں اسی سرزمین کے پڑوس میں غزہ کی بیٹیاں قتل ہو رہی ہیں اور ہم بھی...... ہم بھی کیا سادہ ہیں اسی عریانی کو برپا کرنے والوں سے ہمیں امیدِ جہاد ہے؟ ہم کہہ رہے ہیں کہ تم پر جہاد فرضِ عین ہے!

اللہ کی قسم! جہاد تو خائنوں، ان فاسقوں، ان فاجروں، یہود کے حامیوں، صلیب کے محافظوں، اللہ کی شریعت کی جگہ 'حکم بغیر ما أنزل اللہ' نافذ کرنے والوں کے خلاف فرضِ عین ہے! یہی تو ہیں جنہوں نے اسلام آباد سے لے کر ریاض و قاہرہ تک کے زندانوں میں مجاہدوں کو قید کر رکھا ہے۔ یہی تو محمدِ مصطفیٰ نبی الملاحم ﷺ کے غلاموں کو غزہ پہنچنے نہیں دیتے، انہی کی جاسوسی پر ایل او سی پار کر کے جانے والے غزوۂ ہند کے سپاہی پیر پنجال میں جامِ شہادت نوش کر جاتے ہیں!

اب اگر ایسے حکمرانوں کے خلاف بغاوت، خوارج کا طریقہ اور دہشت گردی ہے تو اللہ کی قسم! ہمیں قیامت کے دن ابنِ سلول کی روحانی اولادوں کے مذہب سے خروج کرنے والے خوارج میں ہی ہونا پسند ہے، ہمیں دہشت گرد ہونا ہی پسند ہے، ہم غزہ کے سر بریدہ بچوں کے قاتلوں کے حامی باوردی جرنیلوں اور عربی قباؤں میں ملبوس امیروں اور بادشاہوں کے ساتھ قیامت کے دن کھڑا ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

بطورِ مثال مان لیا کہ یہ تکفیریت اور خوارج کا طریقہ ہے، لیکن ہمیں تو یہی حکمران ولی الامر لگتے ہیں، شرعی اولو الامر! کیا شریعت نے خوارج کے بھی کچھ حقوق بیان کیے ہیں؟ شریعت تو جانور کو بھی تیز چھری سے ذبح کرنے کا حکم دیتی ہے کہ اس کو تکلیف نہ پہنچے۔ لیکن ہمارے یہ 'اولو الامر'، یہ کیانی، یہ باجوہ، یہ عاصم منیر، ان کے حکم پر مجاہدینِ اسلام کو پنجاب کے ڈیموں اور بیراجوں میں ان کے گیٹوں اور دیو ہیکل گراریوں میں ڈال کر قیمہ کیا جا رہا ہے۔ ڈرل مشینوں سے ان کے جسم ادھیڑے گئے ہیں۔ استریوں سے ان کو داغا گیا ہے۔ یہ مجاہد ہیں، یہ مرد ہیں، ان کی بات رہنے دیجیے۔ ان کی عفیفہ ماؤں کو جیلوں میں ڈالا گیا ہے، ان کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ مجاہدوں کی بیویوں کی عصمت جیلوں میں تار تار کی گئی ہے۔ صرف سوشل میڈیا پر جہاد کی حمایت کرنے والی کتنی عفیفات کو آئی ایس آئی کے غنڈوں نے اٹھایا ہے، جن کے چہروں کو غیر محرم نے نہیں دیکھا تھا، ان کا نقاب نوچا گیا ہے، ان سے برقعے چھینے گئے ہیں۔ مانا یہ سب خوارج ہیں، لیکن کیا شریعت ان خوارج کے بھی کچھ حقوق بیان کرتی ہے؟ ان کو خوارج جس نے کہنا ہے وہ کہے، لیکن کم از کم اتنے حقوق تو دے دے جو اقوامِ متحدہ کا چارٹر بیان کرتا ہے، جن حقوق کی آواز ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ہیومن رائٹس واچ اٹھاتے ہیں۔ آمنہ مسعود جنجوعہ بھی خارجیہ ہے کیا؟ سمی دین بلوچ جن بلوچوں سے وابستہ ہے ان کے افکار و طریقِ کار پر ہزار ابحاث ہو سکتی ہے، لیکن ہے تو وہ بھی کسی کی بیٹی، سرِبازار اس بیٹی کا دوپٹہ نوچنا انسانیت اور غیرت ہے؟ جن کے ہاتھوں اپنی قوم کی، مشرقی پاکستان کی بیٹیاں محفوظ نہ ہوں، جو بلوچستان میں چادر چھیننے والے ہوں، جو اسلام آباد کے ڈی چوک پر لاپتہ افراد کی بیویوں، بیٹیوں، ماؤں اور بہنوں کے حجاب نوچتے ہوں، کیا یہی غزہ کی نصرت کو نکلیں گے؟

اہلِ غزہ کے حق میں مظاہرہ کرنے کی جو حکومت اجازت نہ دے، جو غزہ کے حق میں مظاہرہ کرنے والوں کو اپنی گاڑیوں سے کچل کر شہید کرے، ان پر جہاد فرض نہیں ان کے خلاف جہاد فرض ہے!

یہ ہے وہ مساویہ، وہ equation جس کی اولاً بات کی گئی تھی۔

گھر میں جب آگ لگی ہو تو اس کو بجھایا جاتا ہے۔ ڈاکو گھر میں گھس آئیں تو جو چھری، چاقو، ڈنڈا، ہتھوڑا ملے اس سے وہیں ڈاکوؤں کو مارا جاتا ہے یہی انسانی طرزِ تعامل ہے، مرغی سے اس کے چوزے چھینیں گے تو وہ اپنے چونچ و پنجوں سے لڑ مرنے کو تیار ہو جائے گی۔ یہ قانونِ فطرت ہے! یہی حکمِ شریعت ہے!

پس آج پوری امتِ مسلمہ کو یہ دو باتیں ازبر کر لینے کی ضرورت ہے۔ ایک، امریکہ و اسرائیل میں کوئی فرق نہیں۔ دو، امریکی اتحادیوں سے امید رکھنا ایسا ہی ہے جیسے فرعون کے مقابل قارون سے امید رکھنا، قارون حضرتِ موسیٰ علیہ السلام ہی کا ہم قوم تھا لیکن مصاحب فرعون تھا۔

ہم امتِ مسلمہ کے سامنے، شہیدِ اسلام، سپہ سالارِ مجاہدینِ اسلام ابو خالد محمد الضیف حفظہ اللہ کا پیغام پیش کرتے ہیں:

”اے اردن و لبنان، مصر و الجزائر، مراکش اور پاکستان، انڈونیشیا و ملائیشیا اور کل عالمِ عرب اور عالمِ اسلام میں بسنے والے ہمارے لوگو!

آج ہی نکلو اور فلسطین کی طرف چلنا شروع کر دو۔ کل نہیں! آج اور ابھی! آج ہی روانہ ہو جاؤ! ان سرحدوں، حکومتوں اور پابندیوں میں سے کوئی بھی تمہیں جہاد میں شرکت اور مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا شرف حاصل کرنے سے محروم نہ کر سکے!

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

”(جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“

آج ہی وہ دن ہے (کہ جب جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوا جائے)۔ پس جس کسی کے پاس بندوق ہو تو وہ اسے لے کر نکلے، کہ یہی اس کا وقت ہے۔ اور جس کے پاس کوئی بندوق نہیں تو وہ اپنے خنجر اور چاقو، ہتھوڑے اور کلہاڑے لے کر نکلے، یا اپنے دیسی ساختہ بم، یا اپنے ٹرک اور بلڈوزر یا اپنی گاڑی...... کہ آج کا دن ہی وہ دن ہے (کہ جب جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوا جائے)!

تاریخ نے اپنے سب سے روشن، ممتاز اور ذی عزت و شرف صفحات پھیلا دیے ہیں، تو کون ہے جو نور و سعادت کے ان صفحات میں اپنا، اپنے خاندان اور اپنے علاقے کا نام لکھوائے؟

اے ہماری ملّت کے بیٹو! اور اے پوری دنیا کے مردانِ حُر!...... وہ حکومتیں جنہوں نے غاصب اسرائیل کے ساتھ اپنی حمایت و تعاون جاری رکھ کر اسرائیل کے جرائم کی پردہ پوشی کی اور خود بھی اس کے جرم میں شریک رہے، ان کا راستہ روکو!

آج کا دن عظیم انقلاب کا دن ہے۔ اس دنیا میں قائم آخری قابض اور نسلی تعصب پر مبنی آخری نظام کو ختم کرنے کے لیے اٹھنے کا دن آج ہی کا دن ہے!“

آج پانی سروں پر سے بھی گزر چکا ہے اور پلوں کے نیچے سے بھی بہہ چکا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جو نفیرِ عام دیتے دیتے محمد الضیف شہید ہو گئے تو اسی نفیر پر لبیک کہنے کا وقت ہے! امت کے مجاہد بیٹو! کل نہیں آج نکلو! بڑھو فرعونِ امریکہ کے آگے، نمرودِ اسرائیل کے آگے لا الٰہ کہہ دو!

اے چاند ستارو، مہ پارو! ____ کچھ کر ڈالو!
اُمت کی تجوری خالی ہے
دل، جگر، جواہر بھر ڈالو
سوچوں سے بجھی ہے آگ کبھی؟
گر جرأت ہو تو سر ڈالو!

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

⬩⬩⬩⬩⬩

مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (سورۃ الحجرات:۹)

”اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے، تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، اور (ہر معاملے میں) انصاف سے کام لیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

صلاح و اصلاح کا اسلامی نظام

عالمگیر فساد

صلاح و اصلاح کا جو عالمی نظام اسلام نے پیش کیا ہے، اگر اس کو دنیا اختیار کر لے تو فساد و افساد کے عالمگیر ماحول میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے، سیلاب جتنا تیز ہو بند اس کی شدت کو دیکھ کر باندھا جاتا ہے، آج پوری دنیا جس طرح کرپشن کا شکار ہے، اتنے وسیع پیمانہ پر شاید ہی کبھی بگاڑ پھیلا ہو، قرآن مجید نے اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (سورۃ الروم:۴۱)

”خشکی اور تری میں بگاڑ پھیل گیا ہے، لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے۔“

اعمال کی خاصیتیں

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اشیاء میں خواص رکھے ہیں، اسی طرح اعمال میں بھی خواص رکھے ہیں، حدیثوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، گانے بجانے اور فحاشی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے بعد زلزلوں اور طوفانوں کی کثرت ہوتی ہے، زمانہ اس کا گواہ ہے، دنیا میں آج فحاشی اور گانے بجانے کو جس طرح ایک فن کی شکل دے دی گئی ہے اور اس کو تعلیم کا اہم جزء بنا دیا گیا ہے، شاید پہلے اس کا تصور بھی نہ کیا گیا ہو گا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف ملکوں میں زلزلوں اور طوفانوں کا ایک تسلسل سا معلوم ہوتا ہے۔

دنیا میں قیامت سے پہلے قیامت کا منظر نگاہوں کے سامنے ہے، ہر شخص کو صرف اپنی فکر لگی ہے، اپنے تھوڑے سے فائدہ کے لیے وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے، اس خود غرضی کی خاصیت بے برکتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ افراد افراد کے ساتھ، جماعتیں جماعتوں کے ساتھ اور ملک ملکوں کے ساتھ برسرِپیکار ہیں، عدل و انصاف کے پیمانے بدل گئے ہیں، اصول و اخلاق کا توازن بگڑ گیا ہے۔

اصلاح کی دعوت

اسلام نے صرف صلاح ہی نہیں بلکہ اصلاح کی بھی دعوت دی ہے، سیلاب آتا ہے تو کوئی اپنے گھر کے دروازے بند کر کے محفوظ نہیں رہ سکتا، تیز موجیں اس کا خاتمہ کر کے دم لیں گی، اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ سیلاب کو روکنے کی کوشش کی جائے اور اس کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی جائے۔

موجودہ عالمی نظام کا سب سے بڑا نعرہ آزادی کا ہے، کوئی کچھ بھی کرے کسی کو اس وقت تک روکنے کا حق نہیں جب تک وہ دوسرے سے تعرض نہیں کرتا اور اس قانون میں بھی ایسا کھوکھلا پن ہے کہ ملک ملک کو ہڑپ کر جاتے ہیں، کسی کے منہ میں زبان نہیں جو بولے ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس“ کا اندھا نظام اپنی ترقی یافتہ شکل میں پوری طرح موجود ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ صلاح کے ساتھ اصلاح کے عمل کو جاری رکھیں، آپس کے جھگڑوں کو دور کریں، نزاعات کا تصفیہ کریں، تاکہ اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتیں صحیح مثبت اور تعمیری کاموں میں صرف ہوں، خاص طور پر اگر ایمان والوں میں نزاعی شکلیں پیدا ہو جائیں تو اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

آپس کے جھگڑوں کا وبال

آپس کے جھگڑے خواہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ نظر آتے ہوں، اسلام میں ان کو بدترین گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، ایک حدیث میں ان کو ”حالقہ“[1] سے تعبیر کیا گیا ہے، حالقہ استرے کو کہتے ہیں، جس طرح استرے سے سر کے بال صاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپس کے جھگڑوں سے دین آہستہ آہستہ نکل جاتا ہے، جو اعمال کیے گئے ہیں اس کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اعمال رائیگاں نہ چلے جائیں، اس لیے کہ نزاع میں عام طور پر آدمی اپنی زیادتی محسوس نہیں کر پایا، وہ فریق ثانی پر ظلم کرتا ہے، لیکن اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا ہے، دوسرے کا حق مارتا ہے، اس کے

[1] ابوداؤد، باب فی اصلاح ذات البین /۴۹۲۱، ترمذی، باب اصلاح ذات البین/ ۲۶۹۷،۲۶۹۸

ساتھ ناانصافی کرتا ہے، لیکن خود انصاف کی دہائی دیتا ہے، اس کے اس ظلم وزیادتی کے نتیجہ میں حرماں نصیبی اس کا مقدر بنتی ہے، دنیا میں وہ اس کو اپنی عزت کا سوال سمجھتا ہے، لیکن آخرت میں اس سے بڑھ کر مفلس کون ہو گا کہ نیکیوں کے باوجود اس کے بارے میں جہنم کا فیصلہ کر دیا جائے۔

جھگڑوں کی خاصیت اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، دشمن کو غالب آنے کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا (سورۃ الانفال: ۴۶)

”اور آپس میں جھگڑا مت کرو (ورنہ تو) تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ثابت قدم رہو۔“

صلح صفائی کا حکم

جس طرح خود جھگڑوں میں پڑنا باعث خفت وذلت ہوتا ہے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے، اسی طرح اہل ایمان کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جھگڑے کے ماحول کو بھی بدلنے کی کوشش کریں اور اگر اہل ایمان آپس میں الجھ رہے ہوں تو ان میں صلح کرادی جائے، دو ٹوٹے دلوں کو جوڑنا اور آپس میں صلح کرا دینا اتنا اہم اور فضیلت والا کام ہے کہ اس کے لیے اگر کچھ بات بھی بنانی پڑے تو اس کی اجازت دی گئی ہے۔

سورۃ الحجرات کی چھٹی آیت میں یہ حکم تھا کہ ہر سنی سنائی بات پر کان نہ دھرا جائے، اگر ایسا شخص کوئی خبر لے کر آیا ہے جس کا اعتبار نہیں تو بغیر تحقیق کوئی اقدام نہ کیا جائے، اگر غلطی ہو گئی تو اس کا نتیجہ جھگڑے کی شکل میں ظاہر ہو گا، اور یہ بات بڑھتے بڑھتے قتل وغارت گری تک پہنچ سکتی ہے، اسی لیے اسی سورہ کی نویں آیت میں یہ تلقین کی جارہی ہے کہ اگر اہل ایمان میں جھگڑے کی یہ شکل پیدا ہو تو ان میں صلح کی کوشش کی جائے اور اگر کوئی فریق صلح پر رضامند نہ ہو تو حتی المقدور اس کو اس پر آمادہ کیا جائے، ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

”اور اگر اہل ایمان میں دو فریق لڑ پڑیں تو ان دونوں میں میل ملاپ کرا دو۔“

عربی گرامر کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر اسم (Noun) پر ”اِن“ کا لفظ آ جائے تو اس کے بعد فعل ماضی، مضارع کے معنیٰ دیتا ہے، یہاں پر بھی بظاہر یہی مفہوم ہے کہ اگر دو گروہوں میں جھگڑا بڑھ جائے اور اس کا خطرہ پیدا ہو جائے کہ وہ قتل وغارت گری شروع کر دیں گے تو دونوں میں صلح کرادو، صلح کا یہ کام جتنی جلدی کرا دیا جائے، اور بات آگے نہ بڑھنے دی جائے، اتنا ہی یہ آسان ہے، جتنی اس میں تاخیر ہوتی جاتی ہے، دشواریاں بڑھتی جاتی ہیں۔

خود صلح کرانے میں دشواری ہو اور اس کا غالب امکان ہو کہ دونوں فریق یا دونوں میں سے کوئی ایک فریق اس کی بات ماننے پر رضامند نہ ہو گا تو بہتر ہے کہ درمیان میں ایسے لوگوں سے ثالثی کرائی جائے جن کا دونوں فریقوں پر اثر ہو اور دونوں فریق اس کی بات میں وزن محسوس کرتے ہوں۔

آیت کے شانِ نزول میں بعض واقعات بھی نقل کیے جاتے ہیں، لیکن اس میں خطاب جس طرح قرنِ اوّل کے مسلمانوں کو کیا گیا ہے، اسی طرح قیامت تک کے مسلمان اس کے مخاطب ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ اصلاح کے عمل کو جاری رکھیں، اگر صورت حال یہ پیدا ہو کہ ایک گروہ ظلم وزیادتی پر آمادہ ہو جائے اور وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہ ہو تو ہر ممکن طاقت سے اس فریق کو ظلم وزیادتی سے روکا جائے، ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ

”پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے لیے جھک جائے۔“

”بغی“ بغاوت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن اس کے اصل معنی حد سے تجاوز کرنے اور زیادتی کرنے کے ہیں، جو فریق بھی زیادتی کر رہا ہو اور بات سننے کا روادار نہ ہو تو مسلمانوں کے نمائندہ اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر طرح سے روکنے کی کوشش کریں، جہاں مسلمانوں کے پاس قوتِ نافذہ ہو، وہ اس قوت کا استعمال کریں تاکہ فساد کا وہ دروازہ بند ہو جائے، اور جہاں قوتِ نافذہ نہ ہو وہاں سماج کے دباؤ سے اجتماعی اور قانونی طاقت سے زیادتی کرنے والے فریق کو روکنے کی کوشش کی جائے۔

صلح کرانے کے آداب

آگے جو بات کہی جارہی ہے وہ صرف اسلام ہی کے متوازن عادلانہ نظام کا ایک حصہ ہے، دوسری جگہ اس کا تصور بھی مشکل ہے، طاقت سے ایک فریق کو روکنے کے باوجود اصلاح کی دوسری کوشش کا حکم دیا جارہا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب قوت کے استعمال میں بھی اعتدال و توازن قائم رہے، سب سے مشکل ترین کام ہے، آدمی خلاف ہوتا ہے تو دشمنی کی ساری حدود پار کرنے لگتا ہے، چاہتا ہے تو محبوب کی خامیاں خوبیوں کی شکل میں اس کو نظر آتی ہیں، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ:

أحبب حبيبك هونا ما عسى أن يكون بغيضك يوما ما، وابغض بغيضك هونا ما عسى أن يكون حبيبك يوما ما

”محبوب سے محبت کرو تو بھی اعتدال کے ساتھ، ممکن ہے کہ کسی دن وہ تمہارا مبغوض بن جائے، نفرت کرو تو بھی توازن کے ساتھ، ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا محبوب بن جائے۔“

دو فریقوں میں ثالثی کرنے والوں کو یہ بنیادی حکم ہے کہ اگر ایک فریق بات نہیں مانتا اور وہ ظلم پر کمر بستہ ہے، اس کو بہ زورِ طاقت ظلم سے روک دو، لیکن طاقت کے استعمال میں توازن قائم رہے، اصلاح کی کوشش ابھی ختم نہیں ہوئی، طاقت کے زور پر سہی، جب ایک فریق جھک گیا اور زیادتی سے باز آگیا تو اب دوبارہ دونوں فریقوں کو جوڑنے کی کوشش کرو اور دلوں کو ملانے کا کام کرو، ارشاد ہوتا ہے:

فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا

”پس اگر وہ جھک جاتا ہے تو پھر دونوں میں برابری سے صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو۔“

صلح کی دوسری کوشش کے موقع پر بار بار انصاف کا حکم اسی لیے دیا جارہا ہے کہ جب صلح کرانے والے، زیادتی کرنے والے فریق کے خلاف طاقت کا استعمال کر چکیں اور اس کی ضرورت اسی لیے پڑی کہ انہوں نے بات نہیں مانی تو طبعی طور پر میلان دوسرے فریق کی طرف ہونے کا غالب امکان ہے، اس اندیشہ کے پیش نظر اس کی تاکید کی جارہی ہے کہ کسی کی طرف فیصلہ کرنے میں جھکاؤ نہ ہو، اور صلح ممکن بھی اسی وقت ہے کہ جب دونوں فریق صلح کرانے والوں کو ہمدرد سمجھیں اور کسی ایک فریق کی طرف جھکاؤ محسوس نہ کیا جائے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

اس پر پوری آیت کا اختتام کیا جارہا ہے، جو مسک الختام ہے، صلح و اصلاح کی ساری کوششیں جو بڑی مبارک ہیں، اور ان پر اجر کے بڑے وعدے ہیں، اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں جب انصاف اور عدل کے ساتھ یہ کوششیں کی جائیں، اور پھر یہ علی العموم انعام ربانی ہے، ان لوگوں کے لیے جو ہر موقع پر انصاف سے کام لیتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جب اصلاح ذات البین میں، ٹوٹے اور روٹھے دلوں کو جوڑنے میں اس قدر اجر و ثواب ہے کہ جھوٹ جیسی برائی کو بھی اس کے لیے ایک حد تک روا رکھا گیا، تو اگر کوئی دلوں کو توڑنے کا کام کرے، لوگوں کو آپس میں لڑائے اور نمک مرچ لگا کر بات کو بگاڑے تو وہ کس قدر غضب الٰہی کا مستحق ہے!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

(سورۃ الحجرات: ۱۰)

”تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو۔“

اخوت اسلامی

ایمانی اخوت کی طاقت

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو محبت کی ایک لڑی میں پرو دیا، اپنے بیگانے ہوگئے اور بیگانے سگے بھائیوں سے بڑھ کر قرار پائے، خونی رشتہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن اسلامی رشتہ خونی رشتہ سے بڑھ کر ہے، خونی رشتہ طبعی اور فطری ہے، اس میں شعور و تعقل کو دخل نہیں ہوتا لیکن ایمانی رشتہ عقل و آگہی کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، عقل کے راستہ سے یہ محبت دل میں داخل ہوتی ہے پھر کوئی بڑی سے بڑی طاقت اس کو جدا نہیں کر سکتی، خونی رشتے ٹوٹتے ہوئے دیکھے گئے ہیں لیکن ایمان کا رشتہ جب استوار ہو جاتا ہے تو شاید ہی اس کو کسی نے ٹوٹتے ہوئے دیکھا ہو، اس ایمانی رشتہ کی بنیاد ایمان ہے، ایمان کی پختگی کے ساتھ اس کی پختگی قائم ہے، ایمان کی کمزوری سے یہ رشتہ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا فیض تربیت

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگ اس رشتہ سے واقف نہ تھے، ان کے تعلقات قبائل کی بنیادوں پر قائم تھے، ان کے یہ تعلقات اور آپس کے رشتے اندھے اصولوں کے ساتھ وابستہ تھے، ان کا نعرہ تھا:

أنصر أخاک ظالماً أو مظلوماً

”ہر صورت میں بھائی کی مدد کرنی ہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“

آنحضرت ﷺ نے بعثت کے بعد اسلامی اخوت کا جو رشتہ عطا فرمایا اس کو پاکیزہ اصولوں کے ساتھ جوڑا اور اس کی روشنی میں ان اوّلین مسلمانوں کی ایسی تربیت فرمائی کہ وہ ان تعلیمات میں ڈھل گئے، اسلامی اخلاق و تعلیمات اور اجتماعی زندگی کے اصول ان کے مزاج میں داخل ہو گئے، اسی لیے جب آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

أنصر أخاک ظالماً أومظلوما

”اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم“،

تو انہوں نے فوراً کہا:

هذا ننصره مظلوما فكيف ننصره ظالما

”ہم مظلوم کی مدد کرتے ہیں، ظالم کی مدد کیسے کریں؟“،

آپ ﷺ نے فرمایا:

تمنعه من الظلم

"اس کو ظلم نہ کرنے دو، یہی اس کی مدد ہے۔"[2]

آپ ﷺ کے فیض صحبت سے ان کے مزاج بدل گئے، کل تک جن کی زبانیں اسی نعرہ کو دہراتے دہراتے نہ تھکتی تھیں، آج جب آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے یہ جملہ دہرایا تو وہ چونک گئے، آپ ﷺ نے اس کا رخ پھیر دیا اور اس کی حقیقت بیان فرمادی کہ تم جس کو مدد سمجھتے ہو وہ دشمنی ہے، مدد تو یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روک دیا جائے تاکہ وہ اس کے اخروی اور حقیقی نقصانات سے محفوظ رہے۔

صحابہ کی زندگی

اسی پاکیزہ اسلامی بھائی چارہ کا اثر تھا کہ اسلام پھیلتا جاتا تھا اور اسلامی برادری بڑھتی جاتی تھی، اس میں رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہ تھی، کوئی حبش کا ہے تو کوئی فارس کا، کوئی خالص عربی النسل ہے تو کوئی عجم کے خاندان کا فرد ہے، سب ایک دستر خوان کے شریک ہیں، سب اپنے اپنے ظرف کے اعتبار سے لے رہے ہیں، کسی کو کسی سے کوئی عار ہے نہ بیر، یہ اسی اسلامی اخوت کا نمونہ تھا کہ عرب کے سردار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک حبشی نژاد سیاہ فام کے بارے میں "سیدنا"[3] ہمارے آقا کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں، حضرت بلال مؤذن رسول ﷺ کو یہ رتبہ کہاں سے ملا؟ یہ اسی اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا۔

حضرات صحابہ کا مزاج بن چکا تھا، وہ اس اسلامی اخوت کے حامل و ترجمان تھے، پھر ہجرت مدینہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے مواخات کی جو فضا قائم فرمائی، مہاجرین و انصار کے درمیان اس کے نتیجہ میں جو محبت قائم ہوئی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، ایک ایک مہاجر کو انصاری کا بھائی قرار دیا گیا، حضرات انصار نے اس کا حق ادا کر دیا، اپنا کل مال دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور مہاجرین کو اس میں پوری طرح شریک کرنا چاہا، اس کی انتہائی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں آپ جس کو پسند کرنا چاہیں قبول کر لیں میں طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں۔ حضرات مہاجرین کہاں اس پر راضی ہوتے، انہوں نے کہا کہ بازار کا پتہ بتا دیجیے، یہ مال آپ کو مبارک ہو۔[4]

اسی اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا کہ اوس و خزرج کے قبائل جن کی دشمنی سالہا سال سے چلی آرہی تھی، جنگ بعاث جن میں چالیس سال تک جاری رہ چکی تھی اسلام نے اس طرح ان کو جوڑ دیا کہ آج دونوں کی الگ الگ پہچان مشکل ہے، دنیا دونوں قبیلوں کو انصار کے نام سے جانتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

"اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم (آپس میں ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس (اللہ) نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، سو تم اس کی نعمت سے (آپس میں) بھائی بھائی ہو گئے۔"

سورہ الحجرات کی دسویں آیت میں اسی بات کو تازہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

"تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔"

رشتہ محبت

آیت کے اس حصہ میں کئی باتیں قابل غور ہیں، بھائی کا بھائی سے کیا رشتہ ہوتا ہے، کیسی محبت ہوتی ہے، آج خالص مادی دور میں شاید اس کو سمجھنا مشکل ہو، یورپ کے خالص مادی اور میکانکی نظام زندگی نے ساری انسانی قدریں خاک میں ملا دیں، اخبار میں اکثر یہ خبریں بھی آنے لگی ہیں کہ ماں نے بیٹے کو قتل کیا، نوزائیدہ بچہ کو اس کی ماں کوڑے دان میں ڈال گئی، بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں ہزار جاہلیت کے باجود یہ درندگی نہ تھی، وہ بھائی کے رشتہ محبت سے آشنا تھے، اسی رشتہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، ایک بھائی کا بھائی سے جو تعلق ہوتا ہے وہی تعلق ایک ایمان والے کا دوسرے ایمان والے سے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تشبیہ میں کوئی واسطہ اختیار نہیں کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ ایمان والے بھائیوں کی طرح ہیں، براہ راست کہا جا رہا ہے کہ وہ تو بھائی بھائی ہیں۔ تیسری ایک بات اور قابل توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ بات کہنے سے پہلے "اِنما" کا لفظ استعمال ہوا ہے، عربی گرامر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر لفظ "اِنما" کے ساتھ کسی چیز کی خبر دی جا رہی ہو تو وہ خبر بالکل نئی نہیں ہوتی، لوگ اس کے بارے میں پہلے سے واقف ہوتے ہیں گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ تم اخوت ایمانی سے واقف ہو تو تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

زندگی کا مزہ

آگے بطور خاص اس چیز کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی تمہید کے طور پر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ

"تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔"

یہ پوری آیت درحقیقت گذشتہ آیت کا تتمہ ہے جس میں یہ حکم تھا کہ اگر دو مسلمان گروہوں میں تصادم ہو جائے تو تمہیں صلح صفائی کرا دینی چاہیے، یہاں اس کی تحریض کی جا رہی ہے، اور اس کی وجہ بھی بیان ہو رہی ہے کہ اگر دو بھائیوں میں جھگڑا ہو جائے تو بقیہ بھائیوں کو رشتہ

[2] صحیح بخاری، باب أعن أخاک ظالما أو مظلوما/۲۴۴۴،۶۹۵۲، ترمذی، باب انصر أخاک ظالما أو مظلوما/ ۲۴۲۱، مسند احمد/۱۳۴۲۱

[3] مصنف ابن ابی شیبه، باب ما ذکر فی أبی بکر الصدیق رضی الله عنه /۴۴

[4] صحیح بخاری، باب إخاء النبی صلی الله علیه وسلم بین المهاجرین والانصار/۳۷۸۰، نسائی، باب الهدیة عن عرس/۳۷۰۱

محبت کی بنا پر اس کی فکر ہوتی ہے کہ دونوں کو ملا دیا جائے تاکہ سب کو اس مصیبت سے نجات ملے اور زندگی کا مزہ آئے، اسی طرح ایمانی رشتۂ اخوت میں بھی جو کسی طرح بھی خونی رشتہ سے کم نہیں بلکہ بعض وجوہات کی بنا پر اس سے بڑھ کر ہے، یہی فکر ہونی چاہیے، اگر دو ایمان والوں میں یا دو مسلمان گروہوں میں نزاع ہو تو بقیہ ایمان والے بھائیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ صلح صفائی کی فکر کریں تاکہ بہتر ماحول پیدا ہو، آپس کے تعلقات استوار رہیں اور جینے کا مزہ آئے، آیت کے اخیر میں فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝

"اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو۔"

اس میں خطاب صرف صلح کرانے والوں کو ہی نہیں ہے بلکہ دونوں جھگڑنے والے فریق بھی اس میں شامل ہیں، اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک عمومی حکم بھی ہے، تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے مومن اللہ کی رحمت خاص کا مستحق بنتا ہے، عام طور پر جھگڑے دل کے میل سے پیدا ہوتے ہیں، کینہ کپٹ، حسد، غیبت، چغلی، حق تلفیاں جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہیں، اگر تقویٰ مزاج میں داخل ہو گا تو دلوں میں صفائی پیدا ہو گی، قلبی امراض سے شفا ملے گی، دل آئینہ کی طرح شفاف ہو جائے گا، اپنی برائیاں نظر آنے لگیں گی، اب دوسروں کی آنکھوں کے شہتیر کے بجائے اپنی آنکھ کے تنکے نظر آئیں گے، دوسروں کے لیے چشم پوشی کا مزاج بنے گا، اور اس کے نتیجہ میں بہتر سے بہتر ماحول پیدا ہو گا، دونوں فریقوں کو بھی صلح کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور ثالثی کرنے والے اور صلح صفائی کرانے والے کو بھی تقویٰ کی ضرورت ہے تاکہ وہ جنبہ داری نہ برتے، فیصلہ کرتے وقت اللہ کا لحاظ اور اس کا ڈر ہو۔
مجموعی اعتبار سے اس تقویٰ کے نتیجہ میں جب میل ملاپ کا ماحول بنے گا، ایک دوسرے کا خیال ہو گا تو یہ چیزیں بھی رحمت الٰہی کو متوجہ کرنے والی ہیں۔

عالمی اخوت اسلامی کی یہ دعوت ہی نہیں بلکہ حقیقت ایمان کا یہ نتیجہ ہے جس کو آیت شریفہ میں بیان کر دیا گیا ہے، اور یہ نتیجہ تب ہی ظاہر ہو گا جب ایمان اور ایمان کے تقاضوں کو سمجھ کر ان پر عمل کا جذبہ ہو گا، جب مومن اپنے مومن بھائی کے لیے وہی پسند کرے گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، جب وہ اپنے مومن بھائی کو نہ رسوا کرے گا نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے گا، بلکہ اگر ضرورت پڑے گی تو اس کے لیے سِپَر بن جائے گا، یہ ہے وہ ایمانی اخوت کا مضبوط تر رشتہ جس کے نتیجہ میں ایک صحابی نے جان دے دی لیکن اپنے پیاسے ایمانی بھائی سے پہلے خود پانی پینا گوارہ نہ کیا۔[5]

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

---

[5] معجم کبیر للطبرانی ۳۲۶۴/۱، بیہقی، شعب الایمان، باب ماجاء فی الایثار/۳۳۲۹، مستدرک حاکم، باب ذکر مناقب عکرمہ/۵۰۵۸

سیاست اور اسلام

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایک شخص سیاست کا ماہر ہے مگر ہے کافر، اس میں اس کی اقتداء کر لی جائے، کیا حرج ہے؟

فرمایا کہ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ اگر کافر نماز خوب جانتا ہو اور مسلمان نہ جانتا ہو، تو کیا اس کافر کی اقتداء جائز ہے؟ شبہ کا منشا یہ ہے کہ سیاست کو لوگ دین نہیں سمجھتے۔ خود یہی سخت غلطی اور جہل اعظم ہے۔ سیاست بھی تو دین ہی ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اسلام نے سیاست کی تعلیم نہیں کی۔ سو یہ کتنی بڑی تحریف ہے۔

پھر دین میں کافر کی اقتداء کرنا کیا معنی؟ نیز کیا اس میں اسلام اور مسلمانوں کی اہانت نہیں ہے؟ اور کیا کوئی شخص کہیں یہ بات دکھلا سکتا ہے کہ اس طرح سے کہ اسلام اور مسلمانوں کی اہانت کرانا اور ان کو ذلیل کرانا جائز ہے؟ اور کیا مسلمانوں میں ایسا کوئی نہیں کہ وہ سیاست جانتا ہو؟

البتہ اس طریق سے ان کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں کہ کافر تابع ہوں اور مسلمان متبوع، اور یہاں بالکل عکس ہے کہ مسلمان تابع اور کافر متبوع۔

اور مجھ کو عوام کی اور لیڈروں کی شکایت نہیں، وہ جہل میں مبتلا ہیں ہی، شکایت تو علماء کی ہے کہ وہ غلطی میں پھنس گئے۔ حق تعالیٰ ہدایت فرمائیں اور جہل سے محفوظ رکھے۔ مجھ کو ایسی باتیں سن کر بے حد قلق اور صدمہ ہوتا ہے جب لکھے پڑھوں کی نسبت سنتا ہوں کہ وہ ایسی خرافات کے حامی اور دلدادہ ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

عجیب بات ہے کہ خسران کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہے ہیں، مگر بات کی پچ ہو گئی، اس سے نہیں ہٹتے، اور ایسے ایسے لچر استدلالات اور تاویلات کرتے ہیں جو اہل علم کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

(حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، بحوالہ: الافاضات الیومیہ)

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد فوائد وحِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

زیر نظر تحریر شیخ منصور شامی (محمد آل زیدان) شہید رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ عربی مقالات کا اردو ترجمہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ محرم ۱۴۳۱ھ میں وزیرستان میں شہید ہوئے۔ یہ مقالات مجلہ 'طلائع خراسان' میں قسط وار چھپے اور بعد ازاں مذکورہ مجلّے کی جانب سے محرم ۱۴۳۲ھ میں کتابی شکل میں نشر ہوئے۔ ترجمے میں استفادہ اور ترجمانی کا ملا جلا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مترجم کی طرف سے اضافہ کردہ باتوں کو چوکور قوسین [] میں بند کیا گیا ہے۔ (مترجم)

جنگ صرف ایک ہی دھوکہ ہے!

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الحرب خدعة

"جنگ صرف ایک ہی دھوکہ ہے۔"[1]

مطلب یہ کہ ایک ہی چال جنگ کا پانسہ پلٹ کر اسے انجام تک پہنچا دیتی ہے[2]، ضرب المثل مشہور ہے کہ 'رُبّ حيلة انفع من قبيلة' (کچھ تدبیریں پورے ایک قبیلے سے بھی زیادہ کارآمد ہوتی ہیں۔)

لیکن سرِ دست ہمارا مقصد مذکورہ دونوں واقعات میں دشمن کے خلاف اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے 'حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگی چالوں' کی تفصیل بیان کرنا نہیں، بلکہ صرف دو باتوں کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے:

اول: دھوکہ دہی یعنی جنگی چال اور بد عہدی میں فرق

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"[حدیث میں] دھوکے سے مراد ہے: ایک بات کو ظاہر کرنا جبکہ اس کے برخلاف بات کو دل میں چھپائے رکھنا۔"[3]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جنگ میں کفار کو ہر ممکن طریقے سے دھوکہ دینا جائز ہے، البتہ بد عہدی اور امان دے کر پھر اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔"

لہٰذا بد عہدی کو جنگی چال قرار دینا جائز نہیں، بالکل ایسے ہی جیسے جنگی چال کو بد عہدی کہنا ناروا ہے۔[4]

اس لیے کعب بن اشرف کے قتل کو غدر کہنا جائز نہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کعب بن اشرف کے قتل کو غدر کہنا کسی کے لیے جائز نہیں، ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں یہ بات کی تو آپ رضی اللہ عنہ کے حکم پر اسے قتل کر دیا گیا۔"[5]

دوم: دھوکے اور چالبازی کے فن کو ذہین لوگ ہی اچھی طرح بروئے کار لا سکتے ہیں

چالیں ہمیشہ یکساں نہیں رہتیں، بلکہ زمان و مکان اور صورتحال و افراد کے اعتبار سے ان میں مستقل تبدیلی آتی ہے، ورنہ وہ چال ہی نہیں رہتیں۔

بدیہی ہونے کے باوجود میں نے یہ نکتہ اس لیے ذکر کیا کہ ہم اپنے بعض بھائیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دشمن کے خلاف ہمیشہ ایک جیسی جنگی چال چلتے ہیں، دشمن کو دھوکہ دینے کے نئے طریقے نہیں ایجاد کرتے کہ اسے کاری ضرب لگا سکیں، طریقہ جنگ ہمیشہ ایک جیسا رکھتے ہیں، فرسودہ چالوں پر اکتفا کرتے ہیں، بسا اوقات تو اسی پرانی جگہ اور اسی وقت میں سابقہ حربہ اختیار کرتے ہیں جس کے پھر سنگین نتائج نکلتے ہیں، لہٰذا عقلِ سلیم رکھنے والوں کو اس طرزِ عمل سے باز رہنا چاہیے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب: الحرب خدعة

[2] فتح الباری، تحت هذا الحديث

[3] ایضاً

[4] شرح صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب: جواز الخداع في الحرب

[5] شرح صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب: قتل كعب بن اشرف

نیکی میں مسابقت

عبد اللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"اللہ کا اپنے رسول ﷺ پر ایک انعام یہ ہوا کہ اوس و خزرج دونوں قبیلے آپ ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے، اوس قبیلہ جب بھی آپ ﷺ کی خوشنودی والا کوئی کام کرتا تو خزرج قبیلے کہتے: بخدا! اوس قبیلہ اپنے اس کارنامے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ہاں ہم پر فضیلت نہیں پا سکتا، سو وہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک ویسا ہی کوئی کارنامہ نہ کر دکھاتے، اور جب خزرج کوئی کارنامہ انجام دیتا تو اوس کا بھی یہی حال ہوتا، جب اوس نے رسول اللہ ﷺ کے دشمن کعب بن اشرف کا کام تمام کیا تو خزرج نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اس میں ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتے، تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ابن اشرف جیسا اور کون رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے؟ ابن ابی الحقیق کا نام سامنے آیا جو خیبر میں رہتا تھا، قبیلہ خزرج نے آپ ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر اسے جا کر قتل کر ڈالا۔"[6]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آخرت اور اجر و ثواب کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، یہ جذبۂ مسابقت انسانی فطرت ہے، انسان ہمیشہ دوسروں سے برتر ہونا پسند کرتا ہے اور اسے یہ ناگوار گزرتا ہے کہ کوئی اور اس سے بالاتر ہو، لیکن یہ جاننا لازم ہے کہ مسابقت کا جذبہ دو طرح کا ہے، ایک قسم تو قابلِ تعریف ہے یعنی آخرت کی بابت مسابقت اور ایک قسم مذموم و قابلِ ترک ہے یعنی دنیا اور دنیاوی بڑائی میں مسابقت۔

آخرت میں مسابقت اچھی بات ہے، خواہ یہ مسابقت دو افراد کے درمیان ہو یا دو گروہوں کے بیچ، جب تک مقصود آخرت ہو نہ کہ دنیاوی نام و نمود، اس لیے صدرِ اسلام میں مجاہدین کی جماعتیں قبیلوں کے اعتبار سے بنائی جاتی تھیں، کیونکہ اس سے جذبہ مسابقت پروان چڑھتا ہے اور لشکر کی مضبوطی کا سبب بنتا ہے۔

لیکن چونکہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے غفلت زیادہ ہو جاتی ہے، اس لیے ایک مسلمان کو ہمیشہ چوکنا رہ کر اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ اس کی نیت میں کھوٹ تو نہیں آ گیا؟ اللہ کی خوشنودی کے حصول کے جذبے کی جگہ اپنی ذات کی بڑائی کے احساس نے تو نہیں لے لی؟ اللہ کی رضا کے لیے جماعت و قبیلے سے قوت کے حصول کے بجائے خود جماعت اور قوم کو سربلند کرنا تو مقصد نہیں بن گیا؟

نیت کے اس کھوٹ اور خرابی کو جاننے کے لیے چند علامات ہیں:

- یہ مسابقت دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس کے ایمانی تعلق، خواہ شخصی سطح پر ہوں یا جماعتی سطح پر، پر اثر انداز ہو، اپنے قبیلے یا جماعت کے فرد کو قریب کرے اور عزت دے، جبکہ دوسروں کے ساتھ اس کا رویہ دوری اور بے مروتی کا ہو۔
- اپنے مسلمان مجاہد بھائی یا جماعت کے لیے اس کے دل میں بغض و حسد پیدا ہو جائے اور وہ ان کے زوال و خاتمے کی تمنا کرنے لگے۔
- اپنے قول و فعل اور سازش کے ذریعے اسے گرانے اور ختم کرنے کی کوشش کرے۔
- اپنی جلن مٹانے کے لیے اس کی خطائیں ڈھونڈے، اس کا مذاق اڑائے اور ان خطاؤں کو نشر کرے۔
- اپنی ذات یا جماعت کو بڑا دکھانے کے لیے اس کی تعریف میں مبالغے کی حدود پار کر جائے اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے صراحتاً یا اشارتاً ان پر طعنہ زنی کرے اور انہیں کمزور دکھائے۔
- اپنی ذات یا جماعت یا اپنے امیر کی غلطیوں کو جائز قرار دینے کی کوشش کرے اور ان کا دفاع کرے، جبکہ پتہ بھی ہو وہ غلطی ہے یا پھر امکان کے باوجود اس کا حکم اور نوعیت جاننے کی کوشش ہی نہ کرے، بلکہ آنکھیں بند کر کے اسے صحیح سمجھے [اور سمجھانے والے کی بات ہی نہ سنے]۔

یہ سب افعال اس پر دالّ ہیں کہ اس کی نیت میں خرابی اپنا راستہ بنا چکی ہے، اب یہ قابلِ تعریف قبائلی یا جماعتی تعاون نہیں رہا، بلکہ مذموم جاہلی عصبیت بن چکا ہے۔

سو ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے کہ اس کی جماعت ذریعے کے بجائے مقصود نہ بن جائے اور ہر پل اپنے دل کو ٹٹولتے رہنا چاہیے، کیونکہ قلبی حالت بدلتی رہتی ہے اور نفس کی تو فطرت ہی یہی ہے کہ وہ قابو سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، البتہ جو اللہ کا سہارا تھام لے تو صراطِ مستقیم پر وہی گامزن رہ سکتا ہے۔

غزوہ اُحد سے مستفاد دروس

شوال کے مہینے میں مناسب ہے کہ ہم دروس اور عبرتوں سے بھرے غزوے 'غزوہ احد' کا ذکر کریں، یہ غزوہ شوال المکرم تین ہجری کو برپا ہوا، بدر کی شکست کے بعد مشرکین تلملا رہے تھے اور اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتے تھے، سو اپنا ساز و سامان لے کر مسلمانوں کے

[6] البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۱۳۷

مرکز مدینہ منورہ پر حملہ کرکے انہیں نیست و نابود کے ارادے سے روانہ ہوئے، کافی مشوروں اور غور و خوض کے بعد مسلمان ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور 'اُحد' پہاڑ کے پاس ان کا مشرکین کے لشکر سے سامنا ہوا، یہ غزوہ اسباق سے پُر ہے اور اس کے کئی واقعات پر ٹھہر کر ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

منافقین کا کردار

جب مسلمان مشرکین کے لشکر کے قریب پہنچے تو منافقین کا سردار عبد اللہ بن اُبی ایک تہائی لشکر کو لے کر جنگ سے پیچھے ہٹ گیا اور بہانہ یہ بنایا: 'ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہم کیوں خود کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر رہے ہیں'۔ مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری بات (مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنے کی) نہیں مانی اور دوسری رائے (مدینہ سے نکل کر مقابلہ کرنے کی) پر عمل کیا[اور یہ فیصلہ تو نری ہلاکت ہے]۔

''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سردارِ منافقین کی یہ دلیل بودی تھی، کیونکہ اگر اسے اپنی رائے پر عمل نہ ہونے کا اتنا ہی قلق تھا تو لشکر کے ساتھ شروع سے ہی نہ نکلتا، لیکن اس نازک موقع پر اس سرکشی اور علیحدگی کا مقصد یہ تھا مسلمانوں کے لشکر میں دشمن کی آنکھوں کے سامنے انتشار پھیلے کہ لشکر کا ایک بڑا حصہ پسپا ہو گیا اور باقی ماندہ کے حوصلے پست ہو جائیں، جبکہ یہ دیکھ کر مشرکین کے لشکر کے حوصلے بلند ہو جائیں اور وہ جلدی سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کا کام تمام کر دیں اور سردارِ منافقین کے لیے دوبارہ مدینہ کی سرداری کا راستہ صاف ہو جائے۔

رئیس المنافقین کا یہ گھناؤنا حربہ کامیاب ہونے لگا تھا، قریب تھا کہ مخلصین کے دو قبیلے (بنو حارثہ اوس میں سے اور بنو سلمہ خزرج میں سے) بھی ہمت ہار بیٹھتے اور پیچھے ہٹ جاتے، لیکن اللہ نے ان کی مدد کی اور انہیں ثابت قدم رکھا، اسی بابت یہ ارشادِ باری ہے:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۲۲)

'جب تم ہی میں سے دو گروہ ہمت ہارنے کا ارادہ کر بیٹھے، حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا اور اللہ ہی پر اہلِ ایمان کو توکل کرنا چاہیے۔'''[7]

اسی صورتحال کو دیکھ کر مشرکین کے سپہ سالار حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے انصار کو یہ پیغام بھجوایا کہ 'ہماری تم سے کوئی جنگ نہیں، ہمارے اور ہمارے ہم قبیلہ دشمنوں کے بیچ سے ہٹ جاؤ'۔ انصار نے اس کی اس پیشکش کا بڑا سخت جواب دے کر اسے مایوس کیا، یہی حال ابو عامر فاسق کی کوشش کا بھی ہوا۔

ان سب ریشہ دوانیوں کے باوجود اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ثابت قدم رکھا اور ان کے پائے استقلال میں لرزش نہ آنے دی۔

یہ وہ منظر نامہ ہے جو آئے دن ہمارے سامنے آتا ہے، یعنی نفاق کی صورتیں اور ایمان کی صورتیں، قرآن و سنت سے جُڑے لوگوں کے لیے منافقین کی صورتوں کو پہچاننا دشوار نہیں، کیونکہ خود قرآن و سنت نے ان کے خد و خال واضح کر دیے ہیں، جہاد کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے ان کے ہتھکنڈوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

نفاق کے اس اژدھے نے مجاہدین کو ہر دور میں تکلیفیں پہنچائی ہیں، یہ کبھی اپنی فطرت سے باز نہیں آتا، ہمیشہ اپنے زہر سے مجاہدین کو کمزور کرتا ہے، کبھی انہیں گمراہ جماعت کہتا ہے، کبھی ان کے جہاد کی مشروعیت پر سوال اٹھاتا ہے، کبھی ان کے مقتولین کے شہید ہونے کا انکار کرتا ہے، غرض کفار کے زر خرید یہ منافقین ہمیشہ مجاہدین کو نقصان پہنچانے اور انہیں بدنام کرنے کی تاک میں رہتے ہیں۔

مجاہدین پر اعتراضات کا ایک معروف سبب تو دنیا اور دنیاوی جاہ و منصب کی طلب و چاہت ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی ایک سبب ہے جس کی وجہ یہ منافقین مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈے کرتے ہیں، وہ یہ کہ اللہ کے فضل سے مجاہدین نے ہی توحید کا صحیح معنی میں حق ادا کیا اور سیرتِ رسول ﷺ کو اپنایا، جس سے دعوت و جہاد کا جھوٹا نعرہ لگانے والے منافقین کا پردہ چاک ہوا اور جب بھی ایسا ہوتا ہے تو منافقین خود سے نظریں ہٹانے کے لیے مخلصین کے کردار و عمل میں کیڑے نکالنے لگتے ہیں۔

لیکن اہلِ صدق و ایمان اس سب کے باوجود اور مخالفین کی کثرت کے علی الرغم آگے سے آگے بڑھتے رہتے ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک انہیں 'طائفہ منصورہ' کا لقب ملا ہے، مخالفین کی مخالفت سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ان لمبی زبان والے منافقین کے لیے ہر دور کے اہلِ صدق و وفا کا جواب وہی ہے جو انصار نے ابو عامر فاسق کو دیا تھا:

''اے فاسق! اللہ کبھی تیری آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے۔''

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

[7] الرحیق المختوم: ۲۹۹

موت ومابعد الموت

قیامت کے دن متقین صالحین کے احوال

آج ہم حال الاتقیاء، یعنی قیامت کے دن محفوظ و مامون رہنے والے متقین کے احوال کے حوالے سے بات کریں گے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ ہم ان لوگوں سے شروع کریں گے جن کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ○ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ○ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ○﴾

(سورۃ الانبیاء: ۱۰۱ تا ۱۰۳)

”(البتہ) جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی پہلے سے لکھی جا چکی ہے، (یعنی نیک مومن) ان کو اس جہنم سے دور رکھا جائے گا۔ وہ اس کی سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں کے درمیان رہیں گے۔ ان کو وہ (قیامت کی) سب سے بڑی پریشانی غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے ان کا (یہ کہہ کر) استقبال کریں گے (کہ) یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ

اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ سب سے بڑے خوف، دہشت اور پریشانی کا نام ہے۔ اور یہ یومِ قیامت کا نام ہے کیونکہ یوم حشر کے دن سے بڑا دہشت ناک دن کوئی نہ ہو گا۔ اللہ رب العزت ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ عظیم خوف انہیں پریشان نہیں کرے گا۔ اس دن وہ غمگین، پریشان، نادم اور حزین نہیں ہوں گے بلکہ وہ اس دن محفوظ و مامون ہوں گے۔ کیوں؟ ایک ایسے وقت میں کہ جب لوگ دہشت زدہ ہوں گے، خوفزدہ ہوں گے، گھبرائے ہوئے ہوں گے اس وقت یہ لوگ کیونکر محفوظ و مامون ہوں گے اور انہیں کوئی خوف اور غم لاحق نہیں ہو گا۔ اس کا جواب ہمیں قرآن وسنت سے ملتا ہے۔

۱. حشر کے دن سے ڈرنے والے

ان میں سے پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾ (سورۃ الدھر: ۱۰)

”ہم تو ڈرتے ہیں اپنے رب کی طرف سے ایک ایسے دن سے جس کی اداسی بڑی ہولناک ہو گی۔“

عبوس الوجہ یعنی یوم حشر ایسا دن ہو گا کہ جس دن چہروں پر غم چھایا ہوا ہو گا اور غم کے آثار چہروں پر واضح ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قمطریرا کا معنی طویل ہے، کہ یہ دن بہت طویل ہو گا۔ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی شدید ہے یعنی یہ بہت سخت دن ہو گا۔ پس یوم حشر نا صرف ایک طویل دن ہے بلکہ یہ تکالیف اور مشکلات سے بھرپور ہے اور یہ ایسا دن ہے کہ جس دن لوگوں کے چہروں پر غم و حزن اور مایوسی چھائی ہو گی۔

یہ متقین جب دنیا میں ہوں گے تو لوگوں سے کہتے ہوں گے کہ ﴿إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾ ہم اس دن سے ڈرتے ہیں، یعنی وہ دنیا میں ہی اس دن کے خوف سے ڈرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ آخرت کے دن اللہ رب العزت نے انہیں اس خوف سے مامون کر دیا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے:

قال الله عز وجل وعزتي وجلالي لا أجمع لعبدي أمنين ولا خوفين، إن هو آمنني في الدنيا أخفته يوم أجمع عبادي، وإن هو خافني في الدنيا آمنته يوم أجمع عبادي. (كنز العمال)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں اپنے بندے کے لیے دو خوف اور دو امن جمع نہیں کروں گا۔ اگر وہ دنیا میں مجھ سے بے خوف رہا تو میں اسے اس دن ڈراؤں گا جس میں میں بندوں کو جمع کروں گا اور اگر وہ دنیا میں مجھ سے ڈرا تو میں اسے اس دن بے خوف کر دوں گا جس دن بندوں کو جمع کروں گا۔“

لہٰذا اگر کوئی دنیا میں رہتے ہوئے یوم قیامت کا خوف نہیں رکھتا ہو گا تو آخرت کے دن اسے ڈرنا ہو گا اور اگر کوئی دنیا میں آخرت کے دن سے ڈرتا رہے تو وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بہت بہتر ہے کہ انسان دنیا میں ڈرتا رہے۔ اگر کسی نے کوئی گناہ کیا ہے تو دنیا میں توبہ کر کے اسے دھو لینا بہت آسان ہے بنسبت آخرت میں اس سے پاک ہونے کے، کیونکہ آخرت میں گناہوں کی پاکی کے گیارہ سے زیادہ طریقے ہیں۔ مختصراً یہ کہ اگر کسی نے گناہ

کیا ہو تو اللہ رب العزت اس کے گناہ کو دنیا میں اس پر گزرنے والی تکالیف کے ذریعے دھو دیں گے مثلاً بیماری، مسائل، حادثات، معاشی پریشانیاں، ان سب کے ذریعے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اگر یہ کافی نہ ہوں گناہوں کی معافی کے لیے تو پھر سکرات الموت کی سختی بعض گناہوں کی معافی کا سبب بنتی ہے۔ اگر اس کے ذریعے بھی انسان گناہوں سے پاک نہ ہو سکے تو پھر قبر میں سزا دی جائے گی اور اس وقت تک یہ زیادہ شدید اور زیادہ مشکل ہو چکی ہو گی۔ یہ بھی کافی نہ ہوا تو قیامت کے دن کی ہولناکی اور اس سے بھی سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو گناہوں کے بقدر جہنم کی آگ، کیونکہ گناہوں کا دھلنا ضروری ہے ورنہ اللہ رب العزت کسی ایسے شخص کو جنت میں داخل نہ فرمائیں گے جو گناہوں سے مکمل طور پر پاک نہ ہوا ہو۔ جنت میں کوئی آلودگی بھی قابل قبول نہ ہو گی لہٰذا انسان کو جنت میں داخلے کے لیے گناہوں سے پاک ہونا ہو گا۔ انسان کو پاکی کے اس پورے عمل کے ذریعے اپنے اعمال کی قیمت چکانی ہو گی۔ دنیا میں اپنے گناہ معاف کروانا بہت آسان ہے کیونکہ انسان کو اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا سوائے توبہ کے۔ اور دنیا میں جو تکلیف بھی انسان اٹھائے گا وہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہو گی جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۷۵)

”چنانچہ (اندازہ کرو کہ) یہ دوزخ کی آگ سہنے کے لیے کتنے تیار ہیں۔“

کوئی بھی جہنم کی تکلیف اور اذیت برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ لہٰذا جتنی جلدی انسان اپنے گناہوں سے خلاصی حاصل کر لے اتنا ہی بہتر ہے اور دنیا میں یہ بہت آسان ہے۔ وہ لوگ جن کے لیے اللہ رب العزت نے خیر اور بھلائی کا وعدہ کیا ہے انہوں نے آخرت کے دن کا خوف دنیا ہی میں محسوس کیا، وہ دنیا میں اس سے ڈرے تو آخرت کے دن اللہ رب العزت انہیں امن عطا فرمائیں گے۔

میرا مشاہدہ یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ہمیں بہت کم آگاہی حاصل ہے۔ ہم اس سے بے پرواہیں اور ہماری اس طرف بالکل توجہ نہیں ہے۔ سبحان اللہ! مجھے لگتا ہے کہ آخرت کا معاملہ جتنا صحابہ پر اثر کرتا تھا اس کا ایک فیصد بھی ہم پر اثر نہیں کرتا۔ وہ حقیقتاً آخرت کا خوف رکھتے تھے۔ جب بھی نبی کریم ﷺ آخرت کا ذکر فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو پڑتے اور اللہ رب العزت سے ملاقات کا دن ہمیشہ ان کے دلوں اور ذہنوں میں مستحضر رہتا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز، ان کے ہاتھ میں وہ سب کچھ تھا کہ جس کی تمنا دنیا کر سکتی ہے۔ وہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت، اور دنیا کی اس وقت واحد سپر پاور خلافت اسلامیہ کے سربراہ تھے، خلیفہ تھے اور وہ جس چیز کے چاہتے مالک بن سکتے تھے۔ ان کی اہلیہ فاطمہ بنت عبد الملک فرماتی ہیں کہ ایک روز وہ سونے کے لیے بستر پر تشریف لائے اور وہ سونا چاہتے تھے مگر اچانک وہ اپنے بستر میں کانپنا شروع ہو گئے اور اٹھ بیٹھے اور پھر صبح تک روتے رہے اور نہیں سو سکے۔ کہتی ہیں کہ میں نے ان کے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: ’مجھے اس دن کی یاد نے تڑپا دیا کہ جس دن مجھے بتایا جائے گا کہ یا جنت میں چلے جاؤ اور یا جہنم میں چلے جاؤ‘۔ اس دن کی یاد نے انہیں رلا دیا اور سونے نہیں دیا کہ جو فیصلے کا دن ہو گا اور جس دن ان کی ابدی قسمت کا فیصلہ ہو گا کہ انہوں نے جنت میں جانا ہے یا جہنم میں۔ صحابہ اور سلف صالحین کا خوف آخرت بجائے خود بھی ایک عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سزا کا خوف خود ایک عبادت ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دو پنکھ ہونے چاہییں: رجا یعنی امید کا اور دوسرا خوف کا۔ جہاں ایک طرف ہمیں اللہ کی رحمت اور مغفرت سے پر امید رہنا چاہیے وہیں دوسری طرف یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت کی سزا بہت شدید ہے۔ اگر ایک پنکھ دوسرے سے آگے بڑھ جائے یا دوسرے کا راستہ کاٹنے لگے تو پرندہ کبھی اڑ ہی نہیں سکے گا۔ اگر امید کا پہلو حاوی ہو جائے تو انسان نیک اعمال میں ٹال مٹول کرنے لگے گا اور یہی سوچتا رہے گا کہ اللہ تو غفور ہے رحیم ہے وہ میرے تمام گناہ معاف فرما دے گا اور یوں نیکیوں کے معاملے میں سست پڑتا جائے گا۔ یہ غیر متوازن رویہ ہے۔ اسی طرح اگر خوف زیادہ حاوی ہو جائے تو وہ انسان کو مایوسی کی طرف لے جاتا ہے کہ اللہ رب العزت کا عذاب تو بہت شدید ہے، اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے لہٰذا مجھے کوئی امید ہی نہیں رکھنی چاہیے اپنے بچاؤ کی، اور یوں وہ عمل کا دروازہ اپنے اوپر بند کر دے گا۔ یہ بھی غیر متوازن رویہ ہے۔ یہ دونوں رویے دو انتہاؤں پر ہیں۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان میں توازن رکھنا ہو گا۔ ایک ہی وقت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید بھی ہو اور اللہ کی سزا کا اللہ کی پکڑ کا خوف بھی ہو۔ اور اللہ کے خوف میں یہ ترقی مجاہدے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک سعی مسلسل ہے کہ جب انسان اپنی آخرت کو مستحضر رکھتا ہے اسے یاد رکھتے ہوئے عمل کرتا ہے تو اللہ رب العزت کا خوف دل میں نشو و نما پاتا ہے۔

۲. عرش الٰہی کے سائے تلے جگہ پانے والے

الذین یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِی ظِلِّهِ، وہ لوگ کہ جنہیں اللہ رب العزت سایہ فراہم فرمائیں گے اس دن جب کہ اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔

یوم حشر پچاس ہزار برس طویل ہے۔ نہایت مشکل اور گرم دن۔ سورج جس دن سوا نیزے پر گا۔ اس روز کہیں کوئی سایہ دار چیز نہ ہو گی، نہ کوئی عمارت، نہ پہاڑ نہ درخت۔ زمین بالکل ہموار ہو گی اس دن اور اس میں کوئی اونچ نیچ اور ٹیڑھ نہ ہو گی اور نہ ہی کہیں کوئی سایہ ہو گا سوائے عرش الٰہی کے سائے کے۔ اور یہ سایہ مخصوص لوگوں کو میسر ہو گا۔ ایسا نہیں ہے کہ عرش کے سائے تلے کوئی بھی پناہ لے سکے گا بلکہ اس میں صرف وہی لوگ داخل کیے جائیں گے جن کے لیے اللہ رب العزت اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ اور یہ کون لوگ ہوں گے جنہیں اللہ رب العزت عرش کے سائے تلے اکٹھا فرمائیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ
وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ

تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ (صحیح بخاری)

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے گا جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا، امام عادل اور وہ جوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی راہ میں صرف کی ہو اور وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے اور وہ دو آدمی جو آپس میں اللہ کے لیے محبت کریں، جب جمع ہوں تو اسی کے لیے اور جب جدا ہوں تو اسی کے لیے اور وہ جسے کوئی منصب وجمال والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ جو پوشیدگی سے اس طرح صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا اور وہ شخص جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔“

۱. امام عادل

ان سات لوگوں میں سے پہلا امام عادل ہے۔ شرح صحیح مسلم میں النووی فرماتے ہیں کہ حدیث میں سب سے پہلے امام عادل کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ امام عادل کا نفع ہر ایک کو پہنچتا ہے۔ اور ہر ایک عادل حکمران کے انصاف سے مستفید ہوتا ہے۔ کیونکہ حکمران مسلمان رعایا کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور دنیا میں انسان کو امن فراہم کرنے والی سب سے بڑی چیز انصاف ہے۔ انصاف وہ سب سے بڑی چیز ہے جو لوگوں کو امن، سکون، راحت اور آرام دے سکتی ہے۔ ہم انصاف کی اہمیت کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین عدل پر قائم ہیں۔ عدل و انصاف کی بدولت دنیا میں لوگوں کی زندگی خوش حال، صحت بخش، محفوظ اور مامون ہو سکتی ہے۔ جب حکمران عادل ہوتا ہے تو پورا معاشرہ پرامن ہو جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے امام عادل کو اللہ رب العزت قیامت کے دن امن عطا فرمائیں گے۔ اس امام عادل نے دنیا میں لوگوں کی زندگیاں محفوظ و مامون بنائیں تو اللہ رب العزت قیامت کے دن اسے محفوظ و مامون رکھیں گے۔ مگر ہم اس صفت کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ اس کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے ہم اس کے بارے میں مزید بات بھی کریں گے۔

۲. اللہ کی راہ میں جوانی لگانے والا

حدیث میں جس دوسرے شخص کا ذکر ہے وہ ایسا جوان ہے کہ جو اللہ کی عبادت میں بڑا ہوا۔ بعض مرتبہ جوانی میں لوگ اللہ کے دین کے معاملے میں سنجیدہ نہیں ہوتے اور اس کو ہلکا سمجھتے ہیں یا اس کا مذاق اڑاتے ہیں مگر جب ان کی عمر بڑھتی ہے تو ان کا اللہ کے دین سے تعلق بھی پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی عمومی اصول نہیں ہے کہ نوجوان نسل ساری کی ساری دین سے بے پرواہی ہو گی بلکہ بہت سے نوجوان دین کے معاملے میں سنجیدہ بھی ہوتے ہیں اور اللہ کا دین نوجوانوں کے کندھوں ہی پر مستحکم ہوتا ہے۔ نوجوان عموماً دین کے لیے غیر سنجیدہ ہوتے ہیں اور پختہ عمر کو پہنچنے کے بعد دین کو سنجیدگی سے لیتے ہیں، لیکن ایسا نوجوان جو اپنی جوانی میں بھی گمراہ نہ ہوا ہو اور راستے سے نہ بھٹکا ہو اللہ رب العزت اس کو آخرت کے دن اپنے عرش تلے سایہ فراہم فرمائیں گے۔ کیونکہ اس جوان نے استقامت دکھائی اور وہ شیطان کے بہکاوے میں نہیں آیا اور برائی کی جانب مائل نہیں ہوا۔ پس اللہ رب العزت اس کی استقامت کا اجر اس کو قیامت کے دن اپنے عرش کا سایہ فراہم کر کے دیں گے۔

۳. جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے

تیسرا وہ شخص ہے کہ جس کا دل اللہ کے گھروں یعنی مساجد میں اٹکا رہے۔ یہ وہ شخص ہے جو ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہتا ہے۔ یہ شخص جہاں بھی جاتا ہے وہاں مساجد کے بارے میں دریافت کرتا ہے کہ مسجد کہاں ہے، میں نے مسجد جانا ہے۔ سفر کے دوران بھی ایسے لوگوں کو مسجد کی تلاش ہوتی ہے، جب وہ کہیں منتقل ہوتے ہیں تب بھی قریب ترین مساجد تلاش کرتے ہیں اور جب وہ اپنے گھروں میں ہوتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہ مسجد جانے کے لیے تڑپتے ہیں، انہیں مسجد کی طرف جانا زبردستی نہیں محسوس ہوتا، وہ اسے ایک ایسا ناگوار فرض نہیں سمجھتے کہ جسے کندھے سے انسان ایسے اتارے گویا کوئی ناگوار بوجھ اتار پھینکا ہو، بلکہ وہ دل کی پوری آمادگی کے ساتھ مسجد جاتے ہیں، انہیں مساجد سے محبت ہوتی ہے اور ان کے دل اس محبت سے معمور ہوتے ہیں۔ النووی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں نہ کہ مسجد میں رہنا چاہتے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بس مسجد میں جا کر وہیں بیٹھ رہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد میں ایسے وقت میں تشریف لائے جب کہ نماز کا وقت نہیں تھا بلکہ کام کاج کا وقت تھا۔ دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ وہاں بیٹھا ہے۔ آپ نے وہاں بیٹھنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ ہم متوکلین ہیں لہٰذا ہم مسجد میں رہیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی چھڑی اٹھائی اور ان سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش نہیں ہو گی، تمہیں خود ہاتھ پیر ہلا کر اپنا رزق ڈھونڈنا ہو گا۔ اسی طرح ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو کسی صحابی کو وہاں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وہاں موجودگی کا سبب دریافت فرمایا۔ اگر مسجدوں میں رہنا مطلوب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ان کے وہاں ہونے کی وجہ نہ دریافت فرماتے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے غموں نے گھیرا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعا تعلیم فرمائی۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ

”اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں رنج و غم سے اور میں تجھ سے پناہ مانتا ہوں عاجزی اور سستی سے اور میں پناہ چاہتا ہوں کم ہمتی اور بخل سے اور میں پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے قہر سے۔“

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث جس میں عرش کے سائے کی بشارت ہے اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مسجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی سے محبت رکھتے ہیں نہ کہ مسجد میں رہنے سے۔

بعض لوگ مسجد اس طرح جاتے ہیں گویا کوئی بوجھ اتارنے جارہے ہوں اور ہر وقت مسجد نہ جانے کے لیے عذر تراشتے رہتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگوں کو مسجد سے محبت ہوتی ہے۔ خواہ وہ مسجد سے دور بھی رہتے ہوں پھر بھی وہ مسجد میں حاضر ہوتے ہیں اور کبھی شکایت نہیں کرتے۔ وہ طویل سفر کرکے مسجد آتے ہیں، فجر اور عشاء کی نماز میں بھی حاضر ہوتے ہیں اور کسی کو انہیں مسجد جانے کے لیے راضی نہیں کرنا پڑتا، کسی کو ان سے مسجد جانے کے معاملے پر بحث نہیں کرنی پڑتی۔ وہ دور بھی رہتے ہوں تو مسجد میں حاضر ہوتے ہیں کیونکہ انہیں مسجد سے اور نماز باجماعت سے محبت ہوتی ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مسجد سے بہت قریب رہتے ہیں مگر پھر بھی وہ کبھی مسجد میں حاضر نہیں ہوتے اور ہمیشہ مسجد جانے سے بچنے کے لیے عذر تراشتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ ان کے دل مساجد کی محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ اور یہی بات حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے بارے میں منقول ہے، جس کا مفہوم ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ کھجوروں کی فصل تیار ہوئی ہے اور مسجد میں مفت تقسیم کی جارہی ہے تو وہ ضرور مسجد کی جانب لپکیں گے۔ یہی سوال ہمیں اپنے آپ سے بھی پوچھنا چاہیے۔ جب کبھی بھی ہمیں مسجد جانا مشکل لگے تو ہمیں اپنے آپ کو اسی پیمانے پر پرکھ کر دیکھنا چاہیے۔ اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ ہر مرتبہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے بدلے آپ کو دو ہزار روپے ملیں گے، تب کیا آپ مسجد جانا چاہیں گے؟ اگر ہاں تو اس کے مطلب ہے کہ آپ مسجد نہ جانے کے لیے جتنے عذر پیش کرتے رہے ہیں وہ محض بہانے ہیں، لیکن اگر اس پیشکش کے باوجود بھی مسجد جانا آپ کے لیے مشکل ہے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے پاس مسجد نہ جانے کا کوئی واقعی عذر موجود ہو۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہر نماز کی ادائیگی پر دو ہزار روپے ملنے کا یقین ہو تو ہر مسجد ہر نماز کے وقت نمازیوں سے بھری ہوئی ہو گی، اللہ رب العزت اس جنت کا وعدہ کرتے ہیں جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے، اللہ رب العزت اپنے عرش کے سائے تلے پناہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں، اس دن کہ جب کوئی اور سایہ میسر نہ ہو گا، پھر کیا بہتر ہے؟ دو ہزار روپے یا قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ؟

۴. محض اللہ کے لیے باہم محبت رکھنے والے لوگ

چوتھے وہ دو لوگ ہیں جو محض اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں، آپس میں ملتے ہیں تو اللہ کے لیے اور جدا ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے، کوئی دنیوی مفاد، کوئی کاروبار یا ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا ان کی محبت کی بنیاد نہیں ہوتا۔ ان کی محبت کی بنیاد تقویٰ، عالی اخلاق اور اعلیٰ صفات ہوتی ہیں۔ یہ ہے اللہ کے لیے محبت۔ اور پھر حدیث کہتی ہے کہ اسی محبت کی بنیاد پر وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی کے لیے جدا ہوتے ہیں، یعنی وہ غیبت، جھوٹ، لغو گپ شپ کے لیے اکٹھے نہیں ہوتے، وہ مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنانے اور سازشیں گھڑنے کے لیے اکٹھے نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں، یہ موسیٰ وہارون علیہما السلام کی اخوت جیسا ہے:

﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝﴾ (سورۃ طٰہ: ۳۳،۳۴)

”تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح کریں۔ اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔“

یہ وجہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا ساتھ چاہا۔ یا پھر یہ اخوت ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی باہم اخوت جیسی، کہ ان کے اکٹھا ہونے کی بنیاد اللہ کی محبت تھی۔ یا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح کہ جنہوں نے صحابہ سے کہا کہ ھیا بنا نؤمن ساعة، آؤ قیامت پر ایمان کی تجدید کریں۔ وہ کسی دنیوی مقصد کے لیے اکٹھے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے اجتماع کا مقصد محض اللہ رب العزت کی محبت تھی۔ اور اسی کی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں اجر سے نوازیں گے اور قیامت کے دن انہیں سایہ فراہم فرمائیں گے۔

بہت سی احادیث ہیں جن میں اللہ کے لیے محبت کا ذکر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمُتَحَابُّونَ فِي اللَّهِ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْ الْقِيَامَةِ (مسند احمد)

”اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي (صحیح مسلم)

”اللہ قیامت کے دن فرمائے گا: کہاں ہیں آپس میں محبت کرنے والے؟ میرے جلال کی قسم! آج کے دن میں ان کو اپنے سائے میں رکھوں گا کہ جس دن میرے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔“

یہ احادیث بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا۔

۵. جسے کسی صاحب منصب وجمال عورت نے ورغلایا اور اس نے انکار کیا

پانچواں وہ شخص ہے جسے کسی صاحب منصب وجمال عورت نے ورغلایا اور اس نے انکار کیا اور کہا کہ میں اللہ کا خوف رکھتا ہوں۔ اس کی بہترین مثال سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں۔ ان کو ورغلانے

والی نا صرف انتہائی خوب صورت عورت تھی بلکہ وہ غلام تھے اور وہ عورت ان کے مالک کی بیوی تھی لہٰذا اختیار اور جمال دونوں میں یکتا تھی۔ پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے انکار کیا اور اس کی پاداش میں جیل گئے۔ اگر کسی شخص کو کوئی ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسب نسب والی بھی ہو اور شکل و صورت بھی اچھی ہو تو محض اس کو انکار کر دینے کا وہ ایک لمحہ اس شخص کو پچاس ہزار سال تک کے لیے عرش الٰہی کے سائے کی ضمانت دے دیتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ یہ آسان نہیں ہے۔ محض یہ چھوٹا سا جملہ کہہ کر انکار کرنا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، بہت مشکل ہے۔ اور اللہ رب العزت مشقت کے بقدر اجر عطا فرماتے ہیں۔ یہ بہت مشکل کام ہے لہٰذا اللہ رب العزت جو الکریم ہیں وہ بدلے میں نہایت بڑا اجر عطا فرماتے ہیں۔ یہ قطعاً آسان نہیں ہے کہ انسان ایسے موقع پر انکار کرے جب کہ تمام عوامل اس کے خلاف جا رہے ہوں۔ شیطان اس کے خلاف ہے اور اس عورت کی شان و شوکت کو بڑھا چڑھا کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہ عورت کسی قسم کا اختیار بھی رکھتی ہو اور اس شخص کو نقصان پہنچانے پر قادر ہو، اس مشکل صورت حال میں انکار کا اجر بھی بہت عظیم ہے۔ یہی اصول کسی بھی مشکل تر صورت حال پر لاگو ہوتا ہے، مشکل جتنی شدید ہو گی، اجر بھی اتنا ہی عظیم ہو گا۔

۶. خفیہ صدقہ کرنے والا

چھٹا وہ شخص ہے کہ جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ تک کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ یہ حدیث صدقے کی اس قسم کا ذکر کر رہی ہے جسے خفیہ صدقہ، یا پوشیدہ خیرات کہتے ہیں۔

صدقہ دو قسم کا ہوتا ہے: صدقة العلن اور صدقة السرّ؛ یعنی علانیہ صدقہ اور خفیہ صدقہ، اور ان دونوں کے لیے اجر ہے۔

امام النووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے تو بہتر ہے کہ وہ علانیہ ادا کی جائے۔ علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے کا اجر خفیہ ادا کرنے سے زیادہ ہے۔ کیوں؟ کیونکہ زکوٰۃ اسلام کا ایک ستون ہے اور لوگوں کے لیے اس کی تذکیر ضروری ہے، لہٰذا اس کا علانیہ ادا کیا جانا بہتر ہے۔ جبکہ وہ کہتے ہیں کہ نفلی صدقات کا خفیہ ادا کیا جانا بہتر ہے۔ یہ کوئی مستقل اصول نہیں ہے۔ بعض مواقع پر نفلی صدقات کا بھی علانیہ ادا کیا جانا مستحسن ہے مثلاً ایسے موقع پر کہ جب دوسرے لوگوں کو بھی اسے دیکھ کر تحریض ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع پر نبی کریم ﷺ نے علانیہ صدقہ طلب کیا۔ ایک معروف واقعہ وہ ہے کہ جب بعض بدو نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور وہ انتہائی غریب تھے۔ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو صدقہ کی تحریض دی تو ایک انصاری صحابی دو بوریاں لے کر آئے۔ ایک میں خوراکی مواد تھا اور دوسری میں کپڑے اور دیگر سامان۔ انہوں نے یہ دونوں بوریاں سب کے سامنے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیں اور ان کو دیکھ کر لوگ اٹھ اٹھ کر اپنے گھروں سے سامان لا کر صدقہ کرنے لگے حتیٰ کہ خوراکی اور دیگر سامان کا ڈھیر لگ گیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے اسلام میں کسی اچھے کام کا اجرا کیا، اسے اس کا اجر ملے گا اور ان سب کا اجر بھی اسے قیامت تک ملتا رہے گا جنہوں نے اسے دیکھ کر وہ اچھا کام شروع کیا۔

ایک اور واقعہ غزوہ تبوک کا ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور پکارتے رہے کہ کون ہے جو صدقہ دے؟ اور ہر مرتبہ پکارنے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صدقہ دیتے، وہ آتے صدقہ دیتے اور پھر مزید لینے کے لیے جاتے اور پھر آتے اور صدقہ دیتے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی کریں وہ انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس قدر صدقہ کیا کہ اللہ رب العزت نے ان کے لیے دائمی معافی کا اعلان فرما دیا کہ آئندہ بھی وہ جو کچھ کریں انہیں اس کا نقصان نہیں ہو گا اور اللہ رب العزت ان کی ہر خطا معاف فرما دیں گے۔

مگر حدیث میں صدقہ کی دوسری قسم یعنی صدقة السر کا ذکر ہے اور انسان کو صورت حال کو دیکھتے ہوئے دونوں طرح کا صدقہ کرنا چاہیے۔ جہاں لوگوں کو تحریض دینے کی ضرورت نہ ہو وہاں غیر ضروری طور پر اپنے صدقہ کا اظہار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایسے خفیہ کرنا چاہیے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ یہ محاورتاً کہا جاتا ہے اور اس کا معنی یہی ہے کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔ اور اس کی مثال ہمارے بہت سے اسلاف کا طرز ہے کہ جو ضرورت مندوں کے دروازوں پہ صدقہ رکھ جاتے تھے اور ان لوگوں کو بالکل خبر نہ ہو پاتی تھی کہ کون ان کی مدد کر رہا ہے۔ اور اس صدقے کا حال تب کھلتا جب وہ بزرگ وفات پا جاتے کہ ان کی وفات کے بعد وہ مدد ملنا بند ہو جاتی۔

۷. جس کی آنکھیں تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے اشک بار ہوئیں

اور ساتواں وہ شخص ہے جو تنہائی میں اللہ رب العزت کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنے والا کہ اللہ کی محبت اور اس کے خوف کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلیں۔ چونکہ یہ عمل تنہائی کا ہے تو یقیناً اخلاص کے ساتھ ہے کسی نمود و نمائش اور ریا کے لیے نہیں ہے۔ پس اللہ رب العزت اس کے اخلاص کا اجر قیامت کے دن اسے اپنے عرش کے سائے تلے جگہ عطا فرما کر دیں گے۔

تو یہ ہیں وہ سات لوگ جنہیں اللہ رب العزت قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے تلے مجتمع فرمائے گا، ہم دوبارہ ان کا ذکر کرتے ہیں:

۱. امام عادل،
۲. وہ جوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی راہ میں صرف کی ہو،
۳. وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے،

۴. وہ دو آدمی جو آپس میں اللہ کے لیے محبت کریں، جب جمع ہوں تو اسی کے لیے اور جب جدا ہوں تو اسی کے لیے،

۵. وہ جسے کوئی منصب و جمال والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں،

۶. وہ جو پوشیدگی سے اس طرح صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا،

۷. اور وہ شخص جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

محض یہی مذکور لوگ نہیں ہیں جو عرش الٰہی کے سائے تلے اکٹھے ہوں گے بلکہ کچھ اور قسم کے لوگ بھی اس سائے سے مستفید ہوں گے، اب ہم ان کا ذکر کرتے ہیں:

۸. مقروض کے لیے آسانی پیدا کرنے والا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ (صحیح مسلم)

”جو آدمی کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اس سے اس کا قرض معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا“۔

المعسر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو معاشی مشکلات کا شکار ہو۔ اگر کسی شخص کا کسی تنگ دست پر کوئی قرض ہو تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اس سے اس کا قرض معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ کیونکہ معاشی مشکلات لوگوں کے لیے بہت پریشانی کا باعث ہوتی ہیں بالخصوص عیال دار اور ایسے لوگوں کے لیے جن کے اوپر بھاری ذمہ داریاں ہوں۔ معاشی مشکل ایک مصیبت ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو کوئی اپنا قرض معاف کر دے یا اس کو مہلت دے دے کہ جب پیسے آ جائیں تو میرا قرض لوٹا دینا تو چونکہ وہ دنیا میں اس انسان کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے لہٰذا آخرت کے دن اس کے لیے آسانی پیدا فرمائیں گے اور اسے اپنے عرش کے سائے تلے جگہ عطا فرمائیں گے۔ عرش الٰہی کا سایہ یا ان کے لیے ہے کہ جنھوں نے دنیا میں تکالیف اور مشکلات کا سامنا کیا اور یا پھر ان کے لیے ہے کہ جنھوں نے دنیا میں اللہ کے بندوں پر آسانیاں پیدا کیں۔ امام عادل لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے، اسی طرح خفیہ صدقہ دینے والا بھی لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے، جبکہ وہ شخص کہ جسے با اثر اور حسین عورت دعوت گناہ دے اور وہ انکار کر دے وہ دنیا میں مشکل سہہ کر آیا ہے، پس ان سب لوگوں کو اللہ قیامت کے دن آسانی عطا فرمائیں گے۔

یہ ایک اور مثال تھی ان دیگر لوگوں کی کہ جنھیں قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ میسر ہو گا۔

(جاری ہے ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ

”ضروری ہے کہ ہم یہ بات واضح بیان کریں کہ 'اقصیٰ' کی محبت ہمارے عقیدے کا حصہ ہے، بلکہ ہمارے دین کے بڑے ارکان میں سے ایک ہے۔ جب تک کہ ہماری رگوں میں لہو اور ہمارے جسموں میں سانس اور حرکت ہے، یہ محبت بھی زندہ رہے گی۔ یہ بات درست ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں نکلے ہیں، لیکن ہم ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، کہ جس سے فائدہ اٹھا کر ہم توحید کا جھنڈا اقصیٰ پر لہرا سکیں۔“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القاعدہ برّصغیر

جماعت قاعدة الجهاد برّ صغير

بیان: AQS_11_005

تاریخ:۹ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۴۶ھ بمطابق ۷ مئی ۲۰۲۵ء

ارضِ پاکستان پر بھارتی جارحیت کی بابت

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

۶ مئی ۲۰۲۵ کی شب، بھارت کی بھگوا سرکار نے پاکستان کے چھ مقامات پر بمباری کی، جن میں خاص طور پر مساجد و آبادی کو نشانہ بنایا گیا۔ ان بمباریوں میں متعدد اہلِ ایمان کی شہادتوں اور زخمی ہونے کی اطلاعات ہیں، إنّا لله وإنّا إليه راجعون! اللہ پاک ان شہداء کی شہادتیں قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور زخمیوں کو شفائے کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے، آمین۔ بلاشبہ یہ بمباری، بھگوا ریاست کے کالے جرائم میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ ہے۔

سبھی جانتے ہیں کہ بھارت کی اسلام و اہلِ اسلام کے خلاف اس جنگ کا آغاز پہلگام واقعے کے بعد نہیں ہوا، یہ جارحیت دہائیوں سے جاری ہے۔ مسلمانانِ ہند و کشمیر عرصہ دراز سے تاریخ کا بدترین ظلم و جبر سہہ رہے ہیں۔ بھارت میں ہندتوا کے علم بردار بھگوا دہشت گرد اور ان کی مودی حکومت اس وقت پورے برِّصغیر سے اسلام و اہلِ اسلام کو ختم کرنے کے لیے عسکری، سیاسی، تہذیبی اور دعوتی و اعلامی جنگ پر آمادہ ہیں۔

اس موقع پر ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ:

- ہم تمام مجاہدینِ اسلام اور مسلمانانِ برصغیر پر بھارت کے خلاف یہ جنگ، یہ جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے! ہم پر فرض ہے کہ ہم اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام و اہلِ اسلام کے دفاع اور مظلومینِ برِّصغیر کی نصرت کی خاطر یہ جنگ لڑیں۔
- ہمارے دعوت و جہاد، دوست و دشمن اور حق و باطل کے حوالے سے ’**مواقف**‘ اور برصغیر میں جہاد فی سبیل اللہ کے ’**مقاصد**‘ پہلے سے معروف ہیں اور انہی مواقف و مقاصد کی خاطر آج اسلامیانِ برِّصغیر کو کھڑا کرنے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے!
- اس موقع پر ہم اس عہد کی تجدید کرتے ہیں کہ اللہ کی توفیق سے، اس وقت تک ہم اپنی جنگ جاری رکھیں گے، جب تک مسلمانوں کی سرزمینوں پر اسلام و اہلِ اسلام کے خلاف جارحیت کرنے والے، ہر ہر ظالم کے ایک ایک جرم کا بدلہ نہ لے لیں اور اللہ کا کلمہ اللہ کی زمین پر بلند نہ ہو جائے!

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ○

’اور اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔‘

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على نبينا الأمين!

ادارہ السحاب، برّصغیر

As-Sahab Media (The Subcontinent)

تیسری قسط

القاعدہ کیوں؟

لماذا اخترت القاعدة؟

میں القاعدہ میں کیوں شامل ہوا؟

تالیف: شیخ ابو مصعب العولقی شہید | استفادہ و اضافہ: معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفىٰ والصلاة والسلام علىٰ أشرف الأنبياء.
اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

(۴)...... کیونکہ وہ اجنبی ہیں!

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ.“ (صحيح مسلم)

”ابتدا میں اسلام اجنبی (مسافر کی مانند غیر معروف) تھا اور عنقریب پھر غیر معروف ہو جائے گا، پس خوشخبری ہے اجنبیوں کے لیے۔“

یہ نبویؐ فرمان اہلِ حق کے ’اجنبی‘ ہونے کی خبر دیتا ہے۔ بھلا اس بات میں بھی کوئی شک ہے کہ جو شخص ہر وقت اپنے عقیدے اور جہاد کی وجہ سے موت کے خوف میں جیتا ہو، دراصل وہی غربت و اجنبیت کی زندگی گزارنے والا ہے۔ یہی شخص تو اجنبی ہے کہ مشکل حالات میں حق پر قائم ہونے کے باوجود اس پر عقیدے کی خرابی کا الزام ہے اور اس کے حامی و مددگار بہت کم ہیں۔

وہ ہر وقت ایک طرح کے خوف میں مبتلا رہتا ہے، اس کا فون ہر وقت زیرِ نگرانی (under surveillance) رہتا ہے، دشمن اس کے کمپیوٹروں کی کھوج میں رہتا ہے، اس کا انٹرنیٹ ہر وقت مانیٹر کیا جاتا ہے۔ اسے ہر وقت یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ اس کی گاڑی میں دشمن نے بم نہ لگا دیا ہو یا اس کی گاڑی میں Tracking-Chip نہ نصب کر دی گئی ہو۔ وہ اپنے ہی وطن میں اپنی مرضی سے آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتا۔ حکومتی اہلکار و خفیہ والے اس کی تاک میں رہتے ہیں۔ راہِ حق پر چلنے کے سبب اس کے اپنے ہی قبیلے اور خاندان کے لوگ، بلکہ بعض دفعہ سگے بھائی بہن، والدین و اولاد، بلکہ بعض کی بیویاں تک اس کی دشمن ہو جاتی ہیں، اس کے قربت و رحم کے رشتہ دار تک اسے دشمن کے حوالے کرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ اس کے قرابت دار ہی اس پر گمراہ کن نظریات کا حامل ہونے کا الزام لگاتے ہیں، اسے امنِ عامہ کا دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ وہی ہے جس نے شر کا باب کھولا ہے، جلد باز ہونے کا طعنہ اسی کو دیا جاتا ہے۔ الغرض یہ تو محض چند باتیں ہیں، جیسے جیسے الزامات یہ شخص سہتا ہے تو بے شک یہی ہے جو اپنے زمانے کا سب سے غریب، سب سے اجنبی شخص ہے۔

جس اجنبی کو زبانِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کی خوش خبری دے رہی ہے، کیا وہ ایسا شخص ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے جرائم پر خاموش رہتا ہے؟ امت کی گردنوں پر مسلط حکمران جو دراصل کہیں امریکہ کے غلام ہیں اور کہیں خادمِ بے دام، یہ شخص ان طواغیت کو ولی الامر کہتا ہے اور ان کے خلاف خروج کو حرام کہتا ہے۔ یہ شخص شاید اللہ کے راستے میں کبھی خوف زدہ نہیں ہوا ہو گا۔ یہ شخص طواغیتِ زمانہ کا منظورِ نظر ہونے کے سبب ہر شہر میں گھومتا ہے۔ اس کی معیشت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

ذرا سوچیے! کیا ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ’غریب‘ و ’اجنبی‘ قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہم اسے کیسے اجنبی کہہ سکتے ہیں جبکہ وہ اجنبیت کو جانتا تک نہیں۔ بلکہ عین ممکن ہے طواغیتِ زمانہ اس شخص کو عزت دے رہے ہوں۔ اسے ایسی سہولیات میسر ہوں جو کسی اور کو میسر نہیں۔ بعض ’مبلغین‘ کو تو طواغیتِ زمانہ خود ہی لمبی لمبی گاڑیاں، پروٹوکول اور مشاہرے دیتے ہیں۔ ایسے لوگ کیا جانیں کہ اللہ کے راستے میں تکلیفوں سے گزرنا، قید کاٹنا اور زیرِ نگرانی رہنا کیا ہوتا ہے؟ جبکہ اس کے مقابل حقیقی اجنبی اسلام کی خاطر اپنے بچوں، والدین، بیوی، وطن اور آرام دہ اور ایک آزاد زندگی، ’نارمل لائف‘ کو چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کئی بار اپنا انتہائی نجی نوعیت کا سودا خود بازار سے نہیں لا سکتا؟ بیمار ہو جائے تو ہسپتال نہیں جا سکتا۔ سالہا سال بیت جاتے ہیں کہ وہ اپنی ماں کی میٹھی آواز نہیں سن سکتا، اگر وہ اپنی بوڑھی ماں کی آواز سننے کے لیے اس سے رابطہ کرنا چاہے تو طواغیتِ زمانہ کے کارندے اس کی بوڑھی ماں کو مارنے پیٹنے، دھمکانے اور اغوا تک کرنے جیسے جرائم کرتے ہیں۔

کہاں یہ خوش خبریوں کے حق دار، غرباء اجنبی لوگ اور کہاں زمانے کے طواغیت کے چہیتے لوگ۔ ان شخصیات میں تو زمین و آسمان جتنا فرق ہے۔ یہ اجنبی مسافر 'فرضِ عین' کی پکار پر اپنے گھروں سے نکلے، اس فرضِ عین نے ان کو واپس ان کے گھروں کو لوٹنے نہ دیا، کتنوں کی مائیں اور کتنوں کے باپ ان کی غیر موجودگی میں اللہ کو پیارے ہو گئے، کتنوں کی بہنیں ان کی غیر موجودگی میں بیاہی گئیں، یہ اپنے سگے بھائیوں کی شادیوں میں شریک ہو سکے، نہ بھائیوں کی مشکلوں میں ان کے لیے سہارا بن سکے۔ یہ اجنبی مسافر اسی راہ میں چلتے چلتے مٹی میں مل گئے اور کچھ ہیں جو اسی فرضِ عین کی ادائیگی میں مٹی میں مل جانے کی آرزو صبح و شام رکھتے ہیں۔ انہی کے بارے میں مسافرِ راہِ وفا، شاعرِ جہاد شیخ احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

اُنہیں یہ بھی بتادینا جو ہم اس راہ پہ نکلے
سوائے دردِ اُمّت کے، ہمیں درپیش غم نہ تھے
وگرنہ زندگی کے امتحاں کچھ اور ___ کم نہ تھے
ابھی بہنوں کی رُخصت کا ہمیں سامان کرنا تھا
ابھی بیمار ماں کو بھی معالج کو دکھانا تھا
ضعیف اک باپ کا بھی ہاتھ پھر ہم کو بٹانا تھا
مگر ہم سر ہتھیلی پر لیے، فی اللہ نکل آئے
یہ فرضِ عین بھی آخر ہمیں ہی تو نبھانا تھا!

میرے بھائی! یہ نہ ہی غلو ہے اور نہ ہی شدت پسندی۔ نہ ہم امت کے دیگر اہلِ صدق و صفا کی تحقیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو بس یہ کہہ رہے ہیں کہ دل کی آنکھ سے اور چشمِ سر سے دیکھیے کہ وہ اجنبی لوگ کون ہیں جن کو بشارتیں دی جارہی ہیں؟ ہم آج ایک ایسے وقت میں جی رہے ہیں جب یہود و نصاریٰ مسلم علاقوں پر حملہ آور ہیں۔ ہمارے اپنے ہی ہم قوم، نام نہاد یہ کلمہ گو حکمران، یہود و نصاریٰ کو، صلیبیوں اور صہیونیوں کو تیل بھی فراہم کرتے ہیں، ان کی خوراک کا سامان بھی کرتے ہیں اور انٹیلی جنس مدد بھی کرتے ہیں۔ یہ طواغیتِ زمانہ انہیں صلیبی و صہیونی کافروں کے لیے بحری، برّی اور فضائی راستے محفوظ بناتے ہیں، پھر یہی ہیں جو مجاہدین کے راستے میں حائل ہیں اور مجاہدینِ اسلام کو ظالم و غاصب کافروں سے لڑنے سے روکتے ہیں۔ ہم ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جب اللہ کی شریعت کی جگہ خود ساختہ کفری قوانین نافذ ہیں۔ ایسے میں جو اس سب کا انکار کرے گا تو اس کی زندگی غربت و اجنبیت میں گزرے گی۔ جو شخص ان قوانین اور ان کے بنانے والوں اور ان حکمرانوں کے دفاع میں زندگی صرف کرے گا وہ کیسے اجنبیوں میں شمار ہو سکتا ہے؟

امت میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو دین کی بڑی بڑی، عالی شان خدمتوں میں لگے ہوئے ہیں، یہ خدمتیں ہمیں تسلیم ہیں، ہمارے دلوں میں ان خدمتوں کے لیے بڑی قدر ہے۔ یہ خدمتیں سب کچھ ہیں، اعلیٰ و ارفع ہیں لیکن جہاد نہیں ہیں اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مجاہدین اپنے عملِ جہاد کو 'کافی و شافی' سمجھ کر اپنے اعمال پر قانع ہو بیٹھے ہیں اور باقی اعمال اور ان کے عاملین کی تحقیر جیسے فعل میں مبتلا ہو جائیں۔ یہاں بحث تو اس بات کی ہے، دعوت تو اس بات کی ہے کہ امت کا ہر ہر شخص ہر ہر عملِ دین میں شریک رہے، اوجِ کمال کو پہنچے یا اس اوجِ کمال کے راستے کا راہی بن جائے، وہ اجنبیت جس کی خوش خبری کے مصداق فی الحال یہ مجاہدین ہی ہیں۔ اس امت میں کون ہے جو اس وقت اس حدیث کا مصداق ہے کہ 'القابضوں علی الجمر'، انگارے کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے!

اللہ راقم و قاری پر رحم فرمائے۔ عدل و انصاف سے غور کیجیے کہ آج دنیا بھر میں سرگرم دینی تنظیموں اور جماعتوں میں اس حدیث پر کون زیادہ پورا اترتا ہے؟ کون ہے کہ جس کے لیے دین پر عمل آج انگارے کو ہاتھ میں پکڑنے کے مترادف ہے۔ یہ حدیث بھی، غربت و اجنبیت والی حدیث کی تائید کرتی ہے۔

یہ مجاہدینِ اسلام ہی ہیں جن کا دشمن صاحبِ قوت و شوکت اور صاحبِ وسائل ہمہ قسم ہے اور خود ان کے مددگار بہت کم ہیں۔ ان کے دشمنوں میں یہود و نصاریٰ بھی ہیں، مقامی طواغیت بھی، ان کے دم چھلے بھی اور درباری علماء بھی۔ یہاں راقم کو اس وقت پاکستان میں موجود ایک نام ور عالم مفتی عبد الرحیم صاحب کے بارے میں شیخ اسامہ بن لادن کی رائے ثم حکم یاد آ گیا۔ جہادِ افغانستان ضد الروس کے اختتام ثم خانہ جنگی اور پھر امارتِ اسلامیہ کے قیام کے وقت مفتی عبد الرحیم صاحب افغانستان اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ اس عرصے میں مفتی عبد الرحیم صاحب ہر وقت کمانڈو وردی پہنے رکھتے تھے، جامعہ میں بھی اور اپنے اسفار کے دوران بھی۔ اسی طرح کے ایک موقع پر جب مفتی عبد الرحیم صاحب شیخ اسامہ کے مرکز میں آئے تو شیخ اسامہ ایک اہم اور خفیہ میٹنگ میں مصروف تھے۔ مفتی عبد الرحیم نے ادھر ادھر سے سن گن لی کہ شیخ اسامہ کی ملاقات کس کے ساتھ چل رہی ہے۔ کچھ معلومات حاصل ہونے پر وہ واپس کراچی لوٹے اور ایک مشہور اخبار میں شیخ اسامہ کی اس خفیہ ملاقات کا ذکر چھاپ دیا۔ مفتی عبد الرحیم صاحب اس واقعے سے قبل بھی اس زمانے میں دیگر مجاہدین کی جگہوں پر بھی جا کر مجاہدین کی سن گن وغیرہ لیا کرتے تھے اور اس زمانے میں بھی پاکستان فوج کے اندرونی حلقوں میں ان کی رسائی و تعلقات کی خبریں موجود تھیں (جو آج ہر عام و خاص کے سامنے بلکہ مفتی عبد الرحیم صاحب کی اپنی گفتگو سے بھی ظاہر ہیں)۔ شیخ اسامہ بن لادن اور مجاہدین کے راز کو افشا کرنے کے واقعے کے بعد شیخ اسامہ نے اپنے سے مربوط مجاہدین کو مفتی عبد الرحیم صاحب کا بائیکاٹ کرنے کا کہا۔ اس کے بعد شیخ اسامہ نے یہی نصیحت شیخ ایمن الظواہری کو کی جس کے نتیجے میں دیگر مجاہد ساتھیوں کے مراکز میں ان صاحب کے آنے پر پابندی لگ گئی اور مجاہد ساتھیوں نے ان صاحب کے ساتھ ملنا جلنا بالکل ترک کر دیا۔ ان پابندیوں کے بعد مفتی عبد الرحیم صاحب نے افغانستان کے ایک وزیر صاحب کو اپنا سفارشی بنایا اور شیخ اسامہ سے ملاقات کی درخواست کی۔ شیخ اسامہ نے اس کو منظور کیا اور ایک بار اور آخری مرتبہ مفتی عبد الرحیم صاحب سے

ملاقات کر لی۔ لیکن اس ملاقات کے بعد شیخ اسامہ نے تنظیم القاعدہ کے مسئولین کو کہا 'اس شخص سے دور رہیں، ورنہ یہ ہم سب کو بیچ دے گا'۔ اس واقعے سے جان لیجیے کہ مجاہدین کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور علماء سے منسوب بھی کچھ لوگ کیسے کیسے مجاہدین کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ یہ واقعہ راقم الحروف کو تنظیم کے ایک مرکزی قائد نے سنایا جن کو شیخ ایمن الظواہری نے خود یہ بات بتائی۔ یہ سلسلہ صرف یہیں تک نہیں رکا بلکہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ۲۰۲۱ء میں دوبارہ قیام کے بعد بھی مفتی عبد الرحیم صاحب ایک بار قندھار آئے۔ لیکن ان کو قندھار میں پاک افغان چمن سپین بولدک بارڈر سے ہی واپس رخصت کر دیا گیا۔

ایک طرف مجاہدین کو، ان غرباء کو جہاں ایسے لوگوں کا سامنا ہے تو دوسری طرف یہ غرباء بعض علمائے حق کی اجتہادی غلطیوں کے نتیجے میں قائم کی گئی آراء سے بھی محفوظ نہیں رہ پاتے، یا پہلے مذکور صاحب جیسی شخصیات بڑے بڑے علمائے حق کو اپنے ظاہر کے سبب متاثر کر کے مجاہدینِ اسلام کے بارے میں غلط معلومات دے کر بد ظن کرتے ہیں اور ان سے حیلوں اور چالوں کے ذریعے اعلامیے نشر اور فتاویٰ صادر کرواتے ہیں۔

اس سب کے باجود کچھ علمائے حق اور مجاہدین سے ایمانی محبت رکھنے والے عام لوگ مجاہدین کے ساتھ کھڑے ہیں، حالانکہ اکثر سادہ لوح مسلمانوں کا حال بھی یہ ہے کہ وہ مجاہدین کو غلط نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ سب میڈیا کی وجہ سے ہے، وہ میڈیا جو یہود و نصاریٰ، منافقین اور درباری علماء کے تابع ہے۔ ان سب نے مجاہدین اور ان کے اہلِ خانہ پر، بلکہ عافیہ صدیقی جیسی امت کی پاک باز بیٹی پر ایسی تہمتیں لگائیں جن سے یہ اہلِ صدق بری ہیں۔ ان لوگوں نے مجاہدین کی کفار کے مقابلے میں کامیابیوں اور فتوحات کی خبریں چھپائیں اور دشمن کی ناکامیوں کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس اعلامی یا میڈیائی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ساحری مخلص لوگوں پر بھی کارگر ہوئی۔ ابھی فی الحال ہمارا موضوع یہ نہیں ہے ورنہ بات بہت لمبی ہو جائے گی۔

اللہ راقم و قاری پر رحم فرمائے۔ ذرا دیکھیے! یہ مجاہد کون ہے؟ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ جب اس نے اللہ کے دین کی حرمتیں پامال ہوتے دیکھیں تو اس سے رہا نہ گیا اور وہ اللہ کے دین کی حرمت کی خاطر، ان کے دفاع میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی جان اور مال کو اللہ کے لیے وقف کر دیا اور دنیا کی عارضی لذتیں ترک کر دیں۔ اس پر امن کے بعد خوف کی زندگی غالب ہو گئی، وہ اپنے گھر میں بہت متمول و خوشحال تھا، لیکن اس سب کی جگہ فقر و فاقہ نے لے لی، اللہ کی وسیع زمین اپنی وسعت کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی۔

اس سب کے بعد بھی اس پر عقیدے کی خرابی، منہج میں کجی کے الزامات لگائے گئے۔ اسے کہا گیا کہ وہ مصلحت و مفسدے کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے سبب امت مصیبت میں مبتلا ہو گئی۔ کیا یہی وہ شخص نہیں جو دین پر اس طرح قائم ہے گویا جیسے ہاتھ میں دہکتا انگارہ تھامنا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ○ (سورۃ العنکبوت: ۲)

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: ہم ایمان لے آئے۔ اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟“

آج کے مجاہدین دنیا بھر میں اہلِ ابتلا ہیں اور بے شک حق پر قائم شخص آج ضرور آزمائش کا شکار ہو گا۔ اس لیے کہ آج یہود و نصاریٰ اور ان کے منافق ایجنٹ غالب ہیں۔ ایسے میں اہلِ حق کیسے حق پر قائم رہتے ہوئے ان کے شر سے بچ سکتے ہیں؟ پس جو بھی آج منہج نبوی ﷺ پر کفر کے غلبے کے زمانے میں کاربند ہو گا اور باطل کا انکار اپنے ہاتھ اور زبان سے کرے گا تو محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے دشمن اس کو ضرور اذیت پہنچائیں گے۔

اے وہ شخص! کہ جو طائفہ منصورہ کا حصہ ہونے کا دعوے دار ہے، لیکن آزمائش اس کو چھو کر بھی نہیں گزرتی، تو جان لو کہ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے طریق پر چل کر تو آزمائش ضرور بالضرور آئے گی، بالکل ویسے ہی جیسے کفار کے غلبے کے زمانے میں محمدِ مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آئی۔ اگر آزمائش آپ پر نہیں آتی تو اپنے راستے، اپنے منہج اور اپنے نظریات پر نظر ثانی کیجیے۔ جیسا کہ شہیدِ اسلام سیّد قطب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

’واعلم أن أي جماعة لا تتعرض للابتلاء فلتراجع حساباتها!‘
(معالم في الطريق)

’پس جان لیجیے کہ جو جماعت آزمائشوں کا شکار نہ ہو تو وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے!‘

اللهم اجعلنا هادين مهتدين، غير ضالّين ولا مضلّين، سلماً لأوليائك، وحرباً على الأعدائك، نحبك من أحبك، ونعادي بعداوتك من خالفك. اللهم هذا الدعاء ومنك الإجابة، اللهم هذا الجهد وعليك التكلان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، آمين!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

فکر و منہج

وحدت واتحاد کی اہمیت وضرورت: احکامِ اسلام کی روشنی میں

مولانا عبد الرحمٰن قاسمی

مسلمانوں کے درمیان محبت، الفت، اتفاق واتحاد قائم کرنا اور انہیں وحدت کے پیکر میں ڈھال کر ایک جان بنانا اسلام کے بنیادی احکام میں سے ایک حکم ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَالِاجْتِمَاعُ والائتلاف مِنْ أَعْظَمِ الْأُمُورِ الَّتِي أَوْجَبَهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ (مجموع الفتاوی) ”مسلمانوں کے درمیان وحدت اور اتفاق پیدا کرنا ان اہم ترین امور میں سے ہے جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کیا ہے۔“ دینِ اسلام کا علم رکھنے والا کوئی بھی عالم، دین اسلام کی تبلیغ کرنے والا کوئی بھی داعی، دین اسلام کے غلبے کی محنت کرنے والا کوئی بھی مجاہد اور دین اسلام کی اخلاقیات جاننے والا کوئی بھی مسلمان اس حکم کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ آج امت کی مغلوبیت کا بنیادی سبب بھی مسلمانوں کے درمیان اتفاق واتحاد کی عدم موجودگی ہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی بھر کی جدوجہد کا نچوڑ بھی یہی بیان کیا تھا کہ مسلمان دو صفات سے محرومی کی وجہ سے مغلوب ہیں: ایک قرآن سے دوری اور دوسرا مسلمانوں کے درمیان وحدت کا فقدان۔ مسلمانوں کے درمیان محبتیں پیدا کرنا، اور انہیں ایک جان بنانے کی کوشش کرنا، تمام مسلمانوں پر لازم ہے، تاہم مجاہدینِ اسلام، جو اپنی جانوں کے نذرانوں کے ساتھ اسلام کے غلبے اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے امت کے مقدمۃ الجیش ہیں، ان پر مسلمانوں کے درمیان اتحاد ووحدت کی کوشش کرنا اہم ترین ہے۔ اسی تناظر میں ہم عرض کر دیں کہ روزِ اوّل سے جہادِ پاکستان میں بھرپور شرکت کو جہاں ہم نے اپنی سعادت سمجھا ہے، وہیں خطے میں موجود تمام جہادی تنظیموں کا دلی احترام، ان کے ساتھ نیکی وخیر کے امور میں تعاون اور انہیں جہاد میں خیر وصلاح والے راستے پر متحد و متفق کرنے کی ضرورت کا بھی ہمیں مستقل احساس رہا ہے اور اس کی خاطر کوشش کو ہم نے ہمیشہ ہی اپنا فرض سمجھا ہے۔ مگر اس مقصد ہی کی خاطر یہ سوالات اپنی جگہ اہم ہیں کہ یہ اتحاد کہاں بہر صورت ناگزیر وواجب ہے؟ کس موقع پر اس کے کیا احکام ہیں؟ جہاں کل اس کی کوئی خاص شکل واجب وفرض کی حیثیت اختیار کرے گی، اس کے لیے ابھی سے کن اصولوں پر متفق ہونا ضروری ہے اور وہ کون سے امور ہیں کہ جن کا خیال اگر نہیں رکھا گیا تو اس کے نتائج الٹا اتفاق واتحاد ہی کے حق میں کل مضر ہوں گے؟ اس طرح وہ کیا لوازمات ہیں کہ جن کی غیر موجودگی میں مطلوب اتفاق واتحاد پیدا کرنا چونکہ ناممکن ہوتا ہے، اس لیے پہلے خود انہیں پورا کرنے پر توجہ دینا از حد ضروری ہے، یہ سارا اہم موضوع ہے۔ اور اس موضوع کے حوالے سے حالیہ دنوں میں مجاہدینِ پاکستان کے مابین چند شبہات پیدا ہوئے تو اس کے حوالے سے محترم مولانا عبد الرحمن قاسمی حفظہ اللہ نے ایک تحریر مرتب کی، جسے ادارہ نوائے غزوۂ ہند قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری امت کو حقیقی معنیٰ میں ایک امت بنا دیں، اور کافروں کے مقابلے میں یک جان کر دیں، تاکہ ہم اپنے مقبوضہ سرزمینوں کو آزاد کر سکیں، اور ان آزاد مسلم سرزمینوں کو یک جا کر کے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کر سکیں، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

ان دنوں پاکستانی مجاہدین میں اتحاد اور وحدت کے حوالے سے بہت سی باتیں چل رہی ہیں، اور ان باتوں کے سبب اہلِ خیر میں بہت سی غلط فہمیاں اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ وحدت اور اتحاد سے متعلق اسلامی احکام کو بیان کیا جائے اور پھر ان کے مطابق اپنے حالات کا جائزہ لیا جائے اور وحدت پیدا کرنے کا راستہ تلاش کیا جائے۔ ہم بطور مسلمان اس بات کے مکلف ہیں کہ ہم اپنی خواہشات، آراء اور مصالح کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے احکام کے تابع بنائیں، نہ کہ شرعی احکام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالیں۔

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ طَلَبَ الحَدِيْثَ كَمَا جَاءَ، فَهُوَ صَاحِبُ سُنَّةٍ، وَمَنْ طَلَبَهُ لِيُقَوِّيَ بِهِ رَأْيَهُ، فَهُوَ صَاحِبُ بِدْعَةٍ. (سير أعلام النبلاء)

”جس نے حدیث کا علم حاصل کیا، جیسا کہ وہ ہے تو وہ صاحب سنت ہے، اور جس نے حدیث کا علم حاصل کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنی خواہش کو قوی کرے تو وہ صاحب بدعت ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ (رواه ابن أبي عاصم في السنة عن سيدنا عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما)

”تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائیں۔“

اسلام میں وحدت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں کئی مقامات پر مسلمانوں کو ایک ہونے اور تفرقے سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آل عمران میں فرماتے ہیں:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۳)

”اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو، اور آپس میں تفرقے میں مت پڑو۔“

اور گزرے ہوئے اہل دین کے باہم اختلاف کے سبب تفرقہ کرنے کو مذمت کے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران:۱۰۵)

”اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جن لوگوں نے واضح نشانیاں آجانے کے بعد آپس میں تفرقہ کیا اور اختلاف کرنے لگے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

اسلام کے حکمِ وحدت کا مفہوم

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں وحدت کا حکم دیا، اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے، تو اس کے مفہوم میں دو باتیں شامل ہیں، اور یہ حکمِ وحدت دونوں کو مشتمل ہے۔

اول: دین میں تفرقہ نہ کرنے کا حکم

اسلام کے حکمِ وحدت میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسلامی احکامات کے متعلق آپس میں اختلاف اور تفرقہ مت کرو، جیسا کہ گزری ہوئی قوموں نے کیا کہ دین کے معاملے میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوری:۱۳)

”اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کے لیے اس دین کو مشروع کیا ہے جس کی وصیت اس (یعنی اللہ) نے نوح علیہ السلام کو کی تھی، اور جو ہم نے (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی طرف وحی کیا ہے، اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو کی کہ دین کو قائم کرو اور اس دین کے معاملے میں تفرقہ نہ کرو۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ (الأنعام:۱۵۹)

”بیشک وہ لوگ جنھوں نے دین میں تفرقہ کیا اور مختلف فرقے بن گئے، (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) ان کے (فیصلے کے) بارے میں آپ کچھ حق نہیں رکھتے۔ ان کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

سورہ آل عمران میں جو آیات وحدت نازل ہوئیں تو ان میں بھی بنیادی مفہوم یہی ہے کہ دین اسلام کے معاملے میں فرقہ بندی نہیں کرنا۔ جیسا کہ آگے سیاق میں نازل ہوئی آیات کے تحت مفسرین نے کلام کیا ہے۔

یہی وہ فرقہ بندی کی مذمت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ افتراق میں ذکر فرمایا۔ اور مسلمانوں کے تہتر فرقوں میں تقسیم ہونے کی پیشین گوئی فرمائی، اور ان میں سے صرف ایک گروہ کو نجات یافتہ قرار دیا۔ اور اس کی تعبیر ان الفاظ سے فرمائی۔

ما أنا عليه وأصحابي (رواه الترمذي عن سيدنا عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما)

”(وہ گروہ نجات یافتہ ہوگا جو وہ عقیدہ رکھے گا،) جو میرا ہے اور میرے صحابہ کرام کا ہے۔“

اسی وحدت کی تعبیر دین کے معاملے میں اہل السنۃ والجماعۃ سے ہونے لگی۔ اور قرن اول سے لے کر آج تک اہل السنۃ والجماعۃ کی وحدت قائم رکھی گئی، اور اس سے خارج، اسلام کا نام لینے والوں کو اہل بدعت یا گمراہ فرقے قرار دیا گیا۔

اہل السنۃ والجماعۃ وہ گروہ ٹھہرا جس نے دین کو اس کی اصل سے پکڑا اور دین کے معاملے میں اختلاف نہیں کیا۔ جبکہ جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا، وہ گمراہ اور بدعتی کہلائے۔

اسی گروہ کو بعض احادیث میں ’الجماعۃ‘ قرار دیا گیا اور اسی گروہ کو ایک حدیث میں ’السواد الأعظم‘ کہا گیا۔

إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابَيْنِ افْتَرَقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَإِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً - يَعْنِي: الْأَهْوَاءَ -، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ.(رواه أحمد عن سيدنا معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنهما)

”یہود و نصاریٰ اپنے دین میں بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے، جبکہ یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، وہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ ایک فرقہ جماعت صحابہ کے نقش پر ہوگا۔“

افْتَرَقَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ عَلَى وَاحِدَةٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَتَزِيدُ هَذِهِ الْأُمَّةُ فِرْقَةً وَاحِدَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ. (رواه ابن أبي شيبة عن سيدنا أبي أمامة رضي الله عنه)

”بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، اور میری یہ امت اس پر ایک فرقہ مزید بڑھا دے گی (یعنی بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی)، سب کے سب جہنم میں ہوں گے، سوائے سوادِ اعظم کے۔“

'الجماعة' اور 'السواد الأعظم' کا یہی وہ مفہوم تھا جسے اہل قرون ثلاثہ (مشہود لہا بالخیر) نے بیان کیا۔ اور اسے اتباعِ سنت اور اتباعِ صحابہ سے جوڑا۔ حلية الأولياء میں امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

وَذَكَرَ فِي حَدِيثٍ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُنْ لِيَجْمَعَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ الِاخْتِلَافَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ» فَقَالَ رَجُلٌ: يَا أَبَا يَعْقُوبَ مَنِ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ؟ فَقَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ أَسْلَمَ وَأَصْحَابُهُ وَمَنْ [ص:٢٣٩] تَبِعَهُ، ثُمَّ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ الْمُبَارَكِ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَنِ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ؟ قَالَ: أَبُو حَمْزَةَ السَّكُونِيُّ. ثُمَّ قَالَ إِسْحَاقُ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ يَعْنِي أَبَا حَمْزَةَ، وَفِي زَمَانِنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَسْلَمَ وَمَنْ تَبِعَهُ. ثُمَّ قَالَ إِسْحَاقُ: لَوْ سَأَلْتَ الْجُهَّالَ مَنِ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ؟ قَالُوا: جَمَاعَةُ النَّاسِ وَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ الْجَمَاعَةَ عَالِمٌ مُتَمَسِّكٌ بِأَثَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَرِيقِهِ، فَمَنْ كَانَ مَعَهُ وَتَبِعَهُ فَهُوَ الْجَمَاعَةُ، وَمَنْ خَالَفَهُ فِيهِ تَرَكَ الْجَمَاعَةَ. (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء)

"امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کی مرفوع حدیث ذکر فرمائی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ امتِ محمد (علی صاحبها السلام) کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کریں گے۔ بس اگر تم اختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ سواد اعظم کو پکڑو۔ بس ایک آدمی نے کہا: اے ابو یعقوب! سواد اعظم سے کون مراد ہے؟ فرمایا: محمد بن اسلم اور اس کے اصحاب اور جو کوئی ان لوگوں کی اتباع کرے۔ پھر فرمایا کہ ایک شخص نے امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: اے ابو عبد الرحمن! سواد اعظم سے کون مراد ہے؟ فرمایا: اس سے مراد ابو حمزہ السکونی ہے۔ پھر امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: یعنی امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ابو حمزہ تھے، جبکہ ہمارے زمانے میں محمد بن اسلم اور ان کے متبعین ہیں۔ پھر امام اسحاق نے فرمایا: اگر تم جاہلوں سے پوچھو کہ سواد اعظم سے کیا مراد ہے؟ تو وہ کہیں گے: لوگوں کی اکثریتی جماعت، حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ جماعت سے مراد وہ عالم ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے متمسک ہے اور آپ ﷺ کے طریقے کو لازم پکڑے۔ پس جو کوئی ایسے عالم کے ساتھ ہو اور اس کی اتباع کرے تو وہی الجماعہ ہے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرے تو وہ الجماعۃ کو ترک کرنے والا ہے۔"

علمائے کرام نے بھی السواد الأعظم کی یہ تعبیر اس کے حقیقی معنی کے مطابق اس طرح بیان فرمائی کہ تاریخِ اسلام میں اول روز سے آج تک ہمیشہ، اہل السنۃ والجماعۃ کا طبقہ ہی اکثریتِ امت رہا ہے، جبکہ اس راستے سے ہٹ کر بدعت و گمراہی میں پڑنے والے لوگ امت کی اقلیت رہے ہیں۔

چنانچہ وحدت کے اس مفہوم کے مطابق اسلام کا نام لینے والا ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے راستے پر کھڑا ہے، اور ان عقائد کا حامل ہے جو سلف صالحین سے نقل ہوتے چلے آئے ہیں، تو وہ دین میں تفرقہ بنانے سے محفوظ ہے۔ چنانچہ امت کا سواد اعظم اعتقادی مسائل اور عملی اجتہادی مسائل میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک پر قائم رہا ہے، چاہے اسے اعتقادی مسائل میں اشاعرہ، ماتریدیہ اور اثریہ (اس کی معاصر شکل سلفیہ) کہا جائے، اور عملی اجتہادی مسائل میں مذاہب اربعہ کہا جائے، یہ تمام مذاہب اہل السنۃ والجماعۃ کی چھتری تلے دین کے مذموم تفرقے سے امت کو بچا کر اعتصام بحبل اللہ کر کے وحدت دین کو محفوظ رکھتے رہے ہیں، اور آج بھی اللہ کے فضل سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

تنبیہ: اہل السنۃ سے خارج فرقوں کے ساتھ تعامل

یہاں یہ بات بھی سمجھیں کہ جن لوگوں نے اسلام کا نام لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے خلاف عمل اپنایا، ان کے ساتھ دین کے سبب اہل السنة والجماعة نے تفرقہ کیا، کیونکہ یہ تفرقہ دین کے سبب ضروری تھا۔ اسلاف امت نے ایسے لوگوں کی برائی کو لوگوں میں عام کرنے اور ایسوں سے قطع تعلق کرنے کی روش اپنائی تاکہ ایسے لوگوں کی مسلمانوں کی عام شناخت میں مدغم ہونے سے مسلمانوں میں گمراہی کے پھیلنے کا راستہ روکا جاسکے۔ البتہ سیاسی وحدت کے طور پر انہیں مسلم معاشرے سے خارج نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی واضح کفر کا مرتکب ہو کر کافر نہ کہلایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کفار کے مقابلے میں ان کا ساتھ دینے اور ان کے مقابلے میں کفار کا ساتھ نہ دینے کا حکم فقہائے امت نے بیان فرمایا۔ تفصیل کے لیے کتب فقہ کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

دوم: مسلمانوں کی انتظامی وحدت کا قیام

اسلام کے حکمِ وحدت کے مفہوم میں دوسری بات یہ شامل ہے کہ مسلمان امت ایک سیاسی اکائی کے طور پر موجود ہو اور اس اکائی کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ تمام مسلمانوں کا ایک حاکم ہو، جسے خلیفۃ المسلمین کا نام دیا گیا۔ اسی وجہ سے علمائے امت نے نصبِ امام کو واجب قرار دیا اور اس پر علمائے امت کا اجماع منعقد ہوا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أجمعوا على أنه يجب على المسلمين نصب خليفة (المنهاج شرح صحيح مسلم)

”علمائے امت کا اس پر اجماع ہوا کہ مسلمانوں پر ایک خلیفہ مقرر کرنا واجب ہے۔“

ایک امام کے نصب کو واجب قرار دیا گیا اور ایک سے زائد حاکموں کی مذمت وارد ہوئی، حتیٰ کہ ایک امام کے ہوتے ہوئے دوسرے کی بیعت کو حرام قرار دیا گیا اور اس دوسرے کے قتل کو واجب قرار دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ

”اور (میرے بعد) خلفاء ہوں گے، پس وہ (ایک وقت میں) بہت سے ہوں گے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ایسے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ (متفق عليه عن سيدنا أبي هريرة رضى الله عنه)

”پہلی بیعت کو نبھاؤ، پس جو بھی پہلی بیعت ہو۔“

دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ، أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوهُ (رواه مسلم عن سيدنا عرفجة بن ضريح)

”جو کوئی اس حال میں مسلمانوں پر نیا حاکم بننے کی کوشش کرے جبکہ مسلمان ایک حاکم پر جمع ہوں، یہ شخص اس طرح مسلمانوں کی اجتماعیت توڑنا چاہے اور تفرقہ پیدا کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔“

اس قدر شدید حکم زبان نبوت ﷺ سے اسی مقصد سے نکلا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت بر قرار رہے۔ اگر یہ انتظامی اجتماعیت بر قرار نہ رکھی جائے تو اول مسلمانوں میں سیاسی انتشار پھیلے گا اور دوم یہ سیاسی انتشار دینی تفرقے کا باعث بن جائے گا۔

یہی وہ حکم ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالفُرْقَةَ (رواه الترمذي عن سيدنا عمر بن الخطاب)

”(اے مسلمانو!) جماعت کو لازم پکڑو، اور آپس میں تفرقے سے خبر دار رہو۔“

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں تمام مسلمانوں کے لیے ایک واجب الاتباع حاکم کے نصب پر علمائے امت کا اجماع قائم ہوا، اور علمائے امت نے دو یا زائد حکام کے تقرر کو باطل قرار دیا۔ کیونکہ ایک سے زائد اگر مسلمانوں کے حکام ہوں تو اس سے بھی مسلمانوں کی وحدت بر قرار نہیں رہ سکتی، اور مسلمانوں کی اجتماعیت دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

جس طرح انتظامی و سیاسی وحدت کے لیے اسلام نے ایک خلیفہ یا حاکم کے نصب کو واجب قرار دیا ہے، وہیں مسلمانوں میں انتظامی و سیاسی وحدت کے بر قرار رکھنے کے لیے نصب امام کو چند باتوں کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

اول: امامت کے لیے بیعت اور اقتدار و اختیار دونوں لازم ہیں

اول یہ کہ امام کی تقرری کے لیے دو باتیں ضروری ہیں، اول بیعت اور دوم خطہ زمین پر اقتدار۔ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ ہو، تو ایسا شخص امام یا حاکم نہیں ہوتا۔ امام ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ عُلَمَاؤُنَا السُّلْطَانُ مَنْ يَصِيرُ سُلْطَانًا بِأَمْرَيْنِ بِالْمُبَايَعَةِ مَعَهُ وَيُعْتَبَرُ فِي الْمُبَايَعَةِ أَشْرَافُهُمْ وَأَعْيَانُهُمْ وَالثَّانِي أَنْ يَنْفُذَ حُكْمُهُ فِي رَعِيَّتِهِ مِنْ قَهْرِهِ وَجَبَرُوتِهِ. (البحر الرائق)

”ہمارے علماء کا قول ہے کہ کوئی بھی شخص دو باتوں سے حاکم قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر حکومت کی بیعت کی جائے، اور یہاں بیعت میں سر بر آوردہ لوگوں کی بیعت کا اعتبار ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کے اقتدار اور کنٹرول کی وجہ سے اس کی رعیت پر اس کا حکم نافذ ہو۔“

یعنی اگر کوئی شخص کسی خطہ زمین پر اقتدار نہیں رکھتا، یا وہاں کے لوگ اس کی بیعت میں نہیں ہیں، تو یہ شخص حاکم نہیں کہلاتا اور حاکم کے حقوق اسے حاصل نہیں ہوتے، کہ لوگ اسی کی اطاعت کریں اور اس کی اطاعت نہ کرنے والے حرام کر مرتکب ٹھہریں۔

دوم: امام کے تعین کے لیے مشاورتِ مسلمین ضروری ہے

اسلام میں امام کے تعین کے لیے مسلمانوں سے مشورہ کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کا مشورہ مسلمانوں کے سر بر آوردہ لوگوں کے مشورہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا أَحَدًا دُونَ مَشُورَةِ الْمُؤْمِنِينَ، لَأَمَّرْتُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ.(رواه الإمام أحمد عن سيدنا علي بن أبي طالب رضي الله عنه)

”اگر میں کسی کو مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر امیر مقرر کرتا، تو میں ضرور ابن ام عبد (یعنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو امیر مقرر کرتا۔“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مشاورت مسلمین کے بغیر امیر کے تقرر کے مفسدے کو یوں بیان فرمایا:

مَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلاَ يُبَايَعُ هُوَ وَلاَ الَّذِي بَايَعَهُ، تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلاَ. (رواه البخاري عن سيدنا عبد الله بن عباس)

”جس کسی نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی شخص کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی، تو خطرہ ہے کہ (اس طریقے سے مسلمانوں میں اتفاق نہ آنے کے سبب) بیعت کرنے والا اور جس کی بیعت کی گئی، دونوں قتل کر دیے جائیں۔“

علمائے امت نے اسی اصول کی پاسداری میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے اہل الحل و العقد کی مشاورت سے امام کا تعین ہونا چاہیے۔

سوم: امامت کی از خود طلب مذموم ہے

اسلام نے اس بات کی مذمت کی ہے کہ کوئی مسلمان از خود مسلمانوں کی زمام اپنے ہاتھ میں لینا چاہے۔ کیونکہ ایک تو اس سے اسلام کے اعلیٰ مقصد کے مقابلے میں شخصی اغراض کا حصول کا دروازہ کھلے گا، اور دوسرا اس سے مسلمانوں میں اتفاق و وحدت کی جگہ انتشار اور تشتت جنم لے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

لَنْ نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ.(متفق عليه عن سيدنا أبي موسى الأشعري رضي الله عنه)

”ہم کسی بھی اس شخص کو امورِ سلطنت میں کوئی کام نہیں دیتے جو خود مسؤولیت چاہتا ہو۔“

دوسری حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے:

إِنَّا وَاللهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ، وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ (رواه مسلم عن سيدنا أبي موسى الأشعري رضي الله عنه)

”اللہ کی قسم! ہم امورِ سلطنت میں سے کوئی کام اس شخص کے حوالے نہیں کرتے جو اسے مانگتا ہے، اور نہ اسے حوالے کرتے ہیں جو اس کی حرص رکھتا ہے۔“

دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبد الرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس کی برائی کو اس طرح بیان فرمایا:

يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ أُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا (رواه مسلم عن سيدنا عبد الرحمن بن سمرة رضي الله عنه)

”اے عبد الرحمن! امامت کو طلب نہیں کرنا، پس اگر یہ تمہیں طلب کرنے پر ملی تو تمہیں اسی کے حوالے کر دیا جائے گا (اور اللہ تمہاری مدد نہیں فرمائیں گے) اور اگر یہ تمہیں بغیر طلب کے ملی تو (اللہ کی طرف سے) تمہاری مدد کی جائے گی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم اسی لیے فرمائی کہ اگر مسلمانوں کے افراد میں از خود حکومت کی کرسی تک پہنچنے کی حرص پیدا ہو گئی تو یہ نہ صرف خود ان افراد کے حق میں اچھا نہ ہو گا، بلکہ اس سے مسلمانوں میں اتفاق و وحدت کی بجائے بے اتفاقی اور نفرت جنم لے گی۔ حالانکہ اسلام کو امام کے نصب سے مقصود مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد و وحدت کا حصول ہے۔ یہی وہ نبوی تربیت تھی کہ جس کے سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مقام کا خیال رکھا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

تنبیہ: سلطانِ متغلب کی شرعی حیثیت

یہاں کسی شخص کے ذہن میں یہ خیال نہ آجائے کہ سلطان متغلب کو تو علمائے کرام نے واجب الاطاعت حاکم مانا ہے، اگرچہ وہ تغلب سے حاکم بنا ہو۔ تو جاننے کی بات ہے کہ علمائے کرام نے تغلب کو مذموم قرار دیا ہے۔ اور امام المسلمین کے مقابلے میں، بغیر کسی شرعی سبب کے، دنیوی مفاد کے لیے کسی دوسرے شخص کے خروج کو اور تغلب کی کوشش کو ناجائز قرار دیا ہے۔ یہ اصولی حکم علمائے کرام کی کتب میں واضح انداز میں منقول ہے۔ ہاں، بالفرض اگر کوئی شخص یہ ناجائز کام کر کے حاکم بن بیٹھے تو اگر وہ شریعت کے مطابق حکومت کرتا ہے تو ایسے حاکم کو انتشار و بے اتفاقی کی روک تھام کے لیے حاکم تسلیم کیا ہے، اور اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔

یعنی ان دو امور میں فرق کو واضح سمجھنا چاہیے۔ اسلام اصلا انتشار اور وحدت کی روک تھام کرتا ہے اور اسی وجہ سے تغلب کو مذموم کہا ہے۔ اور بعد از تغلب جب کوئی حاکم ہو جائے تو دوبارہ اسی علت کی وجہ سے اسے حاکم تسلیم کیا ہے، لیکن یہ محمود کام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض

علمائے کرام نے ایسے متغلب حاکم کو وہ تمام حقوق نہیں دیے، جو مشروع طریقے سے بننے والے حاکم کو دیے ہیں۔ امام مازری رحمۃ اللہ علیہ خروج علی الحکام کے مسئلے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذا في إمام عُقد له على وجه يصحّ ثم فَسَق وجار، وأمّا المتغلّبون على البلاد فالكلام فيهم يتّسع وليس هذا موضعه. (المعلم بفوائد مسلم)

”اور یہ ممانعتِ خروج اس امام کے حق میں ہے جس کی امامت صحیح طریقے سے منعقد ہوئی ہو، اور اس کے بعد وہ فاسق و فاجر ہو گیا ہو۔ اور جہاں تک متغلب حکام کا تعلق ہے تو ان کے حوالے سے اس مسئلے میں گنجائش ہے، جس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔“

تنبیہ: ایک سے زائد اماموں کی گنجائش

یہاں یہ بھی کسی شخص کو مغالطہ ہو سکتا ہے کہ اصلاً تو اسلام نے ایک ہی امام کے نصب کو واجب قرار دیا ہے، اور تمام مسلمانوں کو ایک امام کے تحت جمع کرنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن ایسی صورت میں جب مسلم علاقوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو اور ایک امام کے لیے تمام علاقوں کا انتظام عملاً ممکن نہ ہو تو ایسے میں بعض علمائے کرام نے ایک سے زائد حکام کی گنجائش بیان فرمائی ہے۔ یہ بات درست ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اسلام نے اصلاً مسلمانوں کو ایک انتظامی اکائی میں جمع کرنے کی تعلیم دی ہے، اور یہی اتفاق و اتحاد و وحدت کی حقیقی صورت ہے۔ لیکن جب صورتحال یہ بنی کہ اندلس کی زمین مسلمانوں کے عمومی خطوں سے بہت دور زیر تسلطِ اسلام آئی تو وہاں الگ امیر کی گنجائش دی۔ لیکن اصولی حکم اپنی جگہ بر قرار رکھا گیا، اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح کے مطابق امام کا حکم ایک ہی شخص کو حاصل ہو گا، اور دوسرے کو اگر امام نے اتباع کا حکم دیا، تو اس پر اتباع واجب ہو گی۔ تفصیل کے لیے امام الحرمین کی غیاث الأمم کی مراجعت کی جائے۔

اس تمام بحث سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ اسلام نے جس وحدت کا حکم فرمایا ہے، اس کا انتظامی حیثیت سے مفہوم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں اور ان کے مقبوضہ خطوں کو ایک انتظامی و سیاسی اکائی میں جمع کیا جائے، اور ایک امام کے تحت لایا جائے۔ اسی صورت میں وحدت کا اسلامی حکم پورا ہو سکے گا۔ اور حقیقی معنی میں مسلمانوں میں وحدت کے قیام کے لیے اس امام کا انتخاب بھی مسلمانوں کے اہل الحل والعقد (سربر آوردہ لوگوں) کے مشورہ سے کیا جائے تاکہ تمام مسلمان دل و جان سے مجتمع ہوں۔

ہم جس صورت واقعہ میں جی رہے ہیں، اس کے حوالے سے مضمون کے آخر میں کلام کریں گے کہ آج کے دور میں اسلام کے اس حکم کو کس شکل میں عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔

تنبیہ: مسلمانوں کے درمیان پھیلنے والے دینی تفرقہ کا سبب بھی بہت سی جگہ پر سیاسی تفرقہ تھا

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ مسلمانوں کی انتظامی وحدت مسلمانوں کو دینی تفرقے سے بھی محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اور تاریخ اسلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی جگہ پر دینی تفرقہ اور اعتقادی اختلاف کا سبب بھی سیاسی و انتظامی وجوہات تھیں۔ روافض کی تاریخ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض منافقین نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے غلط عقیدے گھڑے اور اپنی سیاسی جدوجہد کو دینی رنگ دیا، اور یوں روافض کا فرقہ وجود میں آگیا، مرجئہ کا طبقہ بھی حاکم طبقے کی برائیوں کو صاف کرنے کے لیے وجود میں آیا۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'اہل السنۃ والجماعۃ' میں لکھتے ہیں:

”سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات کی بنیاد قائم کی۔“ (ص ۲۱)

یعنی اگر سیاسی و انتظامی امور کو دین میں ان کا صحیح مقام نہ دیا جائے تو یہ خود اعتقادی و دینی تفرقہ کا سبب بن سکتی ہیں۔ امامت کا مسئلہ علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کے یہاں فقہ سے تعلق رکھتا ہے، لیکن چونکہ اہل البدع نے اسے اپنے عقیدہ کا مسئلہ بنایا تو ہمارے اہل السنۃ کے متکلمین نے اس مسئلے کو کتب عقائد میں ذکر کیا۔ یہاں یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر کوئی بھی جماعت یا گروہ اپنے سیاسی غلبے کے حصول کے لیے اپنے نکتہ نظر کو دین کا درجہ دینا شروع کرے تو بعید نہیں کہ یہ گروہ اعتقادی گمراہی میں مبتلا ہو جائے اور مسلمانوں میں وحدت کی بجائے بے اتفاقی اور انتشار کا باعث بنے۔ موجودہ دور میں ہمارے سامنے داعش کی مثال بالکل واضح ہے۔ غلو ان میں اگرچہ پہلے بھی تھا، لیکن ان کے سیاسی عزائم نے بالآخر انہیں اپنے آپ کو حق بولنے اور اپنے مخالف کو باغی قرار دینے پر مجبور کیا اور یوں وہ خوارج کی صف میں جا شامل ہوئے۔ لہٰذا غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعتیں اور تحریکات کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسائل دینیہ کو اس انداز میں اپنائیں جس انداز میں مسلمانوں کے اہل السنۃ والجماعۃ کے طبقات میں وہ مسائل مدوّن ہیں۔ تاکہ نہ دینی مسائل میں فرقہ بندی کی صورت بنے، اور نہ مسلمانوں کی انتظامی وحدت کے راستے میں رکاوٹ بنے۔

مسلمانوں کے درمیان وحدت کا تیسرا مفہوم یا وحدت کے حصول کا سبب

اسلام نے مسلمانوں کے درمیان جس وحدت اور اتفاق کے حصول کا حکم فرمایا ہے، اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اس پہلو کو چاہے وحدت کا ایک مفہوم قرار دیا جائے، اور اسے وحدت کے حصول کا ذریعہ اور سبب قرار دیا جائے، دونوں ممکن ہیں۔ اور وہ ہے (الف) اتباعِ شریعت اور (ب) اسلام کی تعلیمِ اخلاقیات۔ ثانی الذکر اول الذکر میں داخل ہے مگر چونکہ دونوں میں عموم و خصوص کا فرق ہے اس لیے یہاں علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔

وحدت اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب شریعتِ مطہرہ پر عمل ہو۔ اللہ رب العزت نے جو اصول وضوابط ایک فرد واجتماع کے لیے مقرر کیے ہیں وہ جب عمل میں لائے جاتے ہیں تو منجانب اللہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور اگر ان کی خلاف ورزی ہو تو پھر اللہ ہی کی طرف سے بطورِ سزا اختلاف وافتراق کا دروازہ کھلتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اہلِ کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو عہد وپیمان ان سے لیا گیا تھا انہوں نے اس کی مخالفت کر دی، یعنی انہوں نے شریعت پر عمل نہیں کیا، تو عقاب میں اللہ نے ان کے بیچ منافرت وعداوت ڈال دی۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ○(سورۃ المآئدۃ:۱۴)

”اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لیے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا اور اللہ انھیں عنقریب بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔“

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آیت وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تقریر مدلولِ آیت کی بلحاظ قید یہ ہے کہ تم سب اعتصام (بحبل اللہ) اختیار کرو اور اس میں تفریق نہ کرو کہ کوئی اعتصام اختیار کرے کوئی نہ کرے، پس مقصود بالذات اعتصام ہے نہ کہ اجتماع، اور منهی عنه ترکِ اعتصام ہے نہ کہ تفریق۔ پس اگر اعتصام میں تفرق ہوتا ہو، اس طور سے کہ بعض نے اعتصام کیا بعض نے نہ کیا تو اس تفریق سے بچنے کے لیے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اعتصام کے لیے تفریق کو گوارا کرلیں گے...... اس آیت میں ایک فائدہ عظیمہ علمیہ و عملیہ متعلقہ اتفاق پر بھی دلالت ہے، یعنی اس میں اتفاق و اجتماعِ مطلوب کے حاصل ہونے کا ایک سہل اور کامیاب طریقہ بھی بتلایا گیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ سب مل کر احکامِ الٰہیہ کا اتباع کرنے لگیں، اس سے خود بخود بلا کسی تدبیرِ مستقل کے لزوماً اتفاق پیدا ہو جاوے گا۔ ورنہ بدون اس کے بڑی سی بڑی تدبیر بھی ناکام ہے اول تو حدوث ہی میں، ورنہ بقا میں تو ضرور۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسا اتفاق اغراض پر مبنی ہو گا اور اغراض میں تبدّل ہوتا رہتا ہے، اور اسی کے ساتھ اتفاق بھی رخصت ہو جاوے گا۔ اور جو اتفاق احکامِ الٰہیہ پر مبنی ہو گا، چونکہ احکام بدلتے نہیں ہیں، اس لیے وہ اتفاق بھی باقی رہتا ہے۔“[بوادر النوادر]

مسلمانوں کے درمیان وحدت پیدا کرنے کے حوالے سے ایک اہم امر اخلاق حسنہ کا آتا ہے اور اس پر دینِ اسلام میں بہت تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات:۱۰)

”بیشک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اسلام کی اہم ترین تعلیم یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان محبت و الفت پیدا کی جائے۔ اور مسلمانوں میں وحدت میں سب سے بنیادی کردار اسی محبت کا ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳)

”اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پس اللہ نے تمہارے دلوں کو (ان میں محبت ڈال کر) جوڑ دیا، پس تم بھائی بھائی بن گئے۔“

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والألفة أحد فرائض الدين وأركان الشريعة ونظام شمل الإسلام.(إكمال المعلم بفوائد مسلم)

”اور مسلمانوں کے درمیان باہم محبت و الفت کا ہونا دین کے فرائض میں سے ایک فریضہ، شریعت کا ایک رکن اور اسلام کی اجتماعیت کو منظم کرنے کا ذریعہ ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ تَبَاغَضُوا، وَلاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا.
(متفق عليه عن سيدنا أنس بن مالك رضي الله عنه)

”آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے حسد مت کرو، اور ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرو، اور اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“

یہ وہ اخلاقی تعلیم ہے جو زبانِ نبوت ﷺ سے مسلمانوں کو دی جا رہی ہے۔ مسلمان کبھی بھی اتحاد و وحدت کو نہیں پہنچ سکتے جب تک ان اخلاق کو نہ اپنالیں، کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کرے، دوسرے مسلمان کو برابر کے حقوق دے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ دوسرے کے لیے پسند کرے، کسی سے حسد نہ کرے، کسی سے بغض نہ رکھے، کسی سے دشمنی نہ کرے۔ خود یہ وحدت کا وہ مفہوم ہے جو اسلام کو مطلوب ہے۔ وہ مسلمانوں کو ایسی وحدت میں جمع کرنا چاہتا ہے جس میں تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہوں۔

ایک دوسرے پر دنیوی برتری کی کوشش کرنا، ایک دوسرے کو نیچا کرنا، ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا یہ اسلام میں مذموم ہیں۔ یہی وہ سبب ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو شخصی اقتدار کے حصول سے منع کیا ہے۔ اور اسلام جس اقتدار کے حصول کا مسلمانوں کو پابند کرتا ہے جس میں اعلائے کلمۃ اللہ ہو تو اس کے لیے اسلام ان اخلاق کا پابند بھی بناتا ہے۔ ورنہ انسان نعرہ تو اعلائے کلمۃ اللہ کا لگائیں گے، مگر شیطان ان کے دلوں میں برائیوں کو مزین کر کے دکھا رہا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھیں، اور اسلام کے غلبہ کی کوشش کرنے والے ہر عامل کو اپنی خصوصی رحمت سے ان برائیوں سے محفوظ و سالم رکھیں، آمین۔

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا قیام اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کے ذریعے کریں گے جو آپس میں اسلام کے اخلاق کے پابند ہوں گے، جو لوگ دوسرے مسلمانوں کی عزت پامال کریں، غیبت کریں، چغلی کھائیں، حسد کریں، بغض رکھیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کے ذریعے خلافت کا قیام ممکن نہیں ہے۔ (بتصرف)

لہٰذا جو مسلمان بھی اور خاص طور پر جو مجاہد بھی مسلمانوں میں اتحاد اور وحدت کا خواہاں ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اسلام کے ان اخلاق کا پابند نہ ہو۔ اگر خدانخواستہ وحدت کا داعی ان اخلاق اوصاف سے عاری ہو تو جان لینا چاہیے کہ وہ وحدت کے نام پر اپنی خواہش کو دوسروں پر مسلط کرنے کا ساعی ہے۔

زمانہ حاضر اور مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کے حکمِ اسلامی کی تعمیل

اس وقت مسلمانوں کی صورتحال یہ ہے کہ مسلمان پچاس سے زائد اسلامی ممالک کی صورت میں بٹے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں پر مسلط حکام اہل مغرب کے غلام ہیں جو مسلم ممالک میں نفاذِ اسلام تو در کنار، اسلامی تحریکات کی سرکوبی اور کمزوری کے لیے کوشاں ہیں۔ ہر ایک اسلامی ملک میں غلبہ دین کی تحریکات موجود ہیں، خواہ کوئی محض دعوت کی حد تک محدود ہے، کوئی جمہوری جدوجہد کے ذریعے سیاسی غلبہ چاہتی ہے، اور کوئی جہاد کے ذریعے سیاسی غلبہ کے لیے برسرِ پیکار ہے۔

ہمارا یہاں بنیادی خطاب جہادی تحریکات اور ان کے حامی اہل دین سے ہے، کیونکہ انھی سے امید ہے کہ یہ مسلمانوں کے لیے حقیقی سیاسی قوت اور منعہ حاصل کر کے اسلام کے سیاسی اقتدار کے حصول کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ دعوتی اور جمہوری سیاست کے عاملین، اگرچہ ہمارے بھائی ہیں، اور ان کے ساتھ اتحاد و اتفاق کے بغیر مسلمانوں کی سیاسی قوت مکمل نہیں ہو سکتی، لیکن اس مرحلے پر ان سے اتفاق کی صورت قائم ہونا عملاً مشکل کام ہے، کیونکہ وہ مغرب کے عطا کردہ نظام کے دائرہ کار میں مصروف عمل ہیں، اور ہماری نظر میں جب تک اس نظام کو ہٹا کر اس کی جگہ اسلامی نظام نہ لایا جائے، تو اس کے علاوہ اعلائے کلمۃ اللہ کا کوئی امکان نہیں، یا یوں کہیے کہ پہلے جہادی تحریکات میں اتفاق ضروری ہے جو اس کے بعد دیگر غیر جہادی تحریکات کے ساتھ اتفاق و اتحاد کا راستہ ہموار کرے گا۔

۱. پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور مجاہدین کی قربانیوں کی برکت سے آج چند سال سے ہمیں حقیقی اسلامی حکومت دستیاب ہے۔ یہ حکومت افغانستان میں امارتِ اسلامی کی صورت میں امیر المؤمنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ کی قیادت میں معرضِ وجود میں آئی ہے۔ یہ واحد اسلامی حکومت ہے، اور امیر المؤمنین شیخ ہبۃ اللہ حفظہ اللہ وہ واحد شخص ہیں جن کے بارے میں ’امام المسلمین‘ اور ’امامِ اعظم‘ کی شرعی اصطلاح ثابت ہوتی ہے، کیونکہ ان کے زیر اختیار پورا ایک جغرافیائی ملک ہے۔

۲. دوسری بات یہ ہے کہ جہاد کو اگرچہ عملی طور پر علاقائی سطح پر جاری رکھا جائے، لیکن اگر مجاہدین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی غلبہ حاصل کرنے کے بعد انھی لکیروں کو برقرار رکھیں گے جو مغرب نے کھینچ دی ہیں، اور نہ صرف برقرار رکھیں گے، بلکہ اس کے سبب ایک دوسرے سے اختلاف بھی برقرار رکھیں گے، تو یقیناً یہ اسلام کے حکمِ اتفاق و اتحاد کے منافی ہو گا۔ ہم اس کے داعی نہیں ہیں کہ اسی وقت مجاہدین ہر ملک میں غلبہ پا کر امت کی سطح پر ایک وحدت کا اعلان کر دیں، یہ تو حالات و واقعات کی مناسبت سے ہی ہو سکے گا، لیکن اگر باطن میں بھی اپنی اپنی الگ حکومتیں قائم کرنے کا عزم ہو، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے درمیان بے اتفاقی اور نفی وحدت کا سبب ہو گا۔ جیسا کہ شام کی حالیہ حکومت کا کردار بتا رہا ہے کہ وہ امت کی سیاسی وحدت کی طرف کسی بھی قدم کے اٹھانے سے نہ صرف قاصر ہے، بلکہ ممکن ہے کہ مخالف ہو۔ لہٰذا چاہیے کہ اسلامی تحریکات خود کو امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ساتھ منسلک کریں، اور امامِ اعظم کی حیثیت سے امیر المؤمنین شیخ ہبۃ اللہ حفظہ اللہ کو قبول کریں۔

۳۔ یہ سوال اکثر مجاہدین کے ذہن میں ابھرتا ہے کہ کسی ایک ملک میں اگر متعدد جہادی جماعات ہوں تو ان میں وحدت کیسے قائم کی جائے؟ یہ سوال اہم بھی ہے اور اس کا جواب ضروری بھی ہے۔ اول تو یہ سمجھنے کی انتہائی ضرورت ہے، اور جسے ہم نے پورے مضمون میں بھی بیان کیا ہے، وہ یہ کہ اسلام نے جو وحدت کا حکم دیا ہے، وہ تمام مسلمانوں کے درمیان سیاسی وحدت کے قائم کرنے کا ہے۔ الگ الگ اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کے درمیان وحدت قائم کرنا اس کا صحیح مدلول نہیں ہے، اگرچہ جزو ضرور ہے۔ کیونکہ اسلام کو تین بندوں کے سفر میں بھی ایک انتظامی وحدت قائم کرنے کا حکم دیتا ہے، تو کسی بڑے خطے کے مسلمانوں اور مجاہدین میں وحدت کا حکم کیوں نہ ہو گا۔ لیکن پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب امامِ اعظم کے ہاتھ پر امت کی وحدت کا قیام ممکن ہے، تو واجب اسے حاصل کرنا ہے، اور ایسا کرنے سے حکمِ وحدت پر عمل ہو جاتا ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ایسا کرنے والا وحدت کا تارک ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی خطے میں یہی بات اولیٰ ہے کہ اس خطے میں جہادی تحریک ایک امیر کے تحت جاری ہو اور اسے امامِ اعظم کی سرپرستی حاصل ہو۔ لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ اس خطے میں ابتداء سے کئی جماعتیں برسرِ جہاد ہوں اور امامِ اعظم کی طرف سے کوئی ایک متعین امیر نہ ہو، تو ان میں وحدت قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارگی اور تعاون و مناصرت کی فضا قائم کریں، پھر جہادی امور میں ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد و تحالف قائم کریں، اور پھر ایک دوسرے کے افکار و کردار پر اعتماد قائم ہونے کے بعد باہمی مشورے سے ایک شخص پر متفق ہو جائیں۔

تعدد جماعات کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک جماعت منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے اپنی فکر و تجربہ کے مطابق ایک راستہ کامیاب سمجھتی ہے، اس کی نظر میں دعوت و قتال کا کوئی خاص اسلوب اور دوست یا دشمن کے ساتھ تعامل کا کوئی متعین طریقہ ہی باعثِ کامیابی ہوتا ہے جبکہ اس کے مقابل دوسری برادر تنظیم اس سے بالکل جدا راستے کے ذریعہ مقصود تک پہنچنا چاہتی ہے۔ یہاں سوال جائز ناجائز کا نہیں بلکہ کامیابی یا ناکامی کا ہوتا ہے اور یہ سوال بذات خود کوئی غیر اہم نہیں ہوتا، کیوں کہ کوئی بھی مجاہد، شریعت کی پیروی کرتے ہوئے، صرف اُسی راستے کو اپنے کے لیے منتخب کرے گا جس پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچنے کا اسے غالب گمان ہو اور جس پر اس کو قلبی اطمینان ہو۔

سو امامِ اعظم کی سرپرستی میں اگر کسی خطے میں فکر و منہج اور پالیسی کے اختلاف کے سبب مختلف جماعات ہوں تو جب تک صدق و اخلاص موجود ہو، ان میں سے کسی جماعت کو غیر شرعی اور وجہ تفرقہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں واجب ہے کہ ہر جماعت اتباعِ شریعت و اخلاق حسنہ کو دانتوں سے پکڑ کر نیکی و خیر کے کاموں میں دوسروں سے تعاون کرے، افہام و تفہیم، مشاورت اور باہمی نصرت کا ماحول بنائے، ایک دوسرے کے لیے احترام و محبت دلوں میں پیدا کرے اور اتفاق و اتحاد کی ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے جو تعددِ جماعات کے مفاسد کے آگے بند باندھے اور شر کا راستہ روک کر خیر پھیلانے کا باعث بنے۔ پھر بالآخر اس راستے سے یہ تمام جماعات اپنے خطے میں ایک ایسی وحدت و اتفاق کی منزل تک پہنچ جائیں جہاں باطل نظام کو ہٹا کر ایک حاکم کے تحت اسلامی حکومت قائم ہو جو اہلِ حل و عقد کے مشورے سے وجود میں آئے۔

موجودہ حالات میں متعدد ایسی جماعتوں کے ہوتے ہوئے، جو شریعت کے دائرے میں رہ کر جہاد کر رہی ہوں، اگر کوئی ایک جماعت، چاہے کسی بھی عنوان کے تحت، خود کو اپنے زعم میں امامِ اعظم قرار دے کر یا اکثریتی گروہ دکھا کر، دیگر برادر جماعتوں پر زبردستی کرے، اور اپنی بیعت کو لازم قرار دے، تو یہ اسلام کے بیان کردہ اتحاد کے حکم کے منافی ہو گا، کیونکہ اسلام نے اتفاقِ ملت کو اسلامی اخلاق کے ساتھ جوڑا ہے۔ کسی بھی شخص یا گروہ کا خود کو دوسروں پر، بالخصوص جبکہ دیگر گروہ مخلص مجاہدین کے گروہ ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے برسرِ جہاد ہیں، مسلط کرنا چاہے، تو یہ اسلام کے بیان کردہ وحدت کے قیام کے طریقے کو یقیناً متاثر کرے گا، اور اس راستے سے مجاہدین کے درمیان وحدت اور اتحاد کی جگہ بے اتفاقی اور انتشار کا حصول یقینی ہے۔ گویا ایسا کرنا اسلام کے حکمِ وحدت پر عمل کرنا نہیں، بلکہ اس کی مخالفت کرنا ہے۔ اگر کوئی ایسا گروہ اپنے اس عمل کو وحدت کا نام دے تو مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ایسا گروہ اپنے سیاسی عزائم کے لیے اسلام کے حکمِ وحدت کو ڈھال بنا رہا ہے۔ اگر کوئی مجاہد گروہ اتحاد مجاہدین کے لیے مخلص ہے تو اسے چاہیے کہ اسلام نے امیر کے تعین کے لیے جو مشورہ کا حکم دیا ہے، اس پر عمل کرے، اور اسلام نے جن مومنانہ اخلاقیات کا حکم دیا ہے، ان کی پابندی کرے۔

تنظیم القاعدہ نے شیخ اسامہ بن لادن کے زمانے سے مسلمانوں کو ایک امت کی شکل میں جمع کرنے کے لیے کوشش کی ہے، اور اس کوشش میں ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ تنظیم کا مقصد مسلمانوں کو کفار اور ان کے آلہ کاروں سے آزادی دلانا ہے، اس کے بعد جہاں تک انتخابِ امیر کا تعلق ہے، تو یہ مسلمانوں کے اہل الرائے کے فیصلے پر کھڑا ہے۔ شیخ ایمن الظواہری نے اپنے اکثر بیانات میں ایسی خلافت کے قیام کو اپنا ہدف قرار دیا ہے، جہاں معروف عام ہو، منکر کی روک تھام ہو، عدل پر فیصلے ہوں اور شوریٰ کے مطابق حکومت قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایک جسم و جان کی شکل میں جمع فرما دیں، اسلام کو غالب فرما دیں اور مسلمانوں کو کفار اور ان کے آلہ کاروں سے آزادی دلا کر اسلام کے حقیقی اقتدار کے تحت زندگی گزارنے کا زمانہ نصیب فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

☆☆☆☆☆

اب وقت ہے ایسے نعروں کا جو سوتوں کو بیدار کریں!

ہندوستان و کشمیر کی موجودہ صورتِ حال میں چند گزارشات

معین الدین شامی

ہندوستان، مسلمانانِ عالم کے درخشاں ماضی کا امین ہے اور کشمیر زمین کا وہ جنت نظیر ٹکڑا ہے جس کے جنت نظیر ہونے کو دراصل اہالیانِ اسلام نے شرف واعزاز بخشا ہے۔ لیکن تاریخِ عالم شاہد ہے کہ مستقبل کا تعلق ماضی کی درخشانی اور کسی زمین کے ٹکڑے کے جنت نظیر ہونے سے جڑا ہوا نہیں ہے، کہ قرطبہ وغرناطہ بھی کچھ کم درخشاں ابوابِ تاریخ اور کچھ کم فردوس بروئے زمین نہ تھے! آنے والا 'کل'، شاعرانہ خیالات اور ماضی کی یادوں سے نہیں اہلِ عزم وہمت کے 'آج' کے عمل سے وابستہ ہے۔

مہاراشٹر تا سری نگر آج ایسے واقعات رونما ہو رہے ہیں جن کے آثار پچھلے کئی سالوں سے واضح تھے۔ باحجاب عفیفات کے گھروں میں آر ایس ایس کے غنڈوں کے گھسنے، دوپٹہ چھینے اور نقاب نوچنے کے واقعات، گھٹیا زبان کے استعمال، ریپ وزیادتی کی دھمکیوں اور فٹ پاتھوں پر باحجاب مسلمان خواتین اور باریش مسلمان جوانوں اور بزرگوں کو گاڑیوں سے کچلنے کے واقعات۔ کشمیر میں دین سے وابستگی کے 'جرم' کے سبب درجنوں گھروں کو بلڈوزروں سے پیوندِ زمین کرنا، محض چند دن میں چار ہزار کے قریب مسلم نوجوانوں کا داڑھی رکھنے، نماز پڑھنے اور دینی حلقاتِ درس میں بیٹھنے کے 'جرم' میں اٹھایا جانا، تلاشی کے نام پر، اکیلی رہتی مسلمان بہنوں (کہ ان کے باپ، بھائی و شوہر پہلے ہی غاصب حکومتِ ہند کی قید میں ہیں) کے گھروں میں گھس کر چادر وچار دیواری کی پامالی اور پاکستان سے ہجرت کر کے کشمیر میں اپنے شوہروں کے ساتھ بستی مسلمان خواتین سے ان کے سہاگ اور بچے چھین کر، انہیں پاکستانی قرار دے کر، کشمیر سے دیس نکالا دے کر، پاکستان ڈی پورٹ کرنا۔ یہ سب واقعات پچھلے دس دن سے بھی کم میں رونما ہوئے ہیں (بوقتِ تحریر)۔ فحسبنا الله ونعم الوكيل!

دشمن تو دشمن ہے، ہمارے اپنے بھی ان واقعات کا محرک پہلگام واقعے کو قرار دیتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا احمد آباد گجرات میں جو کچھ ہوا، جو قصاب مودی نے کیا کروایا اور جو بابو بجرنگی نے کیا وہ سب بھی پہلگام کے اثر میں کیا؟

ان حالات میں، ہم ہندوستان میں بستے مسلمانوں اور کشمیر کے اہالیانِ اسلام کی خدمت میں کچھ گزارشات رکھنا چاہتے ہیں۔

ہندوستان میں بستے مسلمان بھائیو اور بہنو!

یہ مخاطب آواز کوئی بے گانی آواز نہیں۔ یہ آپ ہی کے ہم مذہب، ہم قوم، ہم رنگ، ہم زبان بھائیوں اور بیٹوں کی آواز ہے، جالندھر، جے پور اور پرانی دلی کے بسنے والے وارثوں کی آواز۔ عالم گیرؒ اور سلطان ٹیپوؒ کے بیٹوں کی آواز، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت نانوتویؒ اور شیخ الہندؒ کے ساتھیوں کی آواز۔ ہم آپ کو کسی ایسے خطرے سے آگاہ نہیں کر رہے جسے آپ خود ہم سے بہتر نہ جانتے ہوں۔ ایک طریقہ وہی ہے جو دہائیوں سے جاری ہے، خاموش تماشائی بن کر بھگوا دہشت گردوں کے سامنے اپنی ہی گردن اور اپنی عزتیں پیش کرتے رہنے کا طریقہ۔ کل تک ہمیں ہندوستان میں ایک فکری ارتداد کی لہر کا سامنا تھا تو اس کے بعد گھر واپسی، گھس بیٹھیے اور آج ہجومی قتل، عزتوں کے لٹنے کے واقعات عام ہو رہے ہیں۔ پرانی روش ہلاکت کی طرف لے جاتا راستہ ہے اور مطلوب ہوش و خرد سے شریعتِ مطہرہ کے بتائے طریقے کے مطابق آئندہ کی حکمتِ عملی طے کرنا اور عملی اقدامات اٹھانا ہے، وگرنہ ہندوستان کی سبھی مسجدوں کو بھگوا دہشت گرد رام مندر بنانے پر تلے ہوئے ہیں، سبھی بناتِ عائشہ آشا اور رحیم رام بن جائیں گے، فالعیاذ باللہ!

- اللہ سے ہونے اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین دلوں میں راسخ کیجیے۔ دنیا کی سب طاقتیں کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتیں جب تک کہ اللہ جل جلالہ کی اجازت نہ ہو۔ پس بطورِ فرد اور بطورِ قوم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف لوٹنا ہی وقت کا تقاضا ہے، بلکہ تقاضا کیا ہے، یہی مقصود و مطلوبِ زندگی ہے۔ لازمی ہے کہ ہماری ذاتی زندگی میں نفاذِ شریعت ہو، اقامتِ صلاۃ، پابندئ صوم، ادائیگئ زکاۃ سے نظروں کی حفاظت، حجاب و پردہ، حیا و پاک دامنی اور معاملات تک میں خدا خوفی ہو۔
- ہم بخوبی جان لیں کہ ہماری اصل شناخت 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' ہے۔ ہم کسی وطن سے ایسی کوئی الفت و محبت نہیں رکھتے جو ہم سے ہماری شناختِ اسلام سے کمی یا زیادتی کا مطالبہ کرے۔ ہم کسی آئین و سنودھان کے پابند نہیں جو ہمیں ہمارے دستور قرآن سے جدا کرتا ہو۔
- ہم کسی ایسے شخص سے نہ الجھیں جو ہم سے الجھتا نہ ہو، بلکہ ہمیں چاہیے کہ حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اپنے لیے سیاسی و سفارتی حمایت پیدا کریں۔ لیکن جو ہمارے دین و ایمان، عزت و آبرو اور مال پر حملہ ور ہو تو ایسے دشمن کے ساتھ ہم ٹکرانے کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار رہیں۔ اس دفاع کے لیے ہم بدنی قوت سے لے کر اسلحے کی جس قدر قوت حاصل کر سکیں کریں، یہ اسلحہ چاہے چھری چاقو، زنجیر و کلہاڑا ہی کیوں نہ ہو۔ خود بھی اور خاص کر اپنی خواتین کو ذاتی دفاع (self defence) کی تربیت دی

جائے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ دفاع اور حملہ ور دشمن سے ٹکرانے کے لیے جو جذبہ انسان کو ناقابلِ شکست بناتا ہے اس کا نام ’شوقِ شہادت‘ ہے۔ اسی شوق نے اسلام کو جزیرۃ العرب سے شام و ایران اور سندھ و ہند تک پہنچایا، ورنہ یہ لکھنے اور پڑھنے والے نجانے کس ہنومان کے چرنوں میں بلی چڑھا رہے ہوتے، الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ!

- دنیا بھر میں میادینِ جہاد موجود ہیں، غلبۂ دین اور نصرتِ مظلومین کے لیے مجاہدین اسلام بر سرِ پیکار ہیں، پس ان مجاہدین سے جڑا جائے۔ یہی جڑنا باذن اللہ مستقبل میں مسلمان اہالیانِ ہند اور دیگر مظلومین کی نصرت اور غزوۂ ہند کے لشکر کی سرزمینِ ہندوستان میں حقیقی مدد و نصرت کا سبب بنے گا۔

جہاد و شہادت کی سرزمین، کشمیر کے بھائیو اور بہنو!

آپ کی قدیم نہیں جدید تاریخ، پچھلے آٹھ عشروں کی تاریخ غیرتِ ایمانی، جہاد اور اللہ کی خاطر شہادتوں کی داستان ہے۔ آپ سے بہتر کون واقف ہے کہ غلبۂ اسلام اور حقیقی آزادی کا راستہ کیا ہے؟ یہ راستہ وہی راستہ ہے جس پر آپ ہمیشہ قائم رہے ہیں۔ ایسے میں راستے کی مشکلات، شہادتیں اور گرفتاریاں جب حائل ہوں تو ایسے ہی حالات کے متعلق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا:

> وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ○وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ○اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○
> (سورۃ آلِ عمران:۱۳۹-۱۴۲)
>
> ”(مسلمانو) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غم گین رہو، اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سربلند ہوگے۔ اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔ یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے اور کافروں کو ملیامیٹ کر ڈالے۔ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔“

- آج بھگوا سرکار جہاں ایک طرف جیلیں بھر رہی ہے، عزت و ناموس پر ہاتھ ڈال رہی ہے تو وہیں دوسری طرف دنیا کے مواقع بھی آپ کے سامنے کھول رہی ہے۔ اہلِ کفر و شرک کا یہ قدیم دستور ہے کہ وہ ظلم و قتل کے ساتھ شبہات و شہوات کے جھانسے میں اہلِ ایمان کو پھنساتے ہیں اور ان سے ان کا دین اور اس دین پر عمل چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کشمیر میں بھی بھگوا سرکار کی یہی پالیسی آج واضح ہے۔ ایسے میں اہلِ کشمیر پر لازم ہے کہ وہ شریعتِ مطہرہ سے جڑیں، اپنی زندگی کے نجی معاملات سے لے کر اجتماعی معاملات تک، اپنی جوان اولادوں، خاص کر اپنی بیٹیوں کو اپنے سے دور تعلیم و نوکری کے لیے بھیجنا تعلیماتِ اسلامی ہی کے مطابق ہونا چاہیے کہ ہم اپنی آنکھوں میں زرد حرص رکھتے بھگوا تیندووں کے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہیں۔
- کشمیر کی آزادی کا حقیقی راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ایک ایسا جہاد جو کسی حکومت کی فارن پالیسی کا تابع نہ ہو۔ ایک ایسا جہاد جو کسی انٹیلی جنس ایجنسی کے ماتحت نہ ہو۔ ایک ایسا جہاد جس کا مقصد اللہ کی رضا، اعلائے کلمۃ اللہ اور مظلومین کی نصرت و مدد ہو۔ پس اس جہاد کی خاطر داخلی طور پر از سرِ نو صف بندی کرنا اور مراکزِ مجاہدین اور آزاد جہاد کی مرکزی مجاہد قیادت سے رابطے استوار کرنا لازمی ہے۔
- مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ اہالیانِ کشمیر پر لازم ہے کہ وہ مدد و نصرت حاصل کرنے کی نظر سے پاکستان کے انٹیلی جنس اداروں اور فوج کی طرف ہرگز نہ دیکھیں۔ اس فوج کی اسلام و اہلِ اسلام سے غداری اور فریب کی ایک طویل داستان ہے اور اس داستان کا ایک سیاہ باب ’جہادِ کشمیر کو پہلے ”اپنانا“ اور پھر ”abandon“ کر دینا ہے‘۔ آج ایک بار پھر ریاستِ پاکستان کی ’داخلی‘ صورتِ حال کا ’تقاضا‘ ہے کہ پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیاں اور فوج ’اپنے‘ استحکام اور مضبوطی کی خاطر محاذِ کشمیر کو کچھ کچھ گرم کریں۔ وہی پرانی ’شہ رگ‘ کی بازگشت آج پھر سنائی دے رہی ہے۔ ایسے میں کشمیر کے مسلمان عوام اور خصوصاً جہادِ کشمیر سے وابستہ مجاہدین، مناصرین، ہمدرد و انصارِ جہاد پر لازم ہے کہ وہ اس فوج کی تاریخ اور اس فوج کے جہاد کے ساتھ تعامل کو سامنے رکھیں اور کسی بھی طاقت کو اپنا جہاد اور اپنی فکر کو یرغمال نہ بنانے دیں۔ اگر جہادِ کشمیر پاکستان فوج کی ہائی جیکنگ سے بچ گیا تو اس جہاد کی سمت کامیابی کی طرف مڑ جائے گی اور اگر یہ جہاد پاکستان فوج ہی کا یرغمالی رہا، تو یہ وہی گھن چکر ہے جس کا آغاز ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آخر سے ہوا اور شہید افضل گورو، شہید برہان وانی، سبزار احمد بھٹ،

شہید ذاکر موسیٰ کی شہادتوں اور ان مجاہد ابطال کے ساتھ غداریوں کی صورت جاری رہا۔

آج بھارت میں ہندوؤں کا بچہ بچہ، چھوٹی لڑکیاں اور نوجوان عورتیں تک اسلحے کی تربیت حاصل کر رہی ہیں، تلواریں لہرا رہی ہیں اور رام و کرشن کے باغیوں کو کاٹ دینے کی قسمیں کھا رہی ہیں، حتیٰ کہ ایک بین الاقوامی ادارے کی بنائی گئی دستاویزی فلم کے مناظر میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک ہندو لڑکی دیسی ساختہ بارود سے بم بنانے اور مسلمانوں کو اڑانے کی باتیں کر رہی ہے۔ اسی دستاویزی فلم میں سکول کی بچیوں کے ایسے مناظر ہیں جن میں چھوٹی بچیوں کو بندوق کے حصوں/پرزوں کی پہچان کروائی جا رہی ہے کہ یہ بندوق کی نالی (barrel) ہے، یہ لبلبی (trigger) ہے، یہ کُندہ ہے۔ اس رائفل کے کُندے کو یوں کندھے سے ٹکانا ہے، یوں نشانہ باندھنا ہے اور چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ گولی چلانی ہے جس سے مخالف قتل ہو جائے گا۔ سکول کی بچیوں کو رائفل کی تربیت دینے والی استانی پوچھتی ہے کہ کیا ساری زندگی سبزیاں ہی کاٹتی رہو گی؟ یہ بچیاں اس کے بعد اپنی مسلح قوت کا مظاہرہ بھارت کی شاہراہوں پر کرتی ہیں جس میں نعرے لگاتی ہیں کہ ’کشمیر ہمیں پکار رہا ہے! بھارت ماتا ہمیں پکار رہی ہے، اپنی پیشانی پر خون کا سِندور لگاؤ اور دشمن کا استقبال گولیوں سے کرو اور اگر اس دیش میں رہنا ہو گا، وندے ماترم پڑھنا ہو گا!‘۔

جارحیت اور جنگ کی اس قدر تیاری کو چند سیاسی و سفارتی حکمتِ عملیوں سے پچھاڑنا دیوانے کا خواب ہے۔ ہمیں اپنے بیٹوں کو ۱۸۵۷ء سے پہلے کے شاہی خاندان کی ’شہزادیاں‘ نہیں بنانا کہ جنہوں نے انگریز کے حملے کے بعد جب قدم زمین پر رکھے اور بھاگیں تو ان کے ملائم پیر پھٹ گئے اور خون بہنے لگا۔ آج بھارت میں بھگوا دہشت گرد مسلمانوں کی بیٹیوں کا رقص دیکھنے اور ان کی عزتیں پامال کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم جانیں کہ کشمیر نے کس کو پکارا ہے؟ ماتھے پر سرخ پٹی باندھ کر ایمان اور عزتوں کے دشمن کو خون میں نہلانا کس کی سنت ہے؟ لا الہ الا اللہ کے کلمے کو پوری دنیا میں غالب کر کے بطورِ شعار پڑھنا پڑھانا کس دین کی تعلیم ہے؟

آج ہم اہلِ ایمان کو ہندوستان و کشمیر میں ایک چومکھی لڑائی لڑنا ہے۔ ایک طرف ہندتوا وادی (ہندو دہشت گرد) ہیں جن سے مسلح دفاع و ٹکراؤ درکار ہے تو دوسری طرف وطنیت اور سیکولرازم کا بت ہے جسے فکری محاذ پر شکست سے دوچار کرنا ہے۔ ہمیں جہادِ ہند اور غزوۂ ہند کے اہم دروازے، ’کشمیر‘ کی تحریکِ جہاد میں پورا عسکری زور ہندو بنیے پر رکھنا ہے تو ساتھ ہی رہبروں کے روپ میں رہزنوں کی چالوں سے بھی باخبر رہنا ہے، وہ ’محسن‘ جو بنیان مرصوص کا اعلان کرتے ہیں اور پھر ٹرمپ کی دخل اندازی پر ’غزوۂ ہند‘ کو مؤخر کر دیتے ہیں!

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ایمان و جہاد کی بادِ بہاری کو برصغیر سمیت دنیا بھر میں چلائے، ہمیں غزوۂ ہند لڑنے والا، امام مہدی علیہ الرضوان اور حضرتِ مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے لشکر کا حصہ بنائے۔ ہمیں اخلاصِ نیت و عمل سے نوازے، ہمارے جہاد کو غلبۂ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے خالص فرمائے اور سب سے بڑھ کر ہمیں اپنی رضا سے نوازے، آمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: عمر ثالث

علاقے کو محفوظ بنانے کی خاطر حاجی بشر نے پہلے سے مجاہدین کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ جس نے بھی علاقے کو محفوظ بنانے اور بندوق برداروں کے ضرر سے عوام کی حفاظت کی خاطر ایک منظم تحریک ترتیب دی تو اسلحہ و باقی وسائل میں مَیں ان کی مدد کروں گا۔

ملا صاحب نے طالبان کو دعوت دینے سے قبل حاجی بشر سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ مدارس کے طلبا باہمی مشورے کے ساتھ رات کو ملا صاحب کے مدرسہ پہنچے۔ زنگاوت، تلوکان، مشان اور دیگر علاقوں سے آنے والے طلبہ کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی۔

ملا صاحب کے مدرسہ کے ایک استاد مولوی عبدالرحمٰن صاحب، مدرسہ سے نسبتاً دور ایک گاؤں کی مسجد کے امام تھے، اور دن کے وقت مدرسہ تدریس کے لیے جاتے تھے۔ انہوں نے جب صبح اپنی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی، تو گاؤں کے ایک رہائشی عبدالغنی نے ان کو ایک عجیب خواب سنایا۔ گاؤں کے رہائشی نے مولوی عبدالرحمٰن کو بتایا کہ کل جمعہ کی شب میں نے خواب دیکھا کہ آپ کے مدرسہ میں فرشتوں کی ایک جماعت آئی ہے، ان فرشتوں نے سفید لباس پہنا ہوا ہے اور ان کے ہاتھ نرم اور چہرے نورانی ہیں۔

ملا صاحب نے تمام طلبہ کے مدرسہ میں جمع ہونے کی ترتیب عام لوگوں سے خفیہ رکھی تھی اور سوائے چند محدود ساتھیوں کے کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ تو ایسے میں گاؤں کے رہائشی کا اس طرح کا خواب دیکھنا بشارت سے کم نہیں تھا۔ مولوی عبدالرحمٰن نے بعد میں یہ خواب ملا صاحب کو سنایا اور آپ رحمہ اللہ کا اپنی مزاحمت پر یقین مزید پختہ ہو گیا۔

ملا صاحب نے طالبان کے روانہ ہونے کی خبر حاجی بشر کو دینے کے لیے صبح سویرے دو افراد ضلع میوند کے مرکز شک نخود بھجوا دیے۔ آپ نے اپنے گروپ کا اسلحہ تین عدد کلاشنکوف، ایک راکٹ اور ایک ہلکی مشین گن طالبان میں تقسیم کر دی۔ باقی طالبان جن کے پاس اسلحہ نہیں تھا انہوں نے درختوں سے لکڑی کاٹ کر اس سے ڈنڈے بنائے، کچھ ہی دیر بعد حاجی بشر کی طرف سے دو گاڑیاں پہنچ گئیں، طالبان اس میں سوار ہوئے اور ضلع میوند کے مرکز شک نخود کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

لامحدود ذہنیت بمقابلہ محدود ذہنیت

شاکر احمد فرائضی

برادر شاکر احمد فرائضی کا تعلق شہید سراج الدولہ، سید تیتومیر اور حاجی شریعت اللہ رحمہم اللہ کی سرزمین سے ہے جس کے مشرقی حصے کو آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے، برادر شاکر نے یہ تحریر بنگلہ دیش میں ہی قلم بند کی ہے۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُه . أمابعد

لامحدود تنازعات کی کچھ بنیادی خصوصیات ہوا کرتی ہیں جو اسے محدود تنازعات سے ممتاز کرتی ہیں۔ مثلاً اس میں کوئی روایتی فتح یا ناکامی نہیں ہوا کرتی، بلکہ ثابت قدم رہنا ہی فتح جبکہ اپنا راستہ چھوڑ دینا شکست ہوا کرتی ہے۔ لامحدود تنازعات کو مخصوص اصولوں کا پابند نہیں کیا جا سکتا، اس تنازع میں دشمن کبھی ختم نہیں ہوتے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے، آپ کو لامحدود تنازعات میں ثابت قدم رہنے کے لیے لامحدود ذہنیت کا حامل ہونا چاہیے۔ اور لامحدود ذہنیت کے دو سب سے بنیادی پہلو یہ ہیں:

١. لامحدود ذہنیت کا مطلب ہے جنگ جاری رکھنا اور آخری دم تک میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ یہاں جیت یا ہار اہم نہیں نہ ہی ایک مخصوص وقت کے اندر فتح حاصل کرنا اہم ہے۔ اصل مقصود ہے آخری دم تک جنگ جاری رکھنا۔

اگرچہ فتح اہم ہے اور فتح لامحدود تنازعات میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن جنگ جاری رکھنا فتح حاصل کرنے سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ اگرچہ شکست تکلیف دہ ہوا کرتی ہے لیکن کسی بھی جنگ میں شکست ہر چیز کا خاتمہ نہیں ہوا کرتی، بلکہ جنگ سے دستبردار ہو جانا زیادہ بڑا نقصان ہے۔

ذاتی طور پر جب تک ہمارا وجود باقی ہے اور جب تک یہ امت اس زمین پر زندہ ہے، یہ امت مسلمہ ہر محاذ پر ہمہ گیر جنگ جاری رکھے گی۔ اس جنگ میں جیت یا ہار اہم نہیں ہے۔ تمام کافروں کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دینا ضروری نہیں ہے (جو ممکن بھی نہیں ہے)۔ اصل بات ہے جنگ جاری رکھنا۔ لامحدود ذہنیت سے ہماری مراد یہی ہے۔

شیخ انور العولقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "It's not about winning the race (coming 1st or 2nd), it's all about finishing the race (while being on track)."

"یہ دوڑ کا مقابلہ جیتنے کی بات نہیں ہے (کہ کوئی پہلے نمبر پر آیا یا دوسرے پر)، اصل مقصود دوڑ پوری کرنا ہے (آخر تک راستے پر رہتے ہوئے)۔"

٢. ہمیں مسلسل بہتری کے عمل سے گزرنا چاہیے۔ جس طرح لامحدود جنگ کو جاری رہنا چاہیے، اسی طرح میدان جنگ میں ہماری بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر مسلسل بہتری لاتے جائیں۔

مسلسل جنگ اور مسلسل بہتری، ان دونوں کا امتزاج لامحدود ذہنیت کو کامل کرتا ہے۔

اگر آپ لامحدود ذہنیت رکھتے ہوئے جنگ لڑیں گے تو دشمن خود ہی میدان سے فرار ہو جائے گا۔ آخری دم تک ثابت قدم رہنا ہی یہاں کامیابی ہے۔ دوسری طرف اس تنازع میں کامیابی کی کنجیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ "خود کو اپنا ہی مد مقابل تصور کریں"۔ اپنے آج کو اپنے گزشتہ کل سے بہتر بنانے کے لیے، نئے سال کو گزرے ہوئے سال سے بہتر بنانے کے لیے۔

اب محدود ذہنیت اور لامحدود ذہنیت کے درمیان تقابل کر کے دیکھتے ہیں۔ بعض مثالوں سے ان دونوں ذہنیتوں کے درمیان فرق کو واضح کیا جا سکتا ہے، ان شاء اللہ۔

محدود اور لامحدود ذہنیت کا معاملہ ایمانی معاملات یا کسی جدوجہد تک محدود نہیں، بلکہ یہ دو ذہنیتیں ہمارے اردگرد ہر چیز میں موجود ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ لامحدود ذہنیت میں جیت اور ہار کا تصور روایتی جیت اور ہار سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ یہاں جیت کا مطلب جنگ میں آخری دم تک ثابت قدم رہنا ہوتا ہے۔ جو بھی جنگ سے باہر ہوا، ہار اسی کا نصیب بنی۔ لیکن مخالف پھر بھی رہتا ہے، اس لیے کہ لامحدود تنازع کبھی نہ ختم ہونے والا تنازع ہے۔ جو جنگ سے دستبردار ہو گیا وہ شکست ضرور کھا گیا لیکن شکست کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مخالف ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو چکا یا اب اس کا وجود ہی باقی نہیں بچا یا اس کی پوری جماعت ہی فنا ہو گئی۔ جو بھی کسی تنازع میں آخر تک بچ پاتا ہے وہ در حقیقت اپنے مخالفین کو پوری طرح ختم نہیں کرتا، جلد ہی مزید مخالفین سامنے آ جاتے ہیں۔

یہ نکتہ بہت اہم ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ اگر ہم نے امریکہ کو شکست دے دی تو ہمارا کام ختم ہے۔ لیکن در حقیقت، تنازع پھر بھی ختم نہیں ہو گا۔ ممکن ہے ہم امریکہ کو شکست دے دیں۔ اس

کے بعد ہم عالمی سٹیج پر بھی ایک طاقت بن کر ابھریں گے۔ لیکن پھر ہم دیکھیں گے کہ دنیا کے دیگر خطوں میں کوئی اور سپر پاور ابھر رہی ہے، جیسا کہ چین اور روس کا اثر ورسوخ روز بروز بڑھتا نظر آرہا ہے۔ ان کے زوال کے بعد کوئی اور ان کی جگہ لے لے گا۔ لامحدود ذہنیت کا بنیادی محور یہی ہے، جب ایک دشمن سرنگوں ہوتا ہے تو دوسرا ابھر آتا ہے۔

لامحدود ذہنیت کے اس تصادم میں امریکہ نے ۱۹۹۰ء کی دہائی میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد غلطی کی۔ سوویت یونین کے خلاف سرد جنگ جیتنے کے بعد، اس کا خیال تھا کہ وہ دنیا کا واحد مالک بن چکا ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی دوسرا مخالف اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد جو یک قطبی عالمی نظام ابھرا وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ چین، روس وغیرہ جیسی کئی سپر پاورز امریکہ کو چیلنج کرنے کے لیے ابھر آئیں، اللہ کی مرضی سے ہم بھی عالمی سطح پر ایک اہم قوت بن کر ابھرے، میدان بدل گیا، میدانِ جنگ میں نئے چہرے سامنے آگئے، لیکن جنگ رکی نہیں، جنگ اب بھی جاری ہے۔

بہت سے لوگ سوچتے ہیں کہ اگر میں ناکام بھی ہوا تو میری اگلی نسل مستقبل قریب میں اس مقصد تک پہنچ جائے گی۔ مثلاً اسرائیل، امریکہ کا زوال، خمینی، بشار، مودی کا خاتمہ وغیرہ۔ یہ بھی ایک محدود ذہنیت کا اظہار ہے۔ نظر آنے والا ہدف در حقیقت مقصد نہیں ہوا کرتے، مقصد لامحدود ہدف ہوا کرتے ہیں۔ مقصد ہے کفر وشرک کے خلاف جنگ جاری رکھنا۔ ہماری ساری بحث بنیادی طور پر اسی نکتے پر مرکوز ہے۔ لامحدود ذہنیت کی اس انفرادیت کو دیکھنا، سمجھنا اور محسوس کرنا اس بحث کے لیے خاص طور پر اہم ہے۔۔ تب ہی آپ بحث کے باریک نکات کو سمجھ سکیں گے، انشاء اللہ۔

دوسری طرف محدود ذہنیت یا محدود تصادم کی صورت میں کیا ہوتا ہے؟ ایک خاص وقت کے بعد جنگ ختم ہو جاتی ہے۔ تمام جنگیں لامحدود نہیں ہوا کرتیں۔ محدود تنازعات یا محدود جنگیں بھی ہمارے ارد گرد پائی جاتی ہیں۔ ایک لامحدود جنگ کے اندر بہت سی محدود جنگیں ہو سکتی ہیں۔ ایک جنگ میں بہت سی لڑائیاں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اسلام اور کفر کی جنگ قیامت تک جاری رہے گی۔ یہ لامحدود ذہنیت کی جنگ ہے۔ اب اس لامحدود ذہنیت کی جنگ کا ایک محدود حصہ افغانستان کی سرزمین پر امریکہ اور نیٹو کا حملہ ہے۔ یہ جارحیت امریکہ اور امارت اسلامیہ افغانستان کے درمیان دوحہ معاہدے سے عارضی طور پر ختم ہو گئی۔ یہ ایک محدود جنگ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے خلاف امریکہ کی جنگ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ اگرچہ دوحہ معاہدے کے ذریعے افغانستان میں امریکہ کی یہ خاص جارحیت روک دی گئی لیکن مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں رکی۔ اگرچہ میدان جنگ اور نوعیتِ جنگ بدل چکی لیکن جنگ اب بھی جاری ہے۔

ایک سادہ سی مثال سے اس کو سمجھتے ہیں۔ ہم تعلیمی اداروں سے بہت سی ڈگریاں حاصل کرتے ہیں۔ بیچلرز، آنرز، ماسٹرز وغیرہ۔ کسی خاص ڈگری کو حاصل کرنے کے لیے کسی کو مخصوص نصاب کے تحت کچھ مضامین کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک محدود معاملہ ہے، ایک محدود ذہنیت کا معاملہ۔ لیکن علم کا حصول ان مخصوص ڈگریوں کے لیے پڑھے جانے والے مخصوص نصاب تک محدود نہیں۔ علم حاصل کرنے کا کلیدی مقصد یہ ہے کہ گود سے گور تک علم کی تلاش جاری رکھی جائے۔

ایسا نہیں ہے کہ کامل علم ایک مخصوص نصاب کے تحت مخصوص کتب کا مطالعہ کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ہیں ہر وقت سیکھنے اور خود کو بہتر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں ہر وقت خود کو بہتر کرنے پر توجہ مرکوز رکھنی ہوتی ہے۔ مجھے ابھی بھی کسی خاص موضوع پر علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے، میں ایسے موضوع پر اپنے علم میں کیسے بہتری لا سکتا ہوں جس کے حوالے سے میں کم علم ہوں؟ یہ سوچ پڑھے لکھے شخص کو پریشان کرنی چاہیے۔ جس طرح نمبروں کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح حصول علم کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ ہم جتنا زیادہ کسی موضوع کا مطالعہ کرتے ہیں، اتنا ہی ہمیں ادراک ہوتا جاتا ہے کہ اس موضوع کے بارے میں ہمارا علم کتنا محدود ہے۔ یہ احساس، علم کی تاحیات جستجو اور مسلسل بہتری، یہ سیکھنے کے عمل میں لامحدود ذہنیت کی مثالیں ہیں۔

دوسری طرف کسی تعلیمی ادارے سے کوئی ڈگری حاصل کرنا اور یہ سمجھنا کہ میں سب کچھ جان گیا اور میں تعلیم یافتہ بن گیا ایک محدود ذہنیت کی مثال ہے۔

لامحدود ذہنیت میں محدود معاملات کے شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً، گریجویشن کرنے کے لیے میں نے مخصوص نصاب کا مطالعہ کیا۔ یہ ایک محدود معاملہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ میں نے اپنی بہتری اور علم حاصل کرنے کی مسلسل اور مستقل جستجو میں مسلسل مطالعہ جاری رکھا۔ یہ لامحدود ذہنیت ہے۔ یہاں بنیادی مقصد حصولِ علم ہے۔ بیچلر ڈگری کا حصول اس حصولِ علم کا چھوٹا سا حصہ ہے۔ لیکن اگر یہی محدود معاملہ مقصودِ اصلی بن جائے تو پھر مسئلہ بن جاتا ہے۔

مثلاً، اگر پڑھنے کا بنیادی ہدف گریجویشن کرنا ہو، تو ایک فرد صرف اپنا نصاب وقتی طور پر یاد کرنا چاہتا ہے، اسے اس علم کو سمجھنے یا سیکھنے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ پھر وہ اس انداز میں پڑھتا ہے کہ وہ بس اس وقت تک اس علم کو یاد رکھ سکے کہ اسے امتحان میں کاغذ پر اتار سکے جبکہ اس کے بعد سب کچھ بھول جائے۔

اس طرح کی محدود ذہنیت کا حامل شاید امتحانات میں امتیازی درجہ حاصل کر لے۔ لیکن دوری طرف کوئی شخص اگر ایک لامحدود ذہنیت کے ساتھ پڑھتا ہے شاید وہ پہلے والے فرد کی طرح کارکردگی نہ دکھا پائے۔ لیکن اصلی جیت یہاں کس کی ہوئی؟ حصولِ علم کا حقیقی ہدف یہاں کون

حاصل کر پایا؟ بلاشبہ وہی جس نے لامحدود ذہنیت کے ساتھ مطالعہ کیا وہی حقیقی مقصد کو پا گیا۔ اس نے صرف امتحانات پاس کرنے کے لیے نہیں پڑھا، بلکہ اس نے علم کو سمجھنے کے لیے پڑھا۔ ایک لمبے عرصے میں دیکھا جائے تو یہی فرد کامیاب ہوگا، جو علم کے میدان میں ثابت قدم رہا۔

درحقیقت آخر تک علم کے حصول میں کوئی فاتح نہیں ہوا کرتا۔ کوئی شخص اپنے بارے میں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ: "الحمد للہ میں حصول علم میں کامیاب رہا۔ میں اصول یا فقہ کا علم حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ میں حدیث کے علم کا فاتح بن گیا، ماشاء اللہ"۔ لیکن ایسا دعویٰ نہ درست ہے اور نہ ہی مناسب۔ علم کی کوئی حد نہیں، یہ لامحدود ہے۔ اس لیے آپ ایسا نہیں کہہ سکتے کہ میں نے اتنا پڑھ لیا ہے تو اب میری تعلیم مکمل ہے، اب مجھے مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن گریجویشن کے معاملے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے یہ کورس مکمل کر لیا ہے، یا میں نے اپنی گریجویشن مکمل کر لی ہے۔ اس لیے کہ کسی خاص ڈگری کے حصول کے لیے پڑھنا ایک محدود ہدف ہے۔

اسی طرح ہماری جنگ کے معاملے میں بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر میں یہ چند مخصوص کام پورے کر لوں تو جنگ پوری طرح ختم ہو جائے گی۔ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ جنگ جاری رہنی چاہیے۔ اگر آج کا دشمن شکست کھا گیا تو کل دوسرا دشمن آئے گا۔ جیتنا یا ہارنا یہاں اصل نہیں نہ ہی ایسے کوئی مخصوص اصول ہیں کہ جن کی پیروی کرتے ہوئے ہمیں جنگ میں کامل فتح مل جائے گی۔ یہاں اصول ہر لمحہ بدلتے رہتے ہیں۔

دیکھیں، جو لوگ بیچلرز ڈگری حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ کچھ اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن ہماری اس جنگ میں امریکہ کوئی اصول نہیں مانتا۔ اور آپ اسے ہزار کہہ لیں وہ کبھی نہیں مانے گا۔ ہم اس معاملے کو اس لیے اٹھاتے ہیں تاکہ امریکہ کے دوغلے پن کو عام لوگوں کے سامنے واضح کیا جا سکے۔ لیکن ہم کبھی یہ توقع نہیں رکھتے کہ امریکہ کسی اصول پر عمل کرے گا۔ کیونکہ یہ ایک لامحدود جنگ ہے، اور لامحدود جنگوں میں کوئی مخصوص اصول نہیں ہوتے۔ ہر فریق اپنے مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی مخصوص حکمت عملی اور اصولوں کے مطابق جنگ کرے گا۔

ایسی کوئی خاص منزل نہیں جس تک پہنچنے پر آپ کو حتمی فاتح قرار دے دیا جائے گا، اور جس سے آگے کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر ہم اگلے پانچ سال روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کریں گے تو ان شاء اللہ امریکہ کو شکست ہو جائے گی یا اس امت کے ایک کروڑ نوجوان اگر اٹھارہ گھنٹے کام کریں گے تو امریکہ ختم ہو جائے گا۔ ہم اس طرح گھنٹوں کے اعتبار سے نہیں سوچتے۔ لیکن ہماری سوچ کا بہاؤ یا جوہر اسی محدود سوچ سے ملتا جلتا ہے جس پر ہم پہلے بحث کر آئے ہیں۔

ہم نے اب تک جو بات چیت کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱. لامحدود جنگ میں جیتنا یا ہارنا بنیادی نکتہ نہیں۔ کلیدی نکتہ جنگ جاری رکھنا ہے۔

۲. لامحدود تنازعات کو کسی خاص اصول وضوابط کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔

۳. لامحدود تنازعات میں دشمن کبھی بھی پوری طرح ختم نہیں ہوتا۔ جب ایک مخالف کو شکست ہو جاتی ہے تو دوسرا ابھر آتا ہے۔

۴. لامحدود تنازع میں، آپ کو ایک ہی وقت میں متعدد دشمنوں کے ساتھ متعدد محاذوں پر لڑنا پڑتا ہے۔ لیکن ایک محدود تنازع میں، مخالف فریق مخصوص اور واضح ہوتا ہے۔

لامحدود ذہنیت کا میدان صرف عسکری جنگ تک محدود نہیں۔ بلکہ لامحدود تنازعات کے اور بھی بہت سے اہم شعبے ہیں۔ نظریاتی جنگ، علمی جنگ، تہذیبوں کا تصادم، معیشت، سیاست، تجارت، یہ سب لامحدود تنازع کے اہم شعبے ہیں۔

اگر ہم ان تنازعات میں مرتے دم تک ثابت قدم، درست راہ پر اور توحید پر عمل پیرا رہنا چاہتے ہیں، اگر ہم امت کو قیادت کے منصب تک پہنچانا چاہتے ہیں، تو پھر ہمیں اس لامحدود تنازع کے تمام اہم محاذوں پر لامحدود ذہنیت کی تمام اثاثی خصوصیات کو اپناتے ہوئے یہ لامحدود جنگ جاری رکھنی ہوگی۔ ہمیں خود کو محدود ذہنیت کے جال میں پھنسنے سے پوری احتیاط کے ساتھ بچانا ہوگا اور خود کو مستقل اور مسلسل بہتری کے عمل سے گزارنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والله تعالىٰ اعلم

☆☆☆☆☆

بقیہ: اللہ الصمد

سو سو سال سے قائم جماعتوں کے لیے امارت اسلامیہ افغانستان کی جدوجہد میں بہت سے اسباق ہیں۔ آج اگر خطۂ صومال آزادی کے دروازے تک آ پہنچا ہے تو یہ جہاد فی سبیل اللہ ہی کی برکت ہے۔

جب کام اللہ کے لیے کرنا ہے تو ضد کیسی اور تعصب کیسا؟ جس میں اس کی رضا ہو، بندے کو وہی منہج اپنانا چاہیے اور پیکرِ تسلیم و رضا بن کر دنیا و آخرت میں کامیابی سمیٹنی چاہیے اور اگر اپنی عقل یا رائے کو مقدم جانے گا تو پھر یہ بھی خوب خوب جان لے کہ وہ اللہ بے نیاز ہے!

☆☆☆☆☆

خلافت کن صفات کے حامل لوگوں کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے؟

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ

زیر نظر تحریر ستمبر ۲۰۱۰ء میں مجلہ حطّین کے شمارہ ۶ میں شائع ہو چکی ہے۔ اس تحریر کے آغاز میں مجلہ حطّین کے مدیر قاری عبد الہادی (استاد احمد فاروق) نے ایک ادارتی نوٹ بھی شامل کیا تھا، جسے یہاں تحریر میں بطورِ مقدمہ شامل کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ذیل میں شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک آڈیو بیان بعنوان 'الخلافة کیف ومتی؟' کے ایک اہم حصے کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس بیان میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہدین کو مخاطب کرتے ہوئے یہ حقیقت یاد دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اقامت اور خلافت کے قیام کی عالی خدمت انہی لوگوں سے لیتے ہیں جو اپنے اندر مومنانہ اوصاف اور اسلامی سیرت و کردار زندہ کریں۔ نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ یہ حقیقت بھی واضح کرتے ہیں کہ مجاہدین کی دینی تربیت پر توجہ دینا نہ صرف جہاد بلکہ پوری امت کے مستقبل کے لیے کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ مجاہدین کے ذمہ داران اور امت کے علماء و مربی حضرات کو مجاہدین کی دینی اور اخلاقی تربیت پر اپنی خاص توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اللہ کی رضا اور اس کی تائید و نصرت حاصل ہو سکے اور وہ نسل وجود میں آ سکے جس میں آنے والے مراحل کا بوجھ سنبھالنے کی اہلیت موجود ہو۔

(استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ)

اس سے قبل کہ مجاہدینِ اسلام اس زمین پر اللہ کے احکامات نافذ کریں، لازم ہے کہ پہلے یہ اپنی زندگیوں میں ان احکامات کو زندہ کریں۔ اس سے قبل کہ دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھاری امانت انہیں دنیا میں قائم کرنے کے لیے تھمائی جائے، لازم ہے کہ یہ ان اموالِ مسلمین کے معاملے میں امانت داری کا ثبوت دیں، جب کہ یہ اپنے گھروں سے نکلے ہی ساری امت کی عزتوں کا دفاع کرنے ہیں۔ پس اگر ان مجاہدین کی تربیت اس درست نہج پر نہ ہو سکی تو اس امت کے ہاتھ بربادی کے سوا کچھ نہ آئے گا جس پر ان بنیادی ایمانی اوصاف سے محروم لوگ حکومت کریں گے!

میرے مجاہد بھائیو! اگر آپ واقعتاً یہ چاہتے ہیں کہ آپ دنیا بھر میں اللہ کے دین کو غالب کریں، تمام انسانیت تک اللہ کا دین پہنچائیں اور انسانیت اس دین میں داخل ہو، تو لازم ہے کہ سب سے پہلے آپ خود اپنے دلوں میں اس دین کو غالب کریں… یہ دین، اللہ کا دین ہے۔ اسی نے ہر حاسد کے حسد اور ہر شریر کے شر سے اسے محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے۔ اسی نے اعلان کیا ہے کہ یہ دین ہر دوسرے دین پر غالب آکر رہے گا۔ ولو کرہ الکافرون! اسی کے بھیجے ہوئے نبی (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی بشارت ہے کہ یہ دین شرق و غرب کے ہر کچے پکے گھر میں داخل ہو کر رہے گا خواہ اعدائے اسلام اس کے آگے کتنے ہی بند کیوں نہ باندھیں۔

اسی ربِ کریم نے بتایا کہ:

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۝ (سورة العنکبوت: ۶)

"اور جس نے جہاد کیا تو اس نے اپنے (بھلے ہی) کے لیے جہاد کیا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔"

پس اللہ اور اللہ کے دین کو ہماری ادنیٰ سی بھی حاجت نہیں۔ ہم سب فنا ہو جائیں، یہ بڑی بڑی جہادی تنظیمات، مجموعے اور ترتیبات ختم ہو جائیں، نمایاں ترین قائدین اور سپہ سالار شہید یا گرفتار ہو جائیں، اللہ کی ذاتِ عالی کو، اس کی شان و شوکت اور قوت و جبروت کو تنکا برابر بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ چاہے تو ہواؤں اور فضاؤں کو حکم دے، سمندروں اور بادلوں کو، زمین اور پہاڑوں کو، سورج، چاند، ستاروں کو اشارہ کرے، اور آن کی آن میں کفر و اہلِ کفر کی جھوٹی شان و شوکت پیوندِ خاک ہو جائے۔ اس ربِ قہار و جبار کا دین ہمارا محتاج نہیں! ہاں ہم یقیناً اس بات کے محتاج ہیں کہ اللہ ہم سے اپنے دین کا کام لے، ہمیں اپنے دین پر استقامت بخشے اور اپنی راہ میں جہاد و قتال کی توفیق دے۔ محتاج تو دراصل ہم ہیں اور وہ غنی و حمید:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝ (سورة فاطر: ۱۵)

"اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا بذاتِ خود مستحق۔"

ہم جہاد کرتے ہیں تو اپنے نفع کے لیے، اپنی آخرت کے لیے، حصولِ جنت اور دیدارِ الٰہی کے لیے۔ اسی لیے ہمیں اصل فکر بھی اسی بات کی ہونی چاہیے کہ ہم اللہ کے یہاں قبول و مقبول ہو جائیں اور اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کر لیں جو اس کی رضا دلانے کا باعث ہوں۔ ہمیں ہر وقت یہ غم لاحق رہنا چاہیے کہ کہیں ہم رب کی "سنت استبدال" کی لپیٹ میں نہ آ جائیں اور ہماری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آیا جائے، "جن سے اللہ محبت کرے اور جو اللہ سے محبت کریں، مومنوں کے حق میں نرم ہوں اور کافروں پر نہایت شدید، اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں"۔

پہلے آپ اپنے ارد گرد موجود مسلمان بھائیوں کو محبت و شفقت کی نگاہ سے دیکھیں، ان کے ساتھ عفو درگزر کا معاملہ کریں اور خوب سمجھ لیں کہ ان میں سے ہر ایک کی جان، مال اور عزت آپ پر حرام ہے اور یہ سب آپ کے حسنِ معاملہ اور نیکی و بھلائی کے مستحق ہیں۔ اسلحے کے حامل لوگوں کا اس بنیادی دینی تربیت سے عاری ہونا سب سے پہلے خود ان کے اپنے لیے خسارے کا باعث ہے۔ پھر ایسے لوگوں کا قوت و اقتدار پالینا پوری امت کے لیے تباہی کی وعید ہے کیونکہ دینی تربیت سے عاری لوگوں کا قوت و اقتدار پالینا لا محالہ ناحق خون بہنے، اموال چھننے اور عزتیں لٹنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ تمام تر قربانیوں کے بعد بھی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ ایک پرانے ''قیصر'' کی جگہ ایک نیا ''قیصر'' آجاتا ہے۔ ہاں اس نئے قیصر کی حکومت بظاہر دینی نعروں اور اسلامی دعووں میں ملفوف ہوتی ہے۔

اگر آج آپ کے ساتھ موجود آپ کا مجاہد بھائی جو اس سفر میں آپ کے ساتھ پوری طرح شریک ہے، آپ بھی جان ہتھیلی پر لے کر نکلے ہیں اور وہ بھی، آپ کو بھی تعاقب شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ، گرفتاری، تعذیب، ہجرت اور شہادت کا سامنا ہے اور اسے بھی، آپ کا اور اس کا مقصد بھی ایک ہے اور انجام بھی ایک، اگر یہ مجاہد بھائی بھی اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ آپ اس کی عزت نہیں اچھالیں گے، اس کی غیبت کر کے اس کا گوشت نہیں کھائیں گے، ناحق ذرائع سے اس کا مال نہیں ہتھیائیں گے، اس کی جان نہیں لیں گے، اگر اس کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ ہے تو کل آپ ان یہود و نصاریٰ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے جن پر آپ کو مکمل غلبہ حاصل ہو گا؟ ان عامۃ المسلمین کے ساتھ، ان دینی اعمال میں کمزور مسلمانوں کے ساتھ آپ کیسا سلوک کریں گے جب اقامتِ دینِ حق کے سفر میں شریک مجاہد بھائی بھی آپ کے شر سے محفوظ نہیں؟ اگر ایک مجاہد بھائی کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ ہو کہ بظاہر تو آپ اس کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے ملیں، اسے چوم کر گلے لگائیں، اور گرمجوشی سے بغل گیر ہوں، لیکن اسے آپ سے جدا ہوئے چند لمحے بھی نہ گزریں اور آپ اس کا گوشت کھانے لگیں، اس کی عزت اچھالنے لگیں، تو بتائیے کہ بھلا یہ کونسی شریعت ہے جسے آپ اس دنیا میں نافذ کرنا چاہتے ہیں؟ یہ کونسا دین ہے جس کی طرف آپ دوسروں کو دعوت دیتے ہیں؟

اگر آج جبکہ آپ کی تعداد بھی نسبتاً تھوڑی ہے، آپ باہم محبت، الفت، اور وحدت سے نہیں رہ سکتے، ایک مسلمان کا بنیادی حق، یعنی اس کے پیٹھ پیچھے اس کی حفاظت و نصرت کا حق، نہیں ادا کر سکتے تو کل جب آپ کی تعداد بھی بڑھ جائے گی اور پوری امت سے واسطہ درپیش ہو گا تو آپ کیا حرکتیں کریں گے؟ ہمارا دین تو ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ان کے سامنے نصیحت و خیر خواہی کا تعلق رکھیں اور ان کے پیٹھ پیچھے ان کی حمایت و نصرت کریں۔ لیکن آج ہمارے اندر وہ مذموم اوصاف پیدا ہو گئے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کہا:

> ''میں نے ایک ایسا زمانہ پایا تھا جب ہم سب کے سب ظاہر میں بھی ایک دوسرے کے بھائی تھے اور باطن میں بھی ایک دوسرے کے بھائی۔ لیکن پھر ہم پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا جب ہم نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے جو ظاہر میں تو بھائی بھائی تھے لیکن باطن میں ایک دوسرے کے سخت دشمن۔''

اس کی عملی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ ایک شخص بظاہر مجالس میں تو ماشاء اللہ ایک نیک، پرہیزگار، مومن، مجاہد نظر آئے، لیکن اس کے مسلمان بھائی کو اس سے جدا ہوئے ابھی چند لمحے بھی نہ گزریں تو وہ اس پر تہمت، بہتان اور الزامات کی بوچھاڑ کر کے اس کی کمر توڑ ڈالے، یہ ہے ظاہر میں بھائی اور باطن میں دشمن!

پس یہیں سے دینی تربیت کی اہمیت واضح ہوتی ہے! بلاشبہ (مجاہدین کی) دینی تربیت خلافتِ اسلامیہ کے قیام کی طرف اٹھنے والے اہم ترین اقدامات میں سے ہے۔ اس دینی تربیت کے ذریعے وہ ''مضبوط بنیاد'' تیار ہوتی ہے جس پر کل کو پورا اسلامی معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور جس پر ایک شرعی خلافت کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ ''مضبوط بنیاد'' سبقت لے جانے والے اور نصرتِ دین اور ادائے فریضۂ جہاد میں پہل کرنے والے مہاجرین و انصار کا وہ طبقہ ہے جو اگر درست شرعی تربیت حاصل کر لے تو ان کی تعداد تھوڑی ہونے کے باوجود ان کے اعمال نہایت عظیم الشان اور وزنی ہوتے ہیں! ہمیں آج اگلے مراحل کے لیے یہی مضبوط بنیاد تیار کرنی ہے! ہمیں ایسے اوصاف والے لوگ درکار ہیں جنہیں دشمن کے خلاف جنگ کے لیے پکارا جائے تو وہ سب بجلی کی سی سرعت کے ساتھ آ پہنچیں اور غنیمت اکٹھی کرنے کا مرحلہ آئے تو ان میں سے کم ہی کوئی موجود پایا جائے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ایسے لوگ بہت ڈھونڈنے ہی سے ملتے ہیں، جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

> تجدون الناس كإبل مئة لا يجد الرجل فيها راحلة.[1]

> ''تم انسانوں کو ان سو (۱۰۰) اونٹوں کی طرح پاؤ گے جن میں سے سواری کا بوجھ اٹھانے کے قابل کوئی ایک اونٹ بھی نہیں ملتا۔''

پورے سو اونٹوں میں کوئی ایک بھی سواری کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ملتا! آج بھی ہمیں کسی جمِ غفیر کی تلاش نہیں، ہمیں تو ان چنیدہ لوگوں ہی کی تلاش ہے جو لاکھوں میں ایک ہیں،

[1] مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضى الله عنهم، باب قوله صلى الله عليه وسلم: تجدون الناس كإبل مئة......

لیکن اپنے کندھوں پر امت کے غموں کا بوجھ اٹھانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ جن کے قلوب اس دین کی فکر میں گھلتے ہیں، جو مسلمانوں کی حالتِ زار سے بے چین ہو کر اپنے بستروں میں کروٹیں بدلتے ہیں، جو یہ سوچ کر ہی تڑپ اٹھتے ہیں کہ آج دنیا کے کتنے مختلف خطوں میں مسلمان بہنوں کی عصمتیں پامال کی جا رہی ہیں، جو ان سب امور پر سوچنے اور ان غموں کا مداوا کرنے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے میدانِ عمل کا رخ کرتے ہیں۔ مجھے یہ حدیث کبھی پوری طرح سمجھ نہیں آئی تھی کہ ''تم انسانوں کو سو (۱۰۰) اونٹوں کی طرح پاؤ گے جن میں سواری کا بوجھ اٹھانے کے قابل ایک اونٹ بھی نہیں ملتا''، یہاں تک کہ میں فلسطین اور افغانستان کے جہاد میں شریک ہوا اور اس حدیث کی عملی تشریح اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ واقعتاً سینکڑوں انسانوں میں سے محض چند رجالِ کار اور مٹھی بھر مردِ میدان ہی بر آمد ہوتے ہیں۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنی تمنا بیان کرے۔ تو ان میں سے ایک نے یہ تمنا کی کہ انہیں اتنا سونا مل جائے جس سے پورا گھر بھر جائے اور وہ اللہ کے رستے میں خرچ کریں۔ جبکہ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ تمنا کی کہ انہیں اتنے غلام مل جائیں جن سے پورا گھر بھر جائے اور وہ انہیں اللہ کی راہ میں آزاد کریں۔ یوں ان میں سے ہر ایک نے اپنی تمنا بیان کی۔ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ اپنی تمنا بھی بیان فرمائیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أتمنى أن يكون لي مل ء هذا البيت مثل أبي عبيدة.[2]

''میری تمنا ہے کہ مجھے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے اتنے رجالِ کار مل جائیں جن سے یہ پورا گھر بھر جائے۔''

اسی سے تربیت یافتہ رجالِ کار کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ بلاشبہ تربیت کے مرحلے سے گزر کر تیار ہونے والی مضبوط بنیاد ہی آئندہ مراحل میں پورے دین کی اقامت اور پوری امت کے احیاء کا بوجھ اٹھاتی ہے۔ زمنِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مضبوط بنیاد مدینہ میں موجود سابقون الاولون انصار و مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اسی مضبوط بنیاد سے اسلام آگے پھیلنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا جزیرۃ العرب مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ پھر جب عراق، فارس اور روم کی فتوحات کے مراحل آئے، جب کبھی دعوتی وفود یا جنگی لشکر بھیجے گئے تو بنیاد کا کام دینے والے اسی مبارک طبقے سے قائدین و رہنما چنے گئے۔ قاضی بھی انہی میں سے نکلے، مفتی، سپہ سالار اور قائدین بھی انہی سے! یہ تربیت یافتہ حضرات ہی اس امت کا مرکز و محور اور اسلامی معاشرے کی روح ثابت ہوئے۔ یہی لوگ امت کی قوت کو دوچند کرنے، اس کے افراد میں بجلیاں بھرنے، دین کی سرحدات کو محفوظ کرنے اور محاذوں کو آباد رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔ یہی اپنی سرفروشی سے باقی سب کے جذبے جوان کرتے ہیں، ان میں سے کتنے ہی اپنے پاکیزہ لہو سے اسلام کی عمارت کو سیراب کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں اور جو پیچھے رہ جاتے ہیں وہ اس امت کو دین پر قائم رکھنے اور جہاد و قتال پر استقامت بخشنے کا باعث بنتے ہیں۔ پھر یہی وہ خوش بخت ہیں جن کو اللہ رب العزت زمین میں غلبہ و تمکین بخشتے ہیں اور انہیں اپنے دین کے نفاذ کی بھاری امانت تھماتے ہیں، کیونکہ یہ ثابت کر چکے ہوتے ہیں کہ یہ اپنی ذاتی و اجتماعی زندگیوں میں احکاماتِ الٰہی کے پابند اور شریعت کے امین ہیں، لہٰذا اللہ رب العزت زمین پر اپنے دین کے نفاذ کی مبارک امانت بھی انہی کے کندھوں پر ڈالتے ہیں، انہی کو اس عظیم خدمت کے لیے چنتے ہیں!

☆☆☆☆☆

بقیہ: اخباری کالموں کا جائزہ

غزہ! تمہارا خون ایک آئینہ ہے جس کا دنیا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کرتی۔

لیکن میں نظریں نہیں چراؤں گا۔

میری بے بسی کے لیے مجھے معاف کر دو!

ہر گھونٹ پانی پر......

کھانے کے ہر نوالے پر......

ہر اس سانس پر جو میں لے رہا ہوں جب کہ تمہارا دم گھٹ رہا ہے۔

اگر ان لوگوں نے، جن سے میں غزہ میں برسوں پہلے ملا تھا، کبھی یہ سمجھا کہ میں انہیں بھلا چکا ہوں تو مجھے معاف کر دو!

مجھے معاف کر دو اگر میں ہر مدد مانگنے والے کی مدد نہیں کر پایا!

میرے آرام پر مجھے معاف کر دو......

میرے امن پر مجھے معاف کر دو......

میں تم سے معافی کا خواستگار نہیں......

بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم جان لو:

تمہیں بھلایا نہیں گیا!''

☆☆☆☆☆

[2] بغية الطالب في تاريخ الحلب، لابن العديم

قسط ۳

مدرسہ ومبازہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالهادی مجاهد

زیرِ نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسه او مبارزه' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ در حقیقت باقی عالمِ اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَم اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء و طلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن الله التوفيق! (ادارہ)

فصلِ اوّل: عالمِ اسلام میں اغیار کی تعلیم اور اس کے نتائج

قوموں اور نظاموں کی تعمیر و تخریب میں تعلیم، افکار اور ثقافت کا کردار

تعلیمی نصاب ہر قوم کے دینی، اخلاقی، سماجی اور وجدانی تعمیر کے لیے ایک سانچہ ہوتا ہے۔ سانچہ جیسا بنایا گیا ہو اور اس میں جو نقش و نگار کندہ کیے گئے ہوں، وہی اُس قوم کی دینی، اخلاقی، سماجی، ادبی اور وجدانی ساخت میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

اگر تعلیمی نصاب کے مفاہیم اور اقدار اپنے (مقامی) ہوں، تو اُس نصاب کے طلبہ اور اس کی بنیاد پر پروان چڑھنے والی نسل بھی اپنی قوم کے اقدار اور اُس کے سماجی نظام سے وفادار ہوگی اور اگر تعلیمی نصاب کے مفاہیم اور اقدار غیروں کے ہوں، تو اس نصاب کو پڑھنے والے طلبہ بھی غیروں کے وفادار اور اُن کی اتباع کرنے والے ہوں گے۔

ہر قوم کی بقا، آزادی اور عزت مندی کے اسباب اور عوامل اُس قوم کی ثقافت اور معنوی اقدار میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور جو قوم اپنی ثقافت اور معنوی اقدار سے ہاتھ دھو بیٹھے، وہ اپنا وجود بھی کھو بیٹھتی ہے، نہ وہ دیگر اقوام سے مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ ہی اُن میں ضم ہونے سے خود کو بچا سکتی ہے۔

تعلیمی نصابوں کا مواد عمومی طور پر دو قسم کے مفاہیم پر مشتمل ہوتا ہے:

۱. قواعد یا فارمولے
۲. دینی اور سماجی مفاہیم

قواعد یا فارمولے، چاہے وہ لسانی (گرائمر یا ادبی) قواعد ہوں یا سائنسی و تجرباتی علوم کے فارمولے، تمام انسانوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔ یہ قواعد اور علوم کسی قوم کے دین، عقیدے، اخلاق، ذوق، وجدان، سماجی ساخت یا قومی اقدار سے متعلق نہیں ہوتے، لہٰذا ان میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

اگر کوئی قوم دوسرے سے (علمی) قواعد یا فارمولے حاصل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ قومیں ایک دوسرے سے یہ علوم حاصل کریں تاکہ ان کو سیکھ کر تمام اقوام مادی اور لسانی ارتقاء کی راہ پر گامزن ہوں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں، تو وہ انسانی مشترکہ علوم اور تجربات سے اپنا حصہ نہ لے سکیں گے، اور شعوری طور پر خود کو ترقی کے قافلے سے پیچھے رکھ کر دوسروں کے محتاج بنا دیں گے۔

لیکن دینی اور سماجی مفاہیم وہ چیزیں ہیں جو مختلف قوموں کی سماجی شناخت اور ان کے دینی و فکری تشخص کا تعین کرتے ہیں اور معاشرے و افراد کے معنوی اقدار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ایسے مفاہیم ہر قوم اور ملت کے دیگر اقوام سے جداگانہ ہوتے ہیں، اور یہی فرق حکمِ الٰہی کے مطابق بھی ہے اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے بھی عین مطابق بھی ہے۔

دوسری جانب دینی و سماجی مفاہیم اور معنوی اقدار ایسی چیزیں ہیں جن کی حفاظت قومیں اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں، انہیں اپنے تعلیمی نصاب میں پڑھاتی ہیں، اور آگاہی و ذہن سازی کے سماجی نظاموں اور ذرائع کے ذریعے اپنی نسلوں کو منتقل کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ ان اقدار کی مادی و معنوی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے بھی تیار رہتی ہیں۔

جہاں ایک طرف تعلیم، فکر اور ثقافت قوموں کی مادی و معنوی بقا اور تسلسل کی ضمانت کے عوامل ہوتے ہیں، وہیں دوسری طرف یہی تعلیم، فکر اور ثقافت جب غیروں کے قبضے میں چلے

جائیں تو قوموں کی مادی و معنوی تباہی کے اسباب بھی فراہم کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی فاتح قوم کسی قوم و ملک پر قابض ہوتی ہے، تو سب سے پہلے اُس کے تعلیمی نصاب میں مداخلت کرتی ہے، اور اُسے اس انداز میں ڈھالتی ہے کہ اُن کے اپنے مقاصد کی تکمیل یقینی ہو جائے۔

اسلامی دنیا میں حالیہ فکری و تعلیمی یلغار کا پس منظر

گزشتہ ڈیڑھ صدی سے، جب عالم اسلام کے مختلف ممالک کے تعلیمی نصاب اور ذہن سازی کے لیے ثقافتی و ابلاغی ذرائع اہلِ مغرب اور روسیوں کے زیرِ اثر اور کنٹرول میں چلے گئے، تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی ذہن سازی کا عمل اور سماجی ثقافت کی تشکیل کے ادارے اور ذرائع ایسے سیاسی اور ثقافتی ذمہ داران کے ہاتھوں میں چلے گئے جو سیکولر مغرب اور کمیونسٹ سوویت یونین کے نظریات سے متاثر تھے۔

ان سیاسی، تعلیمی اور ثقافتی ذمہ داران نے عالمِ اسلام میں کفری نظریات کے پھیلاؤ کی راہ ہموار کی، جس کے نتیجے میں شریعتِ ربانی کی بالادستی ختم ہو گئی، عالم اسلام پر غیروں کے منظورِ نظر افراد مسلط ہو گئے اور ایسے مغرب نواز سیاسی نظام قائم ہوئے جنھوں نے اپنے تمام وسائل شریعت محمدی کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لیے استعمال کیے۔

عالمِ اسلام پر مسلط مغرب نواز اور کمیونسٹ نظاموں نے نہ صرف سیاست، ثقافت، اور تعلیمی نظام و نصاب کے ذریعے پورے عالمِ اسلام میں شریعت کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں بلکہ مسلم اقوام پر سوویت یونین کے ''کمیونزم''، مغرب کے ''فاشسٹ لبرل ازم''، امریکہ کے ''پریگماٹزم'' اور ''صلیبیت'' اور موجودہ یورپ کی سیاسی منافقت یعنی ''میکیاولیزم'' جیسے تمام ظالمانہ نظاموں کے تجربات کیے۔

ان نظاموں نے اسلامی دنیا کی خود مختاری ختم کر دی اور مسلمان اقوام کو سیاسی، عسکری، اقتصادی، ثقافتی اور سماجی لحاظ سے روسیوں، یورپیوں اور امریکیوں کی کاسہ لیسی پر مجبور کر دیا۔

قوموں پر تعلیم کے ذریعے قبضہ جمانے کی سب سے واضح مثال ہندوستان میں برطانوی استعمار کے تعلیمی نصاب کے بانی ''لارڈ میکالے'' کی حکمت عملی تھی، جس نے کہا تھا:

> ''ہمیں ہندوستان میں ایک ایسی نسل تیار کرنی چاہیے، جن کا رنگ اور خون تو ہندوستانی ہو، لیکن ان کی فکر، ذوق اور اخلاق برطانوی ہو، تاکہ وہ برصغیر کی اس وسیع آبادی کو زیر کرنے میں ہماری خدمت انجام دے سکے۔''

لارڈ میکالے کی تعلیمی حکمتِ عملی صرف ہندوستان تک محدود نہ تھی، بلکہ وسیع پیمانے پر تمام نو آبادیاتی اسلامی ممالک میں نافذ کی گئی، جس کے خطرناک نتائج برآمد ہوئے اور اس کے تباہ کن اثرات نے فکر، ثقافت، سیاست اور عسکریت کے میدانوں میں پوری اسلامی دنیا کو مغرب کا تابع بنا دیا۔ بہت سے مسلمان فکری اور عملی لحاظ سے حقیقی اسلام سے ہٹ گئے اور مغربی طرزِ فکر و عمل کو اپنا لیا۔

عرب دنیا کو زیر کرنے کے لیے بھی برطانوی استعمار نے تعلیم کو بطور آلہ استعمال کیا۔ جب ۱۸۸۲ء میں مصر برطانیہ کے ہاتھوں سقوط کا شکار ہوا، تو اُس وقت برطانوی حکومت نے مصر میں تعینات اپنے گورنر لارڈ کرومر سے کہا کہ برطانوی تسلط کو مضبوط بنانے کے لیے جس چیز کی بھی ضرورت ہو، وہ مرکزی حکومت سے مانگ لے۔

لارڈ کرومر نے برطانیہ سے فوجی وسائل یا افواج طلب کرنے کے بجائے ''تعلیمی ماہرین'' مانگے۔ برطانوی حکومت نے اس درخواست کے جواب میں لارڈ کرومر کے پاس ڈوگلس ڈنلوپ کو بھیجا، جو مسیحی الٰہیات (Christian Theology) کی شاہی فیکلٹی سے فارغ التحصیل ایک عیسائی عالم تھا۔

ڈوگلس ڈنلوپ نے مصر کے لیے ایک ایسا تعلیمی نظام اور نصاب تیار کیا جس نے نہ صرف الازہر کے تعلیمی اور روحانی اثرات کو ختم کیا، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مصر میں ایک ایسی نسل پروان چڑھائی، جس نے ملک کے مستقبل کو اسلام سے بیگانہ کر دیا اور انگریزوں کے رنگ میں رنگ دیا۔ جب مصر کا تعلیمی نصاب سیکولر ہو گیا، تو اس کے بعد تقریباً پوری عرب دنیا کے تعلیمی نصاب بھی سیکولر بنا دیے گئے، اور اُن کے حکمران بھی مغرب کے راستے پر چل پڑے، جو کہ آج تک اسی راہ پر گامزن ہیں۔

اسی حکمتِ عملی کے تحت انیسویں اور بیسویں صدی میں نو آبادیاتی قوتوں جیسے برطانیہ، فرانس، روس، پرتگال، سپین اور اٹلی نے عالمِ اسلام کے اپنے نو آبادیاتی علاقوں میں ایسی نسلیں تیار کیں، جو ظاہری طور پر استعمار کے خاتمے کے بعد بھی سالہا سال تک اپنے ممالک میں نو آبادیاتی پالیسیوں کے نفاذ اور تسلسل کی ضمانت بن گئیں۔

اور یہی وہ نسل تھی جو استعمار کے تیار کردہ نصاب کے ذریعے پروان چڑھی، اور اسلامی شریعت و اسلامی اقدار کو ختم کرنے میں نو آبادیاتی قوتوں سے بھی زیادہ سرگرم اور سخت گیر ثابت ہوئی۔

اس نو آبادیاتی تعلیمی حکمتِ عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جتنا زیادہ اسلامی ممالک میں اسکول، یونیورسٹیاں اور دیگر تعلیمی ادارے بنتے گئے، اُتنا ہی لوگ اسلام سے دور ہوتے چلے گئے، اور معاشرے فکری گمراہی اور اخلاقی انحطاط کی طرف بڑھنے لگے۔ ان اسلامی ممالک کے حکمران، جو انہی نو آبادیاتی نصابوں کی پیداوار تھے، غلامی کو آزادی پر ترجیح دینے لگے، اور ان کی نظر میں وہ تمام لوگ جو آزادی اور حریت کے خواہاں اور اس کے لیے کوشش کرتے ہیں، وہ

رجعت پسند، بنیاد پرست، اور تہذیب کے دشمن ہیں، جن کی سزا جیل، جلاوطنی یا قتل کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

بیسویں صدی کے آغاز سے جب سے امریکہ نے عالمِ اسلام اور عمومی طور پر مشرق پر غلبے کی کوششیں شروع کیں، تب سے ہی اس نے مسلمانوں پر سیکولر (لادینی) تعلیم کو مسلط کرنے کی خطرناک کوششیں بھی شروع کر دیں، اور اس میدان میں وہ یورپی نوآبادیاتی ممالک سے بھی آگے نکل چکا ہے۔

امریکیوں نے عالمِ اسلام کے تقریباً تمام تعلیم و تربیت کے اداروں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنے نصاب، ضوابط، قوانین اور تعلیمی ماحول کو سیکولر (لادین) بنیادوں پر قائم کریں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہی دین ہے جو لوگوں کو مغرب کے ملحد نظریات اور نوآبادیاتی استعمار کی سامراجی خواہشات کے خلاف کھڑا کرتا ہے اور انہیں مزاحمت کی طاقت بخشتا ہے۔

امریکہ نے جب افغانستان پر فوجی یلغار کی تو یہاں بھی یہی طریقہ اپنایا، اور اپنے قبضے کے دوران تین مرتبہ افغانستان کا تعلیمی نصاب تبدیل کیا۔ ہر بار تبدیلی میں تدریجی طور پر وہ مضامین نکال دیے گئے جو طلبہ کو حقیقی اسلام، جہاد، مزاحمت، آزادی، اور کفار سے نفرت کے مفاہیم سکھاتے تھے۔ ان مفاہیم کی جگہ امریکہ نے منظم انداز میں ایسے نظریات شامل کیے جو نسلِ نو کو جہاد اور مزاحمت کی روح سے محروم کر دیں، اور لاشعوری طور پر انہیں ہر چیز میں مغرب سے جُڑنے اور متاثر ہونے کی ترغیب دیں۔

تعلیم کو سیکولر بنانے کے طریقے

مغرب نے ابتدا میں مندرجہ ذیل دو راستوں سے اسلامی ممالک میں تعلیم کو لادین (سیکولر) بنانے کی کوششیں شروع کیں:

۱. مغربی ممالک نے ایک منظم حکمت عملی کے تحت اُن مسلمان نوجوانوں کو، جو اعلیٰ تعلیم کے لیے مغرب گئے تھے، صرف سائنسی علوم ہی نہیں بلکہ مغربی ثقافت اور مادی فلسفے میں بھی تربیت دی۔ ان ممالک نے مختلف ذرائع اور اسکالر شپس کے ذریعے ذہین اور باصلاحیت نوجوانوں کو چُنا، انہیں مغرب میں مدعو کیا، اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہیں اپنے نوآبادیاتی ممالک میں اختیارات سونپے۔

ان نوجوانوں نے واپس آکر انہی مغربی نظریات کو، جن پر وہ وہاں تربیت پا چکے تھے اور جنہیں وہ اپنا چکے تھے، اسلامی ممالک میں نصاب، قوانین، اور نظام کے ذریعے نافذ کیا، اور اپنے ملکوں کے تعلیمی نصاب انہی مغربی افکار پر قائم کر دیے۔

افغانستان میں اس قسم کے افراد کی ایک واضح مثال خود کابل انتظامیہ کے سربراہ اشرف غنی کی ہے، جو بیروت کی امریکی یونیورسٹی میں امریکی منصوبہ سازوں کے ہاتھوں تربیت یافتہ تھا، اور کئی مراحل سے گزرنے کے بعد انہی امریکیوں کے ذریعے افغانستان کا صدر مقرر کیا گیا، تاکہ یہاں امریکی اہداف اور ایجنڈوں کی تکمیل کے لیے وسیع میدان ہموار کرے اور ان مقاصد کے لیے پوری تندہی سے کام کرے۔

۲. استعماری ممالک نے اپنے نوآبادیاتی علاقوں میں ایسے اسکول، یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے قائم کیے جن کا نصاب، اساتذہ، قواعد و ضوابط اور تمام تر نظام براہِ راست نوآبادیاتی حکمرانوں کے کنٹرول میں تھا۔ ان اداروں میں زیرِ تعلیم طلبہ اکثر ان ملکوں کے بااثر خاندانوں اور حکومتی اہلکاروں کی اولاد ہوتے تھے، جو وراثتی طور پر نظام و حکومت میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔

ان دونوں طریقوں کے نتیجے میں ایسے تعلیمی ذمہ داران، اساتذہ، مفکرین اور فوجی اہلکار پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام دشمنی اور مادی زندگی کے فلسفے کو منظم طریقے سے مغربی اقوام سے سیکھا ہوا تھا، اور اس نظریے کے لیے کام کرنا، اس کی نشرواشاعت اور اسے فروغ دینا ترقی اور روشن خیالی کے عنوان سے اپنا مشن اور باعثِ فخر سمجھتے تھے۔

عالمِ اسلام میں مغرب نواز قوتوں کا تسلط اس بات کی ضمانت فراہم کرتا ہے کہ اسلامی ممالک کی تمام سیاسی، اقتصادی، فوجی، تعلیمی، فکری اور ثقافتی سرگرمیاں مغرب کی مرضی کے مطابق ترتیب دی جائیں گی۔ اسلامی ممالک میں وہ تمام عوامل جو ان شعبوں میں مغرب کے اہداف کی تکمیل میں رکاوٹ بنتے ہیں، انہیں ختم کر دیا جائے گا۔ یہی صورتحال عالمِ اسلام کے مختلف ممالک میں بار بار دیکھی گئی۔

مغربی تعلیمی مشیروں نے تعلیمی نظام کو کیسے دین کے خلاف استعمال کیا؟

تمام اسلامی ممالک میں استعماری مغربی ممالک نے اپنے تعلیمی ماہرین اور مشیروں کو مختلف دباؤ یا تعلیمی امداد فراہم کرنے کے بدلے یا دیگر طریقوں سے تعلیمی نصابوں سے وہ تمام مفاہیم نکالنے کے لیے کام پر لگایا، جو استعمار کے اہداف کی تکمیل میں رکاوٹ بنتے تھے۔

پہلے مرحلے میں ان نکالے گئے مضامین میں سب سے پہلے اسلامی تاریخ کو نکالا گیا، اور اس کے بعد قرآن کریم کی آیات، احادیث نبویہ اور وہ تمام نظریاتی مواد کو یا تو مکمل طور پر نصاب سے نکال دیا گیا، یا اس انداز میں مسخ یا جزوی طور پر پیش کیا گیا کہ وہ اسلام کے بارے میں کسی بھی فائدے کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ ثابت ہوں۔

ایک طرف تو نصابِ تعلیم سے اسلامی مفاہیم نکالے گئے، تو دوسری طرف عالمِ اسلام کے نصابوں میں مغربی دنیا کی سیاسی، اقتصادی، فکری اور اخلاقی اقدار کو وسیع پیمانے پر جگہ دی گئی، اور کوشش کی گئی کہ تعلیم یافتہ افراد کے سامنے مغرب کو ایک ”مثالی“ معاشرے کے طور پر پیش کیا جائے، جس کے نتیجے میں مشرق اور اسلام سے ایک منفی تصور قائم ہوا، جبکہ مغربی اقدار سے مرعوب اور اسے اپنانے پر فخر کرنے والی نسل کو پروان چڑھایا گیا۔

سرکاری تعلیمی نصابوں میں دین کی عدم قبولیت کو معیار بنانے کی سازش

ہر تعلیمی ادارے میں پڑھنے والے طلبہ اپنے ماحول سے اثر لیتے ہیں اور جو کچھ اپنے ادارے میں ماحول پاتے ہیں، اسی معیار کے مطابق خود کو ڈھالتے ہیں۔

مغرب نے عالمِ اسلام کے تمام ممالک کے تعلیمی نصابوں میں اسلام کے اثرات کو ختم کرنے یا کم سے کم کرنے کے لیے اقوام متحدہ کے ادارے کو استعمال کیا، اور ۱۹۷۷ء میں یونیسکو (اقوام متحدہ تعلیمی، علمی و ثقافتی تنظیم) کے دائرہ کار میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کی سربراہی اقوام متحدہ میں برطانیہ کا سابق سفیر لارڈ کیراڈن کر رہا تھا۔ اس ادارے کے ۳۵ ارکان تھے جن میں سے ۱۰ اسلامی ممالک کے ''سیکولر'' حکومتی نمائندے تھے، اور باقی ۲۵ ارکان اسرائیل اور مغربی ممالک کے تھے۔

اس ادارے نے اس موضوع پر کام کیا کہ کیسے تعلیمی نصابوں میں مختلف مذاہب کے مشترک نکات پر توجہ مرکوز کی جائے اور نصابوں میں ایسے مواد اور مفاہیم کی روک تھام کی جائے جو ''دین'' کو اخلاقی معیار کے طور پر پیش کرتے ہوں۔

اس ادارے نے تمام اسلامی ممالک کی نصاب کمیٹیوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنے نصاب کو اس طرح ترتیب دیں کہ اسلام کا اثر کم سے کم ہو یا مکمل طور پر ختم ہو جائے، اور اس کی جگہ دیگر نظریات جیسے ''نسلی شناخت''، ''وطنیت''، ''لسانیت''، ''رسم و رواج کی اہمیت'' وغیرہ کو تعلیمی نصاب میں قومی نظریات کی طور پر شامل کیا جائے۔

اس ادارے کی سرگرمیوں کی ایک مثال مصر میں یہ تھی کہ نصاب کی تبدیلی سے پہلے مصر کے تاریخ کے مضمون میں ''فرعونی تاریخ'' کا حصہ صرف ۷۵ صفحات تھا، لیکن تبدیلی کے بعد یہ ۳۱۷ صفحات تک پہنچ گیا۔ اسی طرح تبدیلی سے پہلے نصاب میں تاریخِ اسلام کا حصہ ۲۰۷ صفحات تھا، لیکن تبدیلی کے بعد یہ حصہ صرف ۳۵ صفحات تک محدود ہو گیا۔

یہی فارمولا تقریباً تمام اسلامی ممالک میں لاگو کیا گیا، کیونکہ اگر اس حکم کی تعمیل نہ کی جاتی تو مذکورہ ممالک کو ''یونیسکو'' کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا۔

عالمِ اسلام میں مغربی طرز کے تعلیمی ادارے: امریکہ کی سٹریٹیجک جنگ کے خفیہ لشکر

مغربی ممالک نے عالمِ اسلام پر مغرب نواز حکومتوں کے ذریعے اپنے اثر و رسوخ اور عالمی تعلیمی و ثقافتی اداروں میں اپنی برتری کو استعمال کرتے ہوئے عالمِ اسلام میں مغربی تسلط کے لیے سب سے خطرناک ہتھیار تیار کیا، جو کہ عالمِ اسلام کے تعلیمی نظام اور نصاب میں تبدیلی کی صورت میں تھا۔ اور جب تک یہ آلہ مغرب کی مرضی کے مطابق چلتا رہے گا، اس کے نتائج بھی ویسے ہی آئیں گے جیسے مغرب چاہتا ہے۔

امریکہ کا ایک اہم پالیسی ساز شخص رابرٹ سیٹلوف، جو امریکی ''نیو کنزرویٹیوز'' (عیسائی انتہا پسندوں) کے گروپ کا رکن اور واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ فار نیئر ایسٹ پالیسی کا سابقہ ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہے، جو اسلامی ممالک کے بارے میں امریکی حکومت کو مشورے دیتا ہے اور پالیسی سازی میں رہنمائی فراہم کرتا ہے، عالمِ اسلام میں مغربی طرز تعلیم کی افادیت کے بارے میں لکھتا ہے کہ عرب ممالک میں امریکی تعلیمی ادارے صرف اعلیٰ سطح کے تعلیمی ادارے نہیں ہیں، بلکہ یہ امریکہ کی سٹریٹیجک جنگ کے خفیہ لشکر ہیں جو عرب اور اسلامی معاشروں کو امریکی بنانے کے لیے کام کرتے ہیں۔

رابرٹ سیٹ لوف کا یہ امریکی خفیہ لشکر واقعی میں بغیر کسی جنگ کے پورے عالمِ اسلام کو امریکہ کے لیے فتح کر چکا تھا۔ کیونکہ یہ تعلیمی نظام مسلمانوں کی نئی نسلوں سے مغرب کا ایسا تعلق بناتا تھا جو ہر چیز میں آنکھیں بند کر کے مغرب کے راستے پر چل رہے تھے۔ اور انہی مغربی مشیروں کی نگرانی میں جو اسلامی ممالک کے ثانوی و اعلیٰ تعلیمی اداروں اور دیگر تعلیمی و تربیتی اداروں کے لیے نصاب تیار اور لاگو کیے گئے، ان سے مسلمانوں کی نئی نسلوں سے حقیقی اسلام چھپایا گیا، اور اس کی جگہ وہ کچھ پیش کیا گیا جو یا تو اسلام نہیں تھا، یا ایک تحریف شدہ، مسخ شدہ اور مغرب کا پسندیدہ اسلام تھا جس کے پیروکار حقیقی اسلام اور سچے مسلمانوں کی نسبت مغربیوں کے زیادہ وفادار تھے۔

مغرب مسلمانوں کے تعلیمی نصاب کو تبدیل کرنے میں روسیوں کی طرح جلد بازی نہیں کرتا، بلکہ اس انگریزی مقولے کے مطابق ''slow but sure'' (کام آہستہ آہستہ کرو لیکن اس انداز میں کہ اس کا اثر یقینی ہو)، آہستہ آہستہ اور بتدریج مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے نصاب کو تبدیل کرتا ہے۔

مغربی نوآبادیاتی ممالک نے یونیسکو اور دیگر اداروں کے ذریعے اسلامی ممالک کے نصاب اور تعلیمی نظام میں چند بنیادی تبدیلیاں کیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱. مسلم ممالک میں مغربی زبانوں اور ادب کا فروغ اور پھر ان زبانوں کو تعلیم اور سیاست کی زبانیں بنانا۔ مغرب نے اس ذریعے سے اپنے تمام سیاسی، سماجی، اخلاقی اور فلسفیانہ مفاہیم اور نظریات مسلمانوں کی نئی نسل کے سامنے رکھے، اور نئی نسل کو اسلام، اسلامی تاریخ، اسلامی تہذیب، اسلامی اخلاقیات اور اسلامی سماجی قدروں سے دور کر دیا، جس کے نتیجے میں مغربی ثقافت اور معلومات ان کے لیے اصل بن گئیں، اور اسلامی معلومات ان کے لیے ایسی چیز بن گئیں جسے وہ عملی زندگی اور ترقی میں اہمیت نہیں دیتے۔

۲. انگریزی زبان کے پھیلاؤ اور مذکورہ مقصد کے حصول کے لیے افغانستان پر قبضے کے دوران صرف کابل شہر میں انگریزی زبان سیکھنے کے ۱۱۰۰ مراکز فعال تھے، جہاں ہر

کورس میں ہزاروں شاگردوں کو مغربی ثقافت اور انگریزی زبان سکھائی جاتی تھی۔ اسی تناسب سے صوبوں میں بھی ان زبانوں کے تدریسی مراکز فعال تھے۔[1]

۳. نصاب میں دینی اور اسلامی سماجی موضوعات کی مقدار کم کی گئی، اور ان کے بجائے رسوم، فن، مغربی طرزِ کی شہری اور سماجی تعلیمات اور مغرب کی تاریخ اور ترقی کو شامل کیا گیا۔

۴. زبانوں اور ادب کی کتابوں کو دینی مواد اور مفاہیم سے خالی کر دیا گیا، اور دینی مفاہیم کو بے معیار، بے روح اور حقیقت سے بعید شکل میں صرف ''دینیات'' کی کتابوں تک محدود کر دیا گیا۔

۵. نصاب سے اسلامی فتوحات، اسلامی تمدن کے دنیا پر احسانات اور اسلامی شخصیات کے بارے میں معلومات ہٹا دی گئیں، اور ان کی جگہ یورپ اور امریکہ کی تاریخ، مغربی افواج کی فتوحات، مغربی مشہور شخصیات، فلسفیوں، شاعروں، موجدوں، سیاسی رہنماؤں، فوجی افسران اور عالمِ اسلام میں سیکولر اور مغرب نواز افراد کو مسلمانوں کی نئی نسلوں کے لیے ''ماڈل'' اور قابلِ تقلید شخصیات کے طور پر متعارف کرایا گیا۔

مغرب کی ان تمام تعلیمی کوششوں نے اسلام کو ایک نامکمل، تحریف شدہ اور ایک ناکام دین کی شکل میں نئی نسل کے سامنے پیش کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نئی نسل میں اسلام کے بارے میں بے رغبتی اور مغربی فلسفے کے نظریات کو قبول کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ اور یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر کوئی طالب علم کسی چیز میں بے رغبت ہو، تو وہ اس کی حفاظت کے لیے قربانی کیوں دے گا؟ یا پھر وہ ان مغربی یا روسی فلسفوں اور نظریات کی پیروی کیوں نہیں کرے گا جن کے ذریعے اس کی تربیت کی گئی ہو اور اسی پر پروان چڑھایا گیا ہو؟

عالمِ اسلام کے تعلیمی ادارے: مغربی ثقافت، نظریات اور طرزِ حیات کی نمائش گاہیں

آج کل عالمِ اسلام میں استعماری طاقتوں کے تربیت یافتہ افراد کے ہاتھوں قائم کیے گئے تعلیمی اداروں نے مکمل طور پر مغربی ممالک کے کلچر اور طرزِ زندگی کی نمائش گاہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس لیے کہ تعلیمی اداروں کے ماحول کو مجموعی طور پر اسلام اور اسلام پسندی سے محروم رکھا گیا ہے، ان تمام تعلیمی اداروں اور ان کے ہاسٹلز میں مذہبی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے یا تو مساجد بنانے پر کوئی توجہ نہیں دی گئی، یا پھر انہیں اس طرح محدود اور غیر اہم رکھا گیا ہے کہ ان کا تعلیمی ماحول اور طلباء کے رویے پر کوئی واضح اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تعلیمی ذمہ داران تعلیمی ماحول میں مساجد، دینی اجتماعات اور طلباء کی دینی پختگی سے خوفزدہ ہیں۔

افغانستان کی تمام سرکاری یونیورسٹیوں اور مدارس میں ایک بھی بنیادی مسجد نہیں بنائی گئی، لیکن اس کے مقابلے میں ہر یونیورسٹی اور کالج میں سینما، تھیٹر اور کھیل کے میدانوں کی سہولتیں فراہم کی گئیں، اور ان میں طلباء اور نوجوانوں کے لیے مغربی ثقافت کی بے حیا فلمیں اور ڈرامے دکھائے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ علم، موجدین اور محققین کے بجائے ہمارے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں سے بڑے پیمانے پر کمیونسٹ، مغرب پرست اور دوسرے قوم پرست اور بائیں بازو کے نظریات رکھنے والے افراد فارغ التحصیل ہوئے، جنہوں نے ملک میں اغیار کے افکار و نظریات متعارف کروائے، اور پھر اپنے اقتدار کے دوران جبر و ظلم کے ذریعے ان خیالات کو لوگوں پر مسلط کیا۔ نتیجتاً افغانوں کی زندگی انقلابات، بغاوتوں اور بے چینی کی طوفانی لہر میں گم ہو گئی، اور اس کے باعث لاکھوں افغان مسلمانوں کی ہلاکت کے اسباب و عوامل پیدا ہوئے۔

افغانستان اور عالمِ اسلام کے تعلیمی اداروں میں، جہاں اساتذہ، طلباء اور تعلیمی ذمہ داران ظاہری طور پر مغربی طرزِ زندگی، فیشن اور انداز سے متاثر دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح وہ ان کے خیالات، عقائد، سیاسی نظریات اور رویوں سے بھی متاثر ہیں، اور ان لوگوں کا یہ اثر اسلامی ممالک میں دین اور عوام کے بارے میں ان کے فیصلوں اور اقدامات میں بھی نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے یہ اغیار والی سوچ پچھلی ایک صدی سے عالمِ اسلام کو ہر چیز میں مغربی استعمار کا تابع بناتی آ رہی ہے۔

عالمِ اسلام میں تعلیمی ماحول کو مزید خراب کرنے کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے مخلوط نظامِ تعلیم کا سلسلہ رائج کیا گیا، جس نے مسلمان معاشروں کو خطرناک نتائج سے دوچار کیا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم دراصل مغرب کے شیطانی جالوں میں سب سے خطرناک جال تھا، جس نے لاکھوں لڑکیوں اور نوجوانوں کو آسانی سے شکار کر لیا۔ یہ عمل نہ صرف اسلامی اقدار کے خلاف تھا بلکہ تعلیم اور تربیت کے خلاف بھی ایک پوشیدہ جنگ تھی، کیونکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنی عمر کے اس عرصے میں مخالف جنس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں، اور ان کی توجہ اس طرف بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس عمر میں یہ فطری کیفیت ہے جس پر انسان کو ملامت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے شریعت نے اس خواہش کو کنٹرول کرنے کے لیے اصول و ضوابط وضع کیے ہیں، جن میں اختلاط سے اجتناب، حجاب کی پابندی، اور دونوں جنسوں کے درمیان رابطے کے مواقع کو کم کرنا شامل ہیں۔

لیکن دوسری طرف میڈیا، اغیار کا تیار کردہ نصاب، گمراہ کن ناولز، کہانیاں اور جنسی خواہش کو تحریک دینے والی ادبیات اور احتیاطی قوانین کی کمی نے ان رجحانات کو مزید تقویت دی، جس

[1] (بی بی سی ریڈیو کی ویب سائٹ کی اس رپورٹ کے مطابق جو ۲۳ اپریل ۲۰۱۷ء کو انگریزی زبان کے عالمی دن کے حوالے سے شائع ہوئی تھی۔)

کے نتیجے میں نوجوان علم سے دور ہو کر عشق بازی اور ناجائز جنسی تعلقات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مغربی طرز کے تعلیمی نظام اور نصاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اربابِ اقتدار

جب مغرب نے مغربیت (Westernization) کے ذریعے پورے عالمِ اسلام پر اپنا فکری اور ثقافتی غلبہ قائم کیا، تو افغانستان بھی تعلیمی لحاظ سے اس مغربیت (Westernization) اور اختلاط (mixing) کے فتنوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہاں کا تعلیمی نظام، نصاب، ثقافت اور تعلیمی مقاصد بھی مغربی رنگ میں رنگ گئے، اور آہستہ آہستہ نئی نسل کے فکری اور تاریخی تعلقات کو ان کے اپنے معنوی اور سماجی اقدار سے کاٹ دیا گیا۔ انہیں یہ باور کروایا گیا کہ اگر افغان ترقی کی راہ پر گامزن ہونا چاہتے ہیں، تو انہیں سوچ، ثقافت، سیاست اور سماجی زندگی میں مغرب کی پیروی کرنی ہوگی، ورنہ مثبت تبدیلی کی کوئی اور راہ موجود نہیں۔

حالانکہ حقیقت میں ترقی اچھی طرزِ حکمرانی، علم اور صنعت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، اغیار کے افکار و ثقافت کو اپنانے اور ان کی اندھی تقلید سے نہیں۔

افغانستان میں پہلی بار اس غیر ملکی فکر اور مغربی طرز کے تعلیمی نظام کا نظریہ محمود طرزئی نے متعارف کرایا، جو "سیکولر کمال ازم" (Secular Kemalism) اور یورپی نظریات سے متاثر تھا۔ اس نے اپنے داماد، امان اللہ خان کے اقتدار، فکری دباؤ اور آمرانہ حکومت کے ذریعے ان مغربی نظریات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ اسی وجہ سے مغربی مصنفین اُسے افغانستان میں "سیکولر ازم کا باپ" بھی کہتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ محمود طرزئی اور امان اللہ خان ملک میں مادی ترقی چاہتے تھے، لیکن مادی ترقی قوم کے دین و اقدار سے ہم آہنگ ہونی چاہیے، بد قسمتی سے ان دونوں میں نہ تو یہ شعور تھا اور نہ ہی وہ دینی اقدار کے حوالے سے سنجیدہ تھے، اس لیے ان کے مغرب نواز انتہا پسندانہ اقدامات نے مستقبل میں طویل بے ثباتی اور عوام و حکومت کے درمیان ٹکراؤ کی راہ ہموار کر دی۔ ان دونوں نے جن اقدامات کو "اصلاحات" کا نام دیا، وہ عملاً "فسادات" کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

افغانستان میں اغیار کے افکار سے متاثر اور تربیت پانے والے حکمرانوں اور اسلام مخالف نظامِ حکومت نے ایسے حالات اور قوانین وضع کیے، جن کی وجہ سے عوام اور نظام کے درمیان مسلسل جنگ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ صورت حال یوں تھی کہ عوام اپنے معنوی اور سماجی تشخص کے تحفظ پر اصرار کر رہے تھے، لیکن سیکولر حکمران مغرب کے راستے پر عوام کو چلانے کے لیے زبردستی اپنے درآمد شدہ قوانین نافذ کر رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں عوام اور حکومت کے درمیان مسلسل ٹکراؤ جنم لیتا رہا، جو آج تک جاری ہے۔

مذکورہ صورت حال ایک بار امان اللہ خان کے دورِ حکومت میں پیش آئی، جو ترکی کے مصطفیٰ کمال کی "دین دشمنی" کا عملی نمونہ تھا۔ مغرب سے درآمد شدہ نظریات اور فلسفیانہ مفاہیم کا نتیجہ ان "فسادات" کی صورت میں نکلا، جنہیں وہ "اصلاحات" کہتا تھا۔ اس کے بعد اس سے بھی بدتر نتائج ظاہر شاہ اور داوود خان کے ادوار میں سامنے آئے، جب کیمونسٹ اور مغرب نواز جماعتیں، اور پھر انہی جماعتوں کے ذریعے کیمونسٹ اور سیکولر حکومتیں برسرِ اقتدار آئیں۔

افغانوں نے ہر بار ان اغیار کے تربیت یافتہ سیکولر افراد کے جرائم کی قیمت لاکھوں شہداء کی قربانی دے کر ادا کی ہے، مگر ابھی تک معاشرہ لادین نظریات کے جرائم اور منفی اثرات سے پاک نہیں ہوا۔ بلکہ ہر نئے مرحلے میں ان حکمرانوں نے، جو بیگانہ افکار اور ثقافت میں تربیت پائے ہوئے تھے، ملک اور قوم کو ایسے نئے فتنوں اور سیاسی و سماجی بحرانوں سے دوچار کیا ہے کہ ماضی کے بحران عوام بھول جاتے ہیں۔

اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ان کے حکمران دینِ اسلام کی حقیقی روح اور تعلیمات کے مطابق تربیت یافتہ نہیں، بلکہ وہ بیگانہ فکر اور ثقافت میں پروان چڑھے ہیں اور انہی کے اقدار کے قائل و معتقد ہیں۔

عوام کی ذہن سازی میں مغربی طرزِ تعلیم کا کردار

افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک میں مغربی افکار پر مبنی تعلیم نے نہ صرف لادینی نظاموں کو جنم دیا، بلکہ لاکھوں ایسے افراد بھی تیار کیے جو بظاہر تو مسلمان کہلاتے ہیں، لیکن ان کی زندگی کے تقریباً تمام پہلو دینی ہدایات سے ہٹ کر، سیکولر ازم، کمیونزم، لبرل ازم اور وضعی (یعنی انسانوں کے بنائے ہوئے) قوانین کے مطابق ڈھلے ہوئے ہیں۔

ایسے افراد ہمیشہ خود کو امتِ مسلمہ کا حصہ سمجھتے ہیں، مگر ان کے اعمال اور کوششیں ہمیشہ کفار کے مفادات کے لیے وقف رہی ہیں۔ انہوں نے عملاً اپنی وفاداری اسلام کے بجائے مغرب اور مغربی نظریات کے ساتھ جوڑی ہے، اور انہی کے صفوں میں شامل رہے ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں مغربی طرز کے تعلیم یافتہ حکمرانوں اور تعلیمی ذمہ داروں نے تعلیمی نصاب کے مضامین اور موضوعات اس انداز سے منتخب کیے ہیں کہ طالب علم ان نظاموں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھیں، اور اسلامی نظام کے قیام کا نہ ان کے دل میں کوئی احساس باقی رہے، نہ ہی اس کی طاقت یا جذبہ ان میں موجود ہو۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

اللہ الصمد!

انجینئر زین علی

اللہ کی معرفت کی راہ میں اللہ کی صفات کو پہچاننا لازم ہے۔ بے شک اللہ کی تمام صفات اس کی شان رفیع کے لائق اعلیٰ اور برتر ہیں۔ انہی صفات جلیلہ میں سے ایک عظیم صفت اللہ کا بے نیاز ہونا بھی ہے۔ یعنی وہ تو غنی ہے وہ بے پرواہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ اخلاص میں توحید کے اظہار کے ساتھ اس صفت کو متصل بیان فرمایا:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌۚ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُۚ۝ (سورۃ الاخلاص: ۱،۲)

”آپ فرما دیجیے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔“

پس تحقیق کہ اللہ نے واضح کر دیا کہ ہر لحاظ سے وہ اکیلا ہی ہے اور اس کی مرضی پر کسی کی مرضی غالب نہیں، اس کی چاہت برتر ہے، وہ جو چاہے کرے، جیسا چاہے حکم فرما دے، جس کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ فرمائے۔

یہ بات تو ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جسے رب کی رضا چاہیے اسے رب کی مرضی اور منشاء ہی کے مطابق خود کو ڈھالنا ہو گا۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ افعال تو میری مرضی کے مطابق ہوں، نیکیوں کی ترتیب تو من چاہی ہو، لیکن رب کی رضا اور اعلیٰ درجات حاصل ہوں تو وہ خوب جان لے کہ اللہ بے نیاز ہے۔ جس کام کو اس نے نفل رکھا ہے اسے نفل کے درجے میں سمجھنا ہو گا۔ کوئی لاکھ چاہے مستحب عمل مستحب ہی رہے گا، فرض کے درجے پر سبقت نہیں پا سکتا۔ جس وقت اور جن حالات میں اللہ کے جو احکام ہیں انہی کی بجا آوری لازم ہے۔ احکام خداوندی کے سامنے من مرضی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا۝ؕ (سورۃ الاحزاب: ۳۶)

”اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔“

کسی کو کوئی اختیار نہیں ان امور میں اپنی رائے پر عمل کا جس میں اللہ اور اس کے رسول نے حکم فرما دیا۔ صرف مباح کا وہ دائرہ ہے جہاں گنجائش رکھی گئی ہے۔ لیکن جو رب کی رضا کا حقیقی متلاشی ہے وہ تو مباح امور میں بھی مزاج رسول اور شریعت کے مزاج کو دیکھ کر تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر رہنا چاہتا ہے۔ یہی ایک مومن کی شان ہے کہ نفس کی چاہت کو مباح امور میں بھی غالب نہ آنے دیا جائے بلکہ جہاں گنجائش رکھی گئی ہے وہاں بھی وہ عشق حقیقی کی راہ کا مسافر فقط اپنے رب کی رضا کا متلاشی رہے۔

ہم اس امر کے مکمل قائل ہیں کہ دین کا کوئی بھی کام ہو باعث خیر ہی خیر ہے۔ اجر و ثواب کے علاوہ خیر و برکت اور دنیاوی و اخروی بھلائی مقدر ہو گی ان شاء اللہ۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ دین کے سب کام ایک دوسرے کے مقابل نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

تاہم یہ سوال ذہن میں ضرور ابھرتا ہے کہ اگر خطۂ برصغیر کی مثال لیں تو بلا مبالغہ کروڑوں لوگ ہیں جو دعوتِ دین اور تبلیغِ دین سے وابستہ ہیں اور بلاشبہ ان سب کی جدوجہد ان کی اپنی زندگیوں میں اور معاشرے میں باعث خیر و بھلائی ہے۔ لیکن کیا یہ سوال موجود نہیں کہ اس قدر کثیر تعداد میں داعیانِ اسلام اور تحریکِ صوم و صلوٰۃ کے کارکنان کی شب و روز محنت، ان کا مجاہدۂ نفس، ان کے وقت اور مال کی قربانیاں، سب کچھ ہونے کے نتیجے میں ہونا تو یہ چاہیے کہ معاشرے میں فسق و فجور ختم ہو جاتا اور ہر شخص عابد و زاہد نظر آتا یا کم سے کم غالب اکثریت ایسی ہوتی۔ لیکن اس کے برعکس معاشرہ دن بدن جہالت، گمراہی، فحاشی و عریانی اور بد اعمالیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ مساجد میں نمازیوں کی تعداد کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے۔

چلیں یہ امت اعمال میں تو کمزور ہو سکتی ہے لیکن اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی محبت سے ہر خاص و عام سرشار ہے، الحمد للہ۔

یہی وجہ ہے کہ شمع ختم نبوت ﷺ کے پروانے ہر گلی نہیں بلکہ ہر مسلم گھر میں موجود ہیں۔ جن کے لیے ناموسِ رسالت اور ختم نبوت کا تحفظ ان کی جان و مال، والدین اور اولاد، سب سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ ایمان کا لازمی تقاضا بھی ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.[۱]

---

[۱] صحيح البخاري: ۱۵ (متفق عليه)

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

یہ بات عام مشاہدہ ہے کہ مسلمان کچھ بھی برداشت کر سکتا ہے لیکن پیغمبر علیہ السلام کی شان میں گستاخی تو کجا ادنی سی بے ادبی بھی برداشت نہیں کر سکتا اور ہمہ وقت اس کی خاطر کٹ مرنے کو تیار رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ختم نبوت و ناموس رسالت کے لیے چلنے والی تحریکات شاہد ہیں کہ ہزاروں جانوں کی قربانی غیور مسلمانوں نے بخوشی دی۔

جب اس سلسلے میں الحمد للہ آج کے دور میں بھی ایسی حساسیت موجود ہے، اتنی تعداد میں مستقل جماعتیں موجود ہیں، ان ممالک میں جہاں کفر کی مکمل عمل داری ہے وہاں قوانین تک منظور کروالیے گیے ہیں، پھر بھی مقصود اصلی حاصل کیوں نہیں ہو پا رہا؟ یعنی گستاخی کا سلسلہ رک نہیں رہا ہے اور منکرین ختم نبوت کا رسوخ بھی روز بروز بڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے ارتداد کا بھی منظم سلسلہ جاری ہے۔ صرف پاکستان کے اداروں کی رپورٹ کے مطابق چار لاکھ اکاؤنٹ سوشل میڈیا پر گستاخانہ سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے ہیں۔ جبکہ کہیں تو عدالتیں گستاخوں کو سزا سنا بھی دیتی ہیں اور کہیں غازیانِ اسلام گستاخوں کو ان کے انجام سے دوچار کر کے جہنم روانہ کر دیتے ہیں۔ لیکن چہ جائیکہ گستاخی جس کا آج سے چالیس پچاس سال پہلے پوری دنیا میں اگر کوئی واقعہ ہوتا تو پوری امت کا غم و غصہ انتہا پر ہوتا تھا۔ آج یہ فعلِ قبیح نجس وجود کفار کے لیے اتنا آسان کیسے ہو گیا؟

حضراتِ صحابہ کرام کی محبت و عقیدت اہل ایمان کو گھٹی میں ملی ہے لیکن اتنی بڑی اور فعال جماعتوں کے ہوتے ہوئے حضرات صحابہ کرام کے متعلق شکوک و شبہات پھیلانے کا سلسلہ اور منظم گستاخی معمول بنتا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا ہی نہیں اب تو اس گمراہی کا سلسلہ وسیع ہو کر سر عام مباحثوں اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جبکہ صحابہ کے دیوانوں کی ایک ایک جماعت بھی ہزاروں شہداء پیش کر چکی ہے۔ کئی صاحب عزیمت علمائے کرام کی شہادتیں اس مشن پر قائم رہنے کی وجہ سے ہوئیں۔ اتنی قربانیوں کے بعد بھی منکرین صحابہ کی پیش قدمی چہ معنی دارد؟

الغرض آج جس بھی دینی شعبہ کو دیکھا جائے کم و بیش یہی صورت حال درپیش ہے۔

امت کے مخلصین جو اس سلسلے میں امت کی قیادت فرما رہے ہیں یا وہ جانباز جو اپنا مال اور وقت یہاں تک کہ جانیں بھی لٹا رہے ہیں یہ ضرور سوچیں کہ آخر کس چیز کی کمی ہے۔ کیا ایسا عمل کریں کہ جو ان عظیم مقاصد کے حصول میں معاون ہو۔

احقر کی بھی اس سلسلے میں ایک رائے ہے جس میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کے لیے اکابرینِ امت کی جانب توجہ رہتی ہے الحمد للہ

دست بستہ گزارش یہ ہے کہ آج دین کے ان شعبوں میں وہ نتائج اس لیے نہیں مل رہے کیونکہ کہیں نہ کہیں محنت کے رخ کا تعین کرنے میں کمی رہ گئی ہے۔ صرف چند لمحات کے لیے سوچیں اگر اسلامی نظام نافذ ہو تو کیا کوئی ختم نبوت کا منکر یا زندیق باقی رہ سکتا ہے؟ کیا ایک صحیح معنوں میں اسلامی ریاست میں ناموس صحابہ کے لیے عوام کو تحریکیں چلانے اور قربانیاں دینے کی ضرورت ہوتی ہے؟ کیا اسلامی ریاست میں تمام کاروبار اور بازار نماز کے اوقات میں بند نہیں کر دیئے جاتے اور ہر شخص جانب مسجد رواں دواں ہوتا ہے یا ریاستی اہلکار اس پر اللہ کی شریعت کے مطابق حکم نافذ نہیں کرتے؟ اسلامی ریاست میں بہن بیٹیوں کی زندگی کو عفت و پاکدامنی کا گہوارہ نہیں بنا دیا جاتا؟ اس کی تازہ مثال امارت اسلامیہ افغانستان کے حالیہ اقدامات ہیں۔ پوری دنیا کے کفار اور ان کے چیلے ہر طرح کا منفی اور جھوٹا پروپیگنڈہ بھی کر کے دیکھ چکے، پریشر بھی آزما کر دیکھ لیا، لیکن عالی قدر امیر المومنین کے احکام میں امت کی بیٹیوں کی پاکیزگی اور عفت کی حفاظت کے سلسلے میں کوئی سمجھوتہ نہ کروا سکے۔ گویا اسلامی ریاست بے حیائی اور فحاشی و عریانی سے بھی اسلامی معاشرے کی نگہبانی کرتی ہے۔

دیگر بھی جملہ مقاصد جن کے لیے کثیر افرادی و مالی وسائل خرچ کیے جا رہے ہیں اسلامی ریاست کے حصول سے باآسانی حاصل ہو سکتے ہیں۔

پھر سب سے بڑھ کر اس حقیقت کا انکار بھی علمی و عقلی طور پر ممکن نہیں کہ منشائے خداوندی بھی یہی ہے کہ اہل ایمان کلمہ پڑھنے کے بعد اہم ترین فریضۂ اقامت دین کی جدوجہد کو لازم پکڑیں۔

جب رب کا حکم بھی یہی ہے اور اس ذریعے سے دیگر تمام عظیم مقاصد کا حصول بھی ممکن ہے، جو تمام تر کوششوں اور قربانیوں کے باوجود حاصل نہیں ہو پا رہے، تو سلیم الفطرت اور خوش بخت مسلمان بھائیوں سے التماس اور التجا ہے ہمیں اپنی محنت کا رخ اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کی جانب موڑنے کی ضرورت ہے۔ ان شاء اللہ یہی محنت ایک دن بفضل خدا خلافت علیٰ منہاج النبوہ کے عظیم نصب العین تک امت کو لے جائے گی۔ ہم یکسوئی تو پیدا کریں اور علمائے کرام کی رہنمائی میں رب کی منشاء کو پہچاننے کی تو کوشش کریں۔ ورنہ جس طرح ہم الگ الگ محاذوں پر تقسیم قوت کے ساتھ محنت کر رہے ہیں، بلاشبہ اللہ سے اس سعی پر اجر کے امیدوار تو ضرور ہیں، لیکن ان عظیم مقاصد کے حصول کی خاطر ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے فریضے کی طرف لوٹنا ہو گا۔ اس مبارک راہ پر بھی شہادتیں تو ہوتی ہیں لیکن یہ وہ راستہ ہے جس پر قربانی کم اور ثمر زیادہ ملتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۴۴ پر)

فکر و منہج

ایک عظیم تبدیلی کا وقت قریب ہے!

مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی

آج میں پہلی بار اس کی وضاحت کر رہا ہوں، پہلی بار۔ مجھے بالکل نہیں یاد کہ میں نے کبھی اس پہلو پر روشنی ڈالی ہو۔ مغرب کے وقت سے میرے دل میں شدید تقاضا ہوا، اور میں نے استخارہ کیا، اللہ تعالیٰ سے بہت رجوع کر کے پوچھا کہ کیا میں آج یہ بات صاف صاف کہہ دوں؟ تو مجھے بہت شرحِ صدر ہوا کہ ضرور کہہ دو۔ ایک امانت کے طور پر آپ حضرات سے یہ بات پہلی بار کہہ رہا ہوں۔ اور میرے مخاطب وہ لوگ بھی ہیں جو سامنے ہیں اور وہ ہزاروں لوگ بھی ہیں جو مختلف ملکوں میں بیٹھ کر اس مجلس کو روزانہ سنتے ہیں۔ میں حجرِ اسود پر ہاتھ رکھ کر، خانۂ کعبہ کا کپڑا پکڑ کر یہ قسم کھانے کو تیار ہوں کہ دنیا میں بہت بڑی تبدیلی کا وقت قریب ہے، بہت بڑے انقلاب کا وقت قریب ہے۔ انسانی تاریخ میں کبھی بھی عدل و انصاف اور خیر کا اتنا غلبہ نہیں ہوا جتنا چند سال کے بعد ہونے والا ہے، میرے جملے کو یاد رکھیں۔ پوری انسانی تاریخ میں، پوری دنیا کی سطح پر، امن و انصاف اور خیر کا غلبہ کبھی نہیں ہوا جو اب چند سال کے بعد ہونے والا ہے۔

اور اس سے پہلے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو مسترد کر کے اللہ کافروں اور دجال کی فوج میں بھیجنے والے ہیں، یہ بھی سن لیجیے۔ زبردست چھٹائی ہونے والی ہے، اور اس چھٹائی کے بعد اس خیر کا غلبہ ہو گا جب خالص پکے مومن دنیا میں رہ جائیں گے، اور وہ ہو سکتا ہے چند فیصد ہوں۔ احادیث میں بھی اس کا ایک اشارہ ملتا ہے کہ وہ چند فیصد سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ اور میں آج یہ بات پہلی بار کھل کر اس لیے کہہ رہا ہوں، اس امید پر کہہ رہا ہوں، اللہ اس امید کی لاج رکھ لے، اور ان علما کی گواہی کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں جن کے علم اور تقویٰ پر الحمد للہ مجھ کو پورا اعتماد ہے، اور وہ فلسطین اور شام کے حالات بہت قریب سے دیکھ رہے ہیں، وہ ہماری طرح دور نہیں بیٹھے، اسی سرزمین پر رہ رہے ہیں۔ اور وہاں کے جو دن بہ دن نئے حالات آ رہے ہیں ان کو وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں سمجھ رہے ہیں، بی بی سی لندن اور سی این این کی روشنی میں نہیں سمجھ رہے۔ اور وہ بتا رہے ہیں، الحمد للہ اِس عاجز کا ان میں سے کئی سے رابطہ ہے، وہ بتا رہے ہیں کہ ہو کیا رہا ہے، اور آثار کیا ہیں، اور کن مرحلوں سے گزر کر ہم کس منزل تک پہنچنے والے ہیں۔

بہت سی احادیث میرے سامنے ہیں اس وقت لیکن میں ایک حدیث صرف پیش کرتا ہوں، بہت سی حدیثیں ہیں الحمد للہ۔ حضرت علی ابنِ طالب رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ، وہ فرماتے ہیں، ایسے خطرناک حالات آنے والے ہیں سَتَكُونُ فِتْنَةٌ يُحَصَّلُ النَّاسُ مِنْهَا كَمَا يُحَصَّلُ الذَّهَبُ فِي الْمَعْدِنِ، جس طرح سونے کو آگ میں رکھ کر تپایا جاتا ہے، سارا میل کچیل اور ملاوٹ، جو کچھ اس کے اندر ہے، اس کو گندگی کی طرح بہا دیا جاتا ہے، اس طرح انسانوں کو سخت آزمائشوں کی آگ میں تپایا جائے گا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے۔ ہمارے اندر جتنا میل کچیل ہے، ہم میں سے جتنوں کے اندر، وہ سب الگ کر دیا جائے گا۔ اللہ اکبر! یہ سن کر چیخیں نکلنی چاہییں اور ہم بہت آرام سے سن رہے ہیں، آرام سے۔ صحابہ چیختے تھے چلاتے تھے اس قسم کی احادیث سن کر، بہت واقعات ہیں، بیہوش ہو جاتے تھے۔ اور روایت کرنے والے صحابی کے پیچھے پیچھے گھر جاتے تھے، یہ بھی ایک روایت میں ہے۔ اس کا دامن پکڑ کر کہتے تھے کہ میں ان لوگوں میں تو نہیں ہوں گا نا؟ کچھ آپ بتا سکتے ہیں؟ جن کو پھینک دیا جائے گا؟ ہمیں تو سن کر کوئی ڈر بھی نہیں لگتا۔

’فَلَا تَسُبُّوا أَہْلَ الشَّامِ‘ جملہ سنو! سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شام والوں کو برا بھلا مت کہا کرو۔ آپ غور کیجیے ذرا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف کن لوگوں سے تھا؟ شام والوں سے! اور لوگوں نے کیا فسانے گھڑے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے بارے میں، کیا بکواس اور جھوٹ بکا ہے۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں؟ قطعاً شام والوں کو برا بھلا مت کہنا! اللہ اکبر! ’وَسُبُّوا ظَلَمَتَہُمْ‘، ان میں سے جب کوئی ظالم کھڑا ہو، اس پر تنقید کرنا، عام طور سے شام والوں کو برا بھلا مت کہنا۔ یہ ہماری کمزوری ہے، کسی ایک علاقے کے دو آدمیوں سے ہم کو شکایت ہوتی ہے، ہم فوراً کہنے لگتے ہیں اس علاقے کے سب لوگ ہی ایسے ہیں۔ امام احمد ابن حنبل کا جملہ ہے کہ تعمیمِ حکم حرام ہے، یعنی ایک آدمی کی کسی غلطی کی وجہ سے اس کے خاندان کو برا بھلا کہہ دینا، اس کے قبیلہ کو برا بھلا کہہ دینا، اس کے علاقے کو برا بھلا کہہ دینا یہ حرام ہے کبیرہ گناہ ہے!

’فَإِنَّ فِيہِمُ الْأَبْدَالَ‘ حضرت علی فرما رہے ہیں، شام کے رہنے والوں میں ابدال کے مقام تک پہنچے ہوئے اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ مجھے ایک بڑے عظیم عالم نے حدیث سنائی تھی تو اس وقت کیا کیا کہا تھا ’ابدال‘ کی تشریح میں۔ میں وہ جرات اپنے اندر نہیں پاتا کہ میں اس تشریح کو نقل کروں۔

’وَسَيُرْسِلُ اللهُ إِلَيْہِمْ سَيْبًا مِّنَ السَّمَاءِ فَيُغْرِقُہُمْ حَتّٰى لَوْ قَاتَلَتْہُمُ الثَّعَالِبُ غَلَبَتْہُمْ‘

’وَسَيُرْسِلُ اللّٰهُ إِلَيْہِمْ سَيْبًا مِّنَ السَّمَاءِ فَيُغْرِقُہُمْ‘ ایسے عجیب عجیب قسم کے فتنے، آزمائشیں، عذاب، فضائیں آئیں گی کہ اللہ کی پناہ۔ یہ بھی ہو گا!

☆☆☆☆☆

اکیسویں صدی میں

جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر!

(سورۃ العصر کی روشنی میں)

حضرت الامیر، مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ

جمہوریت میں عام ہو جانے والے منکرات

اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خاتمے اور انسانوں کے بنائے جاہلی نظام کے نفاذ کی صورت میں انسانی معاشرہ کس طرح روز بروز خسارے کی جانب بڑھ رہا ہے، خالق کی مخلوق میں خالق کا قانون نہ نافذ ہونے کی وجہ سے معاشرے میں برائیاں کتنی تیزی سے عام ہو رہی ہیں، اس کا اندازہ معاشرے کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں ان کی تفصیل یقیناً طوالت کا باعث بنے گی، چنانچہ یہاں صرف انہی اہم منکرات کو بیان کرتے ہیں جن سے خود کو بچانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ا۔ اللہ کی آیات و قوانین کو (پارلیمنٹ) کا محتاج بنانا

مشرقی جمہوری نظام میں منکر اور کفر کی یہ عجیب و غریب قسم ہے۔ یہ کفر اس جمہوریت میں نہیں جسے مغربی، لبرل یا سیکولر جمہوریت کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ تو کھلم کھلا کفر کرتے ہیں اور شریعت بنانے میں خود کو آزاد کہتے ہیں۔ انہوں نے مذہب کو ریاست کے اجتماعی معاملات سے سرے سے ہی فارغ کر دیا ہے۔ اور نہ ہی ہندوستان جیسے کفری ملک کو کفر کی یہ نئی قسم ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

کفر کی یہ عجیب و غریب قسم اس جمہوریت کا کارنامہ ہے جسے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ کی محکم آیات یعنی جو قوانین اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں بیان فرمائے، یا جنہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، انہیں 'اسلامی جمہوریت' میں اس وقت تک قانون نہیں مانا جا سکتا جب تک کہ پہلے اسے (پارلیمنٹ) میں بیٹھے افراد کے سامنے (العیاذ باللہ) منظوری کا محتاج نہ بنا دیا جائے، پھر پارلیمنٹ چاہے اسے قانون کے قابل سمجھے یا چاہے تو کہہ دے: ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ جسے ہم اپنا دین بنا سکیں یا اس قرآن میں کچھ تبدیلی کے ساتھ اسی کو منظور کر لو (العیاذ باللہ)۔

سو علمائے حق سے درخواست ہے کہ اس باطل کے دجل کو ہر حال میں بیان کریں، ہم سب کو اس رب کے سامنے جا کھڑا ہونا ہے جہاں کسی کا اقتدار، کسی کی طاقت، کسی کی دھمکیاں نہیں چلا کرتیں، اور یہ سرکاری پروٹوکول کام نہیں آیا کرتے۔

اسے کھل کر بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کے قوانین کو منظوری کے لیے پارلیمنٹ کا محتاج بنانا ایسا کفر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ یہی ہر جمہوری ریاست کا ریاستی دین ہے، یہی اس جمہوریت کی جان اور روح ہے۔

پھر بھی زعم و دعویٰ یہ کہ اس ریاست میں حاکمیتِ اعلیٰ تو اللہ ہی کی ہے، ﴿سبحان اللہ عما یشرکون﴾۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا خوب فرمایا، جیسے ابھی تر و تازہ ہو:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآىِٕنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآىِٕهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآىِٕهِمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ [الأنعام: ۱۳۶]

"اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے اللہ کا بس ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ چنانچہ بزعم خود یوں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے ان معبودوں کا ہے جنہیں ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ پھر جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو (کبھی) اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ ایسی بری بری باتیں ہیں جو انہوں نے طے کر رکھی ہیں۔"

جاہلیتِ جدیدہ کے بندے بھی اس جمہوری نظام میں یہی کہتے ہیں کہ حاکمیت کا حق تو اللہ کا ہے، لیکن عملاً کیا کرتے ہیں کہ اللہ کے حق کو بھی اپنے بتوں (پارلیمنٹ) کو دے دیتے ہیں کہ پارلیمنٹ اللہ کے جس حکم کے ساتھ چاہے جیسا بھی معاملہ کرے، خواہ یہ حکم رجم ہی کیوں نہ ہو جس کا منکر بالاجماع کافر ہے۔

اور جو کچھ اللہ کا حق ہے اس کا کوئی خیال ہی نہیں کرتے، یعنی جس چیز کو اللہ نے حرام کر دیا اسے حلال کرنے کا اختیار پارلیمنٹ کو دے دیتے ہیں، جیسے سود اور مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے امریکہ کا ساتھ دینا۔ اس بارے میں اتنا بھی نہیں سوچتے کہ سود والوں کے ساتھ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ جنگ ہو چکا ہے۔ اور مسلمانوں کے خلاف کافروں کا ساتھ دینا دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس اپنے بتوں کا پورا پورا حق محفوظ رکھتے ہیں جسے ہمیشہ اللہ کے حکم و حاکمیت پر بالادست رکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب تک پارلیمنٹ کسی قانون کو منظوری نہ دے دے تب

تک وہ قانون بننے کے لائق نہیں سمجھا جائے گا۔ سو وہ آئین کا حصہ نہیں بن سکتا۔ حالانکہ اپنے بتوں کو کھلا اختیار دیا ہے کہ وہ قانون بناتے وقت اللہ کے حق کا خیال ہی نہیں کرتے۔ بس آئین میں لکھا ہوا ہے کہ حاکمیت کا حق اللہ کا ہے۔ فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا۔

کتنا ہی برا ہے ان کا فیصلہ جو یہ مالک الملک اور عرش و کرسی کے مالک کے حق میں کر رہے ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ...... فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ﴾

[غافر: ۱۲،۱۴]

”یہ اس وجہ سے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کو پکارا جاتا ہے تو تم انکار کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جائے تو مان لیتے ہو، سو حکم تو اللہ ہی کے لیے ہے جو برتر و بالا ہے...... اس لیے تم اللہ ہی کو پکارو، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے، اگرچہ کافروں کو ناگوار لگے۔“

۲۔ اللہ کے ساتھ کفر: تشریع (شریعت بنانے) کا حق پارلیمنٹ کو دینا

جمہوری نظام کے ذریعے اللہ کے ساتھ کیا جانے والا یہ ایسا کفر ہے جس کے بغیر کوئی ریاست جمہوری نہیں کہلا سکتی۔ اس جمہوریت کے تحفظ کے لیے قومی ریاستوں کے اندر فوجیں موجود ہیں، جو ہر حال میں اس کے تحفظ کو یقینی بناتی ہیں۔ عالمی ادارے اس کی حفاظت کے ضامن ہیں۔

پاکستان میں مقتدر طبقے کی جانب سے مذہبی طبقے کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ پاکستان اسلامی ریاست ہے کیونکہ اس کا آئین اسلامی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے آئین میں لکھا ہوا کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت ہو گا۔

اگر فوج و خفیہ ایجنسیاں یا وہ حکمراں طبقہ جو اس اقتدار کے مزے لوٹ رہا ہے، یہ باتیں کر کے عامۃ المسلمین کو دھوکہ دیتا ہے تو بات سمجھ میں آنے والی ہے، لیکن یہ علماء کو کیا ہوا کہ جان بوجھ کر نصف صدی سے زائد اس فریب سے نکلنا نہیں چاہتے کہ پاکستان اسلامی ریاست ہے یا اس کا آئین صرف اس لیے اسلامی ہے کہ آئین کے اوراق میں ایک جملہ لکھا ہوا ہے۔

اللہ سب کے دلوں کے بھید کو اچھی طرح جانتا ہے۔ کون اللہ کے کلمات کو تبدیل کرتا ہے، کون تاویل کے ذریعہ مقتدر طبقے کے اقتدار کی حفاظت کرتا ہے، کون اس کے بدلے اپنی جان کی امان پاتا ہے اور کون اس کے بدلے اس حقیر دنیا کی گند میں کتنا منہ مار رہا ہے...... عالم الغیب سب کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔

حقیقت سب کے سامنے ہے کہ پاکستان کے جمہوری نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کے ہاتھ میں ہے یا اسی مقتدر طبقے کے ہاتھ میں؟ آج ستر سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس ملک میں اللہ کی چلی یا پارلیمنٹ کی؟

حقیقت یہ ہے کہ دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی حاکمیتِ اعلیٰ مقتدر طبقے کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ پاکستان کے آئین میں باوجودیکہ یہ جملہ لکھا ہوا ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو گا، یا قرآن و سنت ہی پاکستان کا سپریم لاء ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کی ہر روز پارلیمنٹ میں دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، باوجود آئین میں مذکورہ جملہ لکھا ہونے کے اصل قوت پارلیمنٹ کے پاس ہی ہے کہ وہ جب تک قرآن کے قانون کو منظوری نہ دے وہ قانون نہیں بن سکتا۔ پاکستان بننے سے لے کر اب تک کا وقت اس پر گواہ ہے۔ گواہی کے لیے کیا یہ عرصہ کم ہے کہ یہاں حاکمیتِ اعلیٰ کس کے پاس ہے؟ اس کے مقابلے میں آپ کوئی ایک واقعہ تو ایسا بتائیے کہ اس اسلامی جمہوریت میں اللہ کے کسی قانون کو بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنائے آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہو، یا صرف ریاست کی جانب سے یہ اعلان کر دیا گیا ہو کہ چونکہ شادی شدہ زانی و زانیہ کو سنگسار کرنا اللہ کا قانون ہے، اس لیے ریاست کا بھی یہی قانون ہے، اسے پارلیمنٹ کا محتاج بنانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح سود اللہ کے آئین میں حرام ہے، اس لیے بغیر پارلیمنٹ کا انتظار کیے آج سے سود غیر قانونی اور جرم ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہو سکتا! کیونکہ اس سے جمہوریت کی روح تار تار ہو جائے گی، اور جمہوریت کی محافظ مقامی قوتیں (فوج) اور عالمی قوتیں امریکہ و عالمی ادارے فوراً حرکت میں آ کر ایسے صدر یا وزیرِ اعظم کا دھڑن تختہ کر دیں گے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت کی روح (یعنی قانون سازی میں پارلیمنٹ کی منظوری کا اصل ہونا) ہی اس ریاست پر حاکم ہے، نہ کہ آئین کے اوراق میں کالی سیاہی سے لکھا ہوا یہ جملہ: 'قرآن و سنت ہی پاکستان کا سپریم لاء ہے'۔

اللہ کے لیے اس دھوکے سے نکل آیئے، نہ پاکستان کا آئین اسلامی ہے، اور نہ قرآن و سنت کی یہاں حاکمیت ہے۔

تنبیہ: کیا پاکستان کی ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے؟

اس باب میں مقتدر طبقے کی جانب سے یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ریاست نے تو کلمہ پڑھا ہے، یعنی ریاست عقیدتاً اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ حاکمیت و تشریع کا حق اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، خرابی صرف نفاذ یعنی عمل میں ہے۔ اور مذکورہ عقیدے کو تسلیم کرتے ہوئے عمل میں خرابی سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔

ایسا سمجھنا خود ایک فحش غلطی ہے۔ تشریع کے باب میں مذکورہ عقیدہ رکھنے کے باجود اگر کوئی عملاً اس اختیار (اوامر و نواہی کے اختیار) کو کسی غیر اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، یہ بھی کفر ہے۔ جیسا کہ اوپر نصاریٰ کے حوالے سے گزرا کہ انہوں نے اپنے راہبوں کو عقیدتاً معبود نہیں بنایا تھا، بلکہ ان کا یہی عمل تھا کہ حقِ تشریع راہبوں کے لیے تسلیم کر لیا تھا، اسی کو قرآن نے معبود بنانا قرار دیا، جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمائی۔

اور امام رازی ؒ نے جو کچھ اس کی تفسیر میں بیان کیا، اسے دوبارہ پڑھیے:

> الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ: الْأَكْثَرُونَ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ قَالُوا: لَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الْأَرْبَابِ أَنَّهُمُ اعْتَقَدُوا فِيهِمْ أَنَّهُمْ آلِهَةُ الْعَالَمِ، بَلِ الْمُرَادُ أَنَّهُمْ أَطَاعُوهُمْ فِي أَوَامِرِهِمْ وَنَوَاهِيهِمْ۔
>
> ”اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ رب بنانے سے یہ مراد نہیں کہ انہوں نے اپنے علماء و راہبوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شروع کر دیا تھا کہ وہ عالم کے معبود ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ احکامات اور پابندیوں میں ان (راہبوں) کی اطاعت کرتے تھے۔“

جبکہ جمہوریت تو یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور بھی کرتی ہے اور اس کے التزام کو واجب قرار دیتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی شہری یا کوئی رکن پارلیمنٹ یہ بات نہیں کر سکتا کہ میں ریاست کے اس طریقہ کار (کسی بل کی منظوری کے لیے اسے پارلیمنٹ میں پیش کرنے) کو نہیں تسلیم کرتا، یہ شریعت کے خلاف ہے، اور یہ کفر ہے۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ اس کفر کی محافظ قوتیں ایسے شخص کو کیسا عبرت کا نشان بناتی ہیں۔

کسی بھی قوم کا مقتدر طبقہ (ملأ القوم) اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر خود ہی شارع کیوں بن بیٹھتا ہے؟ کیوں وہ خود ہی قانون سازی کرنے لگ جاتا ہے، اور اللہ کے اس اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے؟

تاکہ اس لامحدود اختیار کے ذریعہ وہ اپنے اقتدار کی بنیادیں مستحکم کر سکے، اپنی اور اپنے طبقے کی خواہشات کا تحفظ کر سکے، اس کے ذریعہ جیسے چاہے قوانین بنائے اور اس کے ذریعہ عوام کو اپنا غلام بنائے رکھے۔ پھر اس قانون سازی کو محترم بنانے کے لیے اسے مذہب یا کسی نظریے اور عقیدے کی جانب منسوب کر دیا کرتا ہے، تاکہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ اس کی عبادت کرنے لگیں اور اس کے خلاف کرنے کو گناہ سمجھیں، چنانچہ عوام ساری عمر مقتدر طبقے کی خواہشات کو پورا کرتے رہتے ہیں۔

مقتدر طبقہ یہ اختیار حاصل ہو جانے کے بعد صرف سیاسی اور معاشی قانون سازی ہی نہیں کرتا بلکہ معاشرت کو اپنے اختیارات میں جکڑنے کے لیے بھی اپنی جانب سے ہی قانون گڑھ لیا کرتا ہے، یوں وہ ایک مکمل دین ایجاد کر لیتا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہوتی۔

مکہ میں جاہلیتِ اولیٰ کی پارلیمنٹ (دار الندوہ) یہی کام کرتی رہی، اپنے اقتدار، اپنی سیادت و قیادت اور حکمرانی کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے جس چیز کو چاہتے خود ہی قانونی (حلال) قرار دے دیتے، اور جسے چاہتے غیر قانونی (حرام) بنا دیتے۔ پھر اس قانون سازی کو مذہبی جذبات و عقیدت سے مستحکم کرنے کے لیے اسے اپنے معبودوں کی جانب منسوب کر دیتے کہ یہ سب تو تمہارے معبودوں ہی کی طرف سے ہے۔ تاکہ کم فہم عوام اس پر اعتراض کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔

یہاں اس مذہبی سیاسی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہر دور میں مقتدر طبقے نے قانون سازی کرنے کے بعد اسے اپنے معبودوں (خواہ وہ بتوں کی شکل میں تھے یا کسی عمارت یا ادارے کی شکل میں) کی جانب منسوب کیا۔ یہ مقتدر طبقہ اس قانون سازی کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتا۔ جدید جاہلی نظام میں حاکمیت کے کلی اختیارات کو عوام کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، جبکہ یہ اس جاہلی نظام کا سب سے بڑا دجل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام اختیارات مقتدر طبقے کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح پتھر کے بت یا گارے مٹی کی بنی عمارت کو حاکمیت کا اختیار ثابت کر کے اس کے متولی خود سب کچھ اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے تھے، یا جیسے کسی مزار کا مجاور اپنی خواہشات کو مزار میں دفن انسان کی طرف منسوب کر دیا کرتا ہے۔

امام رازی ؒ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> وَقَالَ الْكَلْبِيُّ: كَانَ لِآلِهَتِهِمْ سَدَنَةٌ وَخُدَّامٌ وَهُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُزَيِّنُونَ لِلْكُفَّارِ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ۔
>
> ”کلبی نے کہا: ان کفار کے معبودوں (یعنی صنم خانے) کے متولی اور خدام تھے جو کفار کے لیے ان کی اولاد کا قتل مزین کر دیا کرتے تھے۔“

جمہوری پارلیمنٹ کے متولیوں اور مجاوروں نے بھی آج اپنے مفادات کی خاطر انسان کے لیے خود ہی ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جس کے اپنے فرائض و واجبات (جنہیں کرنا ہر شہری کے لیے لازم ہے) ہیں، حرام و حلال (آئینی و غیر آئینی) ہیں، مستحبات و مکروہات ہیں۔

کیا یہ تغیر فی خلق اللہ (اللہ کے پیدا کردہ میں تبدیلی) نہیں؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء آیت ۱۱۹ میں فرمایا:

﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا﴾[النسآء:۱۱۹]

”اور میں انہیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انہیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔ اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے، اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔“

اس آیت میں ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾[شیطان نے کہا کہ میں انہیں حکم دوں گا] تو وہ اللہ کی خلق میں تبدیلی کریں گے] یہاں متقدمین مفسرین کے نزدیک خلق اللہ سے مراد 'دینُ اللہ' ہے یعنی وہ اللہ کے حرام کردہ کو قانونی (حلال) اور حلال کو حرام (غیر قانونی) کرنے کے ذریعہ اللہ کے دین میں تبدیلی کریں گے۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

”گویا شیطان نے اپنے اس قول میں اس طرف اشارہ کیا کہ میرے حکم کے مطابق وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام بنالیں گے اور جو جانور بالفعل یا بالقوۃ کامل پیدا کیا گیا ہے، اس کو ناقص بنادیں گے۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ تشریع کا حق اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے خاص کرنا ایسا کفر ہے جس سے بغاوت کی دعوت ہر نبی نے اپنی قوم کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾[النحل:۳۶]

”اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دے دی اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی۔“

جمہوریت اور اکابر علماء کے بارے میں وضاحت

جمہوریت کے حق ہونے کی دلیل میں ایک بات یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یہ جمہوریت باطل ہوتی تو بڑے بڑے بعض اکابر علماء اس میں شامل کیوں ہوتے؟

اس کے بارے میں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ جمہوری نظام کھڑا کرنے والی قوتیں کوئی عام ذہن نہیں رکھتی تھیں، بلکہ ایسے شیطانی ذہن تھے کہ جتنا اس نظام کے دجل میں غور کرتے ہیں، اتنی ہی ان کے لیے بددعائیں نکلتی ہیں۔

یہ وہ لوگ تھے جو اسلام و شریعت اور عقائد و فقہِ اسلامی کا اچھی طرح بلکہ بہت گہرا علم رکھتے تھے۔ ابتدائی دور میں انگریزوں نے اس جمہوریت کو اسی انداز میں رائج کرنے کی کوشش کی جس طرح یہود نے اسے مغرب میں رائج کیا تھا، لیکن چونکہ یہاں علماء تو کیا عوام بھی اس بات کو اچھی طرح جانتی تھی کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کے سوا کسی کے لیے مان لینا یا قانون سازی کا حق اللہ کے علاوہ کسی کو دے دینا، یہ صرف گناہ کبیرہ نہیں بلکہ کفر ہے۔ اس لیے اسلامی دنیا میں یہ پہلی کوشش ابتداء ہی میں ناکام ہوگئی۔

اس کے بعد اسلامی دنیا کے لیے جمہوریت کا یہ ترمیم شدہ ایڈیشن بھیجا گیا جس میں اسلامی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا تھا، جس کا مقصد اسے اسلام سے ہم آہنگ ثابت کرنا تھا۔

چنانچہ جن علماء نے اس میں شرکت کی، وہ اسی نیک نیتی پر مبنی تھی کہ وہ اس نظام میں شامل ہو کر ملک میں شریعت نافذ کریں گے۔ لیکن اسے قریب سے دیکھ لینے کے بعد اور جن قوتوں کے ہاتھ میں اس نظام کی ڈوریاں ہیں، ان کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد ان علماء پر واضح ہوگیا کہ یہ سوائے دھوکے کے کچھ نہیں۔

نیز ایک اور تاریخی حقیقت سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان اکابر علماء کے ساتھ اس وقت کی مقتدر قوتیں دن رات یہ وعدے کرتی تھیں کہ ہم اس ملک میں شریعت نافذ کریں گے، اس بنیاد پر ان علماء نے اس نظام میں شرکت کی، اب اگر مقتدر قوتیں اپنے وعدے سے مکر گئیں تو اس میں ان علماء کا کیا قصور؟

لہٰذا اہلِ علم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ جمہوریت کے حق ہونے کی دلیل میں صرف یہ کہتے پھریں کہ جمہوریت غلط ہوتی تو اکابر علماء اس میں کیوں شریک ہوتے۔

یہ غلط ہے کہ مقتدر قوتوں کے خوف کی وجہ سے آپ بغیر دلیل کے اس کفر کو اسلام ثابت کرتے پھریں اور دلیل میں اکابر علماء کا نام استعمال کریں۔ (اور کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟) اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ اس نظام میں شمولیت کی وجہ سے کوئی طامع ان علماء کی ہی تکفیر کرنے لگ جائے۔ یہ معتدل رائے ہے کہ ان علماء کو عذر دیا جائے اور جمہوریت کے کفر کو مسلمانوں کے سامنے واضح کیا جائے۔

۳۔ اللہ کی غیر قانونی و حرام قرار دی ہوئی چیزوں کو قانونی و حلال بنالینا، اور اللہ کے لازم کردہ فرائض کو حرام و غیر قانونی قرار دینا

جاہلی نظام میں ایک بڑا منکر یہ رائج ہے کہ خود ہی جس چیز کو چاہتے ہیں قانونی قرار دے دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں غیر قانونی بنادیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق تو اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا۔

﴿وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ [الأنعام:۱۳۸]

''اور یوں کہتے ہیں کہ ان چوپایوں اور کھیتیوں پر پابندی لگی ہوئی ہے۔ ان کا زعم یہ ہے کہ انہیں سوائے ان لوگوں کے کوئی نہیں کھا سکتا جنہیں ہم کھلانا چاہیں، اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشت حرام قرار دی گئی ہے، اور کچھ چوپائے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ جو افترا پردازی یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔''

پھر افسوس کہ اس جمہوری کفری نظام کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے آخر میں وہی بات کہہ دیتے ہیں جو کفارِ مکہ دلائل سے ہار جانے کے بعد کہا کرتے تھے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ [النحل:۳۵]

''اور جن لوگوں نے شرک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ کرتے، نہ ہم نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کوئی چیز حرام قرار دیتے۔ جو امتیں ان سے پہلے گزری ہیں، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن پیغمبروں کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچا دیں۔''

۴۔ امر بالمنکر و نہی عن المعروف

اس نظام میں یہ کام ریاست کی سرپرستی میں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں فرماتے ہیں:

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [التوبة:٦٧]

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں۔''

خلافتِ عثمانیہ کے ٹوٹ جانے کے نتیجے میں روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی شریعت کلی طور پر محکوم و مغلوب بنا دی گئی۔ مسلم خطوں میں شریعت کا خاتمہ کر کے انگریزی، فرانسیسی اور دیگر مخلوط نظام نافذ کر دیے گئے۔

پھر جب دوسری جنگِ عظیم کے بعد (۱۹۳۹-۱۹۴۵) سامراجی قوتیں اپنے اپنے مسلم مقبوضہ علاقوں سے واپس ہونا شروع ہوئیں تو انہوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ان کے جانے کے بعد بھی کسی مسلم ملک میں دوبارہ شریعتِ محمدیہ ﷺ کا نفاذ نہ ہو سکے۔ چنانچہ اکثر مسلم ملکوں میں جمہوری نظام نافذ کیا گیا اور اس بات کو یقینی بنا لیا گیا کہ کسی مسلم ملک میں شریعت نافذ نہ کی جا سکے گی۔ اس کے لیے اقوام متحدہ کے چارٹر کو بطورِ نظامِ زندگی (دین) کے تمام قومی ریاستوں میں نافذ کیا گیا۔ ریاستیں اس کے نفاذ کو یقینی بنانے کی پابند قرار پائیں، اور ریاست کی محافظ قوتوں (فوج و پولیس) نے اسے اپنے ذمہ لیا۔

نتیجتاً مسلم ممالک سے اسلام کا غلبہ ختم ہوا اور جو نظام دنیا پر مسلط کیا گیا، وہ ایک ایسا طرزِ زندگی لے کر آیا جس کا لباس نیا لیکن حقیقت اتنی ہی بوسیدہ و فرسودہ تھی جتنی کہ فرعون و نمرود، سامری و شداد اور ابو جہل و ابو لہب کی، یہ طرزِ زندگی درحقیقت تاریک دور کی جاہلیتِ اولیٰ کا جدید ایڈیشن ہے، اس کے غلبے کی صورت میں صرف یہی نہیں کہ لوگ برائیوں میں مبتلا ہوئے بلکہ برائیوں کو عام کرنے کی دعوت، اس کی جانب رغبت، اس کی حوصلہ افزائی اور منکرات کو پھیلانے کے لیے ریاستی ذرائع مہیا کیے جاتے رہے ہیں۔ منکرات کی محفلوں میں شرکت کی دعوت، ریاست کی سرپرستی میں ان کی تشہیر اور حفاظت، ریاست کی ذمہ داری قرار پائی ہے۔ سودی مراکز (بینک) ہوں یا فحاشی پھیلانے کے ذرائع (مساج سینٹر، سینما، کیبل، ٹی وی، انٹرنیٹ کیفے، وغیرہ) یا گانے بجانے کی محفلیں، ان میں سے کسی کو بھی خطرہ لاحق ہو تو ریاست کی محافظ قوتیں ان کی حفاظت کرنے کو اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ ایسے میں کوئی ایمان والا خود اٹھ کر کسی منکر کو روکنا چاہے تو اسے لال مسجد و جامعہ حفصہ کی طرح نشانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے۔

محمد ﷺ کی لائی شریعت سے روکنے کے لیے ریاست کے تمام ستون (مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ اور ذرائع ابلاغ) اپنے اپنے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، شعائرِ اسلام (داڑھی، پردہ، حدود وغیرہ) کا مذاق اڑانا، امت کو جہاد سے روکنے کے لیے مختلف انداز میں محنت کرنا اور مدارس، علماء اور علمِ دین کی تحقیر ان کے بنیادی مشن میں شامل ہے۔

۵۔ سودی نظام کا غلبہ

سود جس کی قرآن و حدیث میں بے انتہا مذمت بیان کی گئی اور جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کہا گیا، موجودہ نظام، خواہ عالمی ہو یا قومی، وہ کھڑا ہی سودی نظام پر ہے۔

یعنی جمہوریت ہو یا آمریت، دار الحرب ہو یا دار الامن، اس وقت وہ تمام ممالک جو اقوامِ متحدہ کے رکن ہیں، ان کے سارے نظام کا محور سود ہے۔ گویا عالمی نظام نے ہر قومی ریاست کے لیے سود کو لازم کیا ہے۔ پھر ہر ریاست اپنے عوام پر مختلف قسم کے ٹیکس عائد کر کے اپنا سود ادا کرتی ہے۔ ٹیکس کی شکل میں جو رقم شہریوں سے وصول کی جا رہی ہے، اس کا خاصہ حصہ عالمی مالیاتی اداروں کی سودی قسطوں کی شکل میں واپس کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾[البقرۃ:۲۷۹]

”پھر بھی اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سود سے باز نہ آئے) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اور اگر تم نے توبہ کر لی تو راٴس المال تمہارا ہی ہے، (یوں نہ) تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔“

﴿الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ إِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾[البقرۃ:۲۷۵]

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو، یہ اس لیے ہو گا کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے کتنے سخت الفاظ میں اس کی برائی کو بیان فرمایا:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”الرِّبَا اثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا، أَدْنَاهَا مِثْلُ إِتْيَانِ الرَّجُلِ أُمَّهُ، وَأَرْبَى الرِّبَا اسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِي عِرْضِ أَخِيهِ“۔

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سود کے بہتّر دروازے ہیں، اس کا ادنیٰ یہ ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے بد فعلی کرے، اور سب سے بڑا سود یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی عزت کے درپے ہو جائے۔“

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيلِ الْمَلَائِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً“۔

حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیلِ ملائکہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سود کا ایک درہم جسے کوئی آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے، چھتیس زنا سے بدتر ہے۔“

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔

حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔

عَن عَمْرو بن الْعَاصِ سَمِعت رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَقُول: مَا من قوم يظْهر فيهم الرِّبَا إِلَّا أخذُوا بِالسنةِ وَمَا من قوم يظْهر فيهم الرشا إِلَّا أخذُوا بِالرُّعْبِ۔

حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جس کسی قوم میں سود عام ہوا وہ قحط کا شکار ہو گئی، اور جس کسی قوم میں رشوت عام ہوئی وہ رعب میں مبتلا کر دی گئی“۔

سو اس موجودہ جمہوری نظام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کی بنیاد ہی سود پر رکھی گئی ہے، بلکہ اس کی گہرائی میں جانے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی انسان سود کھانے کھلانے سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ سود میں ملوث رکھنے کا انتظام انتہائی نچلی سطح تک کیا گیا ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ سودی معاملات صرف انفرادی سطح پر نہیں کیے جا رہے بلکہ ریاست نے سودی معاملات کو صرف مباح ہی نہیں کیا بلکہ بہت سے معاملات میں فرض (لازم) کیا ہوا ہے۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے اسے اس نظام میں رہنا ہے تو سودی معاملات میں شامل ہونا ہو گا۔

۶۔ جبریہ ٹیکس

خلقِ خدا سے ٹیکس وصول کرنا ایسا بدتر گناہ ہے جسے علماء نے سود سے زیادہ بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ لیکن عالمی نظامِ کفر نے ہر ریاست (خواہ جمہوریت ہو یا آمریت) کے شہریوں پر ظالمانہ ٹیکس مسلط کیے ہوئے ہیں۔ یہ ریاستوں کے سودی لین دین ہی ہیں جسے عوام پر ٹیکس لگا کر پورا کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس میں دونوں ناپاکیاں اور ظلم جمع کر دیا گیا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: ”لَا يَدْخُلُ صَاحِبُ مَكْسٍ الْجَنَّةَ“۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ میں نے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”ٹیکس وصول کرنے میں ظلم کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔“

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ غامدیہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله : لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له : فيه دليل على عظيم ذنب صاحب المكس۔

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ فرمان کہ: ”اس (غامدیہ) نے ایسی توبہ کی ہے، اگر ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرلے تو اس کی مغفرت کر دی جائے۔ یہ ٹیکس وصول کرنے والے کے بڑے گناہ ہونے پر دلیل ہے۔“

اور امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وكذلك حكم من يأخذ أموال الناس من المتسلطين الظلمة وآخذي الضرائب واجب على كل المسلمين قتالهم وقتلهم إذا كانوا ممتنعين وهؤلاء أعظم جرمًا من آكلي الربا لانتهاكهم حرمة النهي وحرمة المسلمين جميعًا وآكل الربا إنما انتهك حرمة الله تعالى في أخذ الربا ولم ينتهك لمن يعطيه ذلك حرمة لأنه أعطاه بطيبة نفسه وآخذوا الضرائب في معنى قطاع الطريق المنتهكين لحرمة نهي الله تعالى وحرمة المسلمين إذ كانوا يأخذونه جبرًا وقهرًا لا على تأويل ولا شبهة فجائز لمن علم من المسلمين إصرار هؤلاء على ما هم عليه من أخذ أموال الناس على وجه الضريبة أن يقتلهم كيف أمكنه قتلهم وكذلك أتباعهم وأعوانهم الذين بهم يقومون على أخذ الأموال۔

”اور (جس طرح کہ سود کے کاروبار پر اصرار کرنے والوں سے اس وقت قتال کیا جائے گا جبکہ وہ امام المسلمین کے دائرے سے باہر قوت وشوکت کا حامل گروہ ہو،) اسی طرح ان لوگوں کا حکم ہے جو لوگوں سے ظلماً جبراً مال وصول کرتے ہیں اور ٹیکس لیتے ہیں۔ جب ان کی قوت کی وجہ سے ان پر حکمِ اسلام نافذ کرنا ممکن نہ ہو تو ہر مسلمان پر ان سے قتال کرنا اور انہیں قتل کرنا واجب ہے۔ اور یہ (مذکورہ) تو سود لینے والے سے بھی زیادہ بڑے مجرم ہیں، کیونکہ یہ اللہ کے حرام کردہ حکم کو بھی پامال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی عزت بھی پامال کرتے ہیں۔ سود لینے والا تو صرف اللہ کے حرام کردہ حکم کو پامال کرتا ہے لیکن سود لینے والا سود دینے والے کی عزت پامال نہیں کرتا بلکہ سود دینے والا اپنی مرضی سے سود دیتا ہے۔ اور ٹیکس لینے والے ڈاکوؤں کے حکم میں ہیں کیونکہ یہ اللہ کے حکم کی حرمت اور مسلمانوں کی حرمت پامال کرتے ہیں، کیونکہ یہ جبر یہ طاقت کے زور پر مسلمانوں کے مال بغیر کسی تاویل وشبہ کے وصول کرتے ہیں۔ سو ہر اس مسلمان کے لیے ان کا قتل کرنا جائز ہے جیسے بھی ممکن ہو، جس مسلمان کو بھی یہ پتہ لگے کہ یہ ٹیکس کے طور پر زبردستی لوگوں کا مال لے رہے ہیں، اسی طرح ان ٹیکس لینے والوں کے معاونین اور ساتھی جو اس کام میں ان کے ساتھ ہوں۔“

۷۔ فحاشی

اس وقت قومی ریاستوں میں (خواہ مسلم اکثریتی ہوں یا کفری) جو طرزِ زندگی رائج ہے، اس کی حقیقت کو سمجھنے والے کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یہ مکمل نظام کھڑا ہی شہوتوں کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اس نظام کی باگ ڈور بلکہ شہ رگ جن کے ہاتھ میں ہے (کارپوریٹ، عالمی بینکرز یا ملٹی نیشنلز) ان کا مقصدِ اول یہی لگتا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ پوری انسانیت کو فحاشی کے اس جوہڑ میں گرا دیا جائے جہاں انسانیت خود انسان پر شرمسار ہوتی ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کو دیکھ کر ابلیسیت نازاں و فرحاں ہوتی ہے۔

جبکہ اسلام کے غلبے کی صورت میں شریعت جس نزاکت کا سب سے زیادہ خیال رکھتی ہے، وہ یہی فحاشی ہے۔ اس کی حساسیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 'زنا' ایک انسان ڈھکے چھپے کرتا ہے۔ اگر گواہ نہ ہوں اور یہ خود اقرار بھی نہ کرے تو باوجود قرائن کے شریعت اس پر حد جاری نہیں کرتی، حالانکہ جرم تو ہوا ہے۔ لیکن یہی جرم اگر کھلے عام کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کی سزا انتہائی سخت ہے۔

معلوم ہوا کہ گناہ سے زیادہ اس کے عام کرنے کو شریعت سخت قرار دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النور: ۱۹]

”یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

موجودہ جمہوری ریاستوں میں چونکہ خواہشاتِ ملأ القوم (مقتدر طبقے کی خواہشات) ہی اصل ہیں، اس لیے شہوانی خواہشات کو عام کرنے کے لیے ریاست اپنے تمام تر ذرائع استعمال کرتی

ہے۔ بے حیائی کی خبروں کو کتنے نئے نئے انداز میں پھیلایا جاتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اس نظامِ جمہوریت کا ستون سمجھے جانے والے ادارے شیطانیت کا کتنا بھرپور عکس ہیں۔

فحاشی پھیلانے کی اہمیت وحساسیت اس نظام میں کس قدر ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اگر کوئی غیور دیندار بندہ فحاشی گھر گھر پہنچانے والے کیبل کاٹنے کی کوشش کرے، یا ناچنے، گانے بجانے یا مساج سینٹر کی محفلوں کو روکنا چاہے اور اس کے لیے ایمانی غیرت کا اعلیٰ درجہ 'ہاتھ' استعمال کرے تو ریاست اسے کس طرح عبرت کا نشان بنا دیتی ہے۔ ریاست کی محافظ قوتیں حرکت میں آتی ہیں اور اس کی رٹ کو چیلنج کرنے والوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جاتا ہے۔ لال مسجد تحریک کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ ان کا قصور صرف یہی تھا کہ وہ اس غلاظت سے معاشرے کو بچانا چاہتے تھے جو ملک کے دارالحکومت میں پھیلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے جنہیں سن کر ہی دماغ کو جھٹکے لگتے ہیں۔ باپ بیٹی اور بہن بھائی کی تمیز ختم ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن ریاست کو اس پر غصہ نہیں آیا، غصہ آیا تو اس گندگی روکنے والے دیندار طبقے اور غیور طلبہ وطالبات پر آیا۔

دیندار قوتوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ فحاشی اس نظام میں بطورِ طرزِ زندگی (Life Style) شامل ہے۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے مردوں کے راستے سے ان تمام رکاوٹوں کو ختم کر دینا جو عورت تک پہنچنے سے روکتی ہیں، اقوامِ متحدہ کے قائم کردہ عالمی نظامِ کفر کا بنیادی مقصد ہے۔ جبکہ قومی ریاستیں (نیشن اسٹیٹس) اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی پابند ہیں۔

چنانچہ کسی دینی قوت کا اللہ کے حکم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دینا، اور اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے حرام کام کو روکنے کے لیے قوت کا استعمال کرنا، ریاست کو کسی حال قابلِ قبول نہیں ہے۔

خلاصہ

یہ تو صرف چند برائیوں کا ذکر ہوا، ورنہ اس جمہوری معاشرے میں کیا کچھ نہیں ہو رہا۔

یہاں ایک سوال ہے کہ معاشرے میں مختلف اصلاحی تحریکوں کے ترقی کرنے کے باوجود معاشرے میں منکرات کا غلبہ کیوں بڑھتا جا رہا ہے؟ یعنی ایک طرف ہم مذہبی اصلاحی قوتوں (مثلاً تبلیغی جماعت، مدارس اسلامیہ، خانقاہوں) کو دیکھتے ہیں تو الحمد للہ دل خوش ہوتا ہے کہ کس طرح اس فتنے کے دور میں ہماری یہ دینی قوتیں امت کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ اور ایسے ماحول میں جبکہ فحاشی ومنکرات کو نہ صرف ریاستی بلکہ عالمی اداروں کی سرپرستی حاصل ہے، یہ دینی قوتیں بڑے بڑے شہروں میں بھی نوجوانوں کو اسلامی رنگ میں رنگ رہی ہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود معاشرے کی مجموعی صورتِ حال پر فحاشی ومنکرات ہی کا غلبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یعنی بعض ایسی برائیاں جنہیں کل تک دینی طبقے میں 'فتنہ' سمجھا جاتا تھا، اب بہت سے دیندار خود یا ان کے بچے ان کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جس نظام کا غلبہ ہو گا اسی کا طرزِ زندگی غالب رہے گا، باوجود یہ کہ نظام کے سائے میں رہتے ہوئے جزوی اصلاح کے لیے کتنی بھی کوششیں کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو جانتے ہیں، اسی لیے انہوں نے دین کو پھیلانے سے پہلے کفر کا غلبہ توڑنے کا حکم دیا۔ ﴿وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ﴾

کہ ان شریعت کے دشمنوں سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

سو جب تک فتنہ یعنی غیر اللہ کا نظام موجود ہو گا اس کے ہوتے ہوئے محمد ﷺ کا نظام نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلے اس قوت کو توڑنے کا حکم فرمایا جو ان تمام منکرات کی سرپرستی کرتی ہے۔ آپ سود کے خلاف جتنی چاہیں مہم چلاتے رہیں، دعوت وتبلیغ کرتے رہیں، لیکن جب دوسری جانب ریاست اپنی مقتدر قوتوں کے بل بوتے پر زندگی کے ہر شعبے میں سود کو لازم قرار دے چکی اور اس سود کو ادا کرنا ریاست کے قانون میں فرض قرار دیا گیا، سو اب اس کا انکار ریاست کی رٹ کو چیلنج کرنا کہلائے گا، اس لیے مسلمان چاروناچار اس نظام میں مجبور کر دیا گیا کہ وہ ان سودی معاملات سے گزر کر اپنی روزی کمائے۔

بعض لوگ اگر یہ خیال کرتے ہیں کہ سود پاکستان یا کسی بھی ریاست کا داخلی معاملہ ہے، سو اگر یہ چاہیں تو اس سودی نظام کو ملک سے ختم کر سکتے ہیں تو ایسا سمجھنا اس عالمی کفری نظام اور اس اقوامِ متحدہ کے چارٹر کو سمجھنے میں غلطی ہے۔ ملکی نظام کے پیچھے عالمی کفری نظام کھڑا ہے اور عالمی کفری قوتوں نے ہر ریاست کو قانونی طور پر اس کا پابند بنایا ہے۔ اس لیے بغیر جہاد کے یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ صرف سمجھانے بجھانے سے اس نظام سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس کے لیے پہلے اس قوت کو توڑنا ہو گا جس نے دنیا کو اپنا غلام بنایا ہوا ہے، اور دنیا پر لازم کیا ہے کہ وہ ان سودی معاملات سے گزر کر اپنی روزی حاصل کریں۔

منکرات کی محافظ قوتیں جب تک موجود ہیں، تب تک ان منکرات کا زور ٹوٹ نہیں سکتا۔ پہلے ان کی قوت ٹوٹے گی، پھر اس کے بعد سارا کا سارا ماحول اللہ والا بن جائے گا۔ اس سے پہلے ناممکن ہے کہ کفر کا غلبہ توڑے بغیر سارا کا سارا ماحول اللہ والا بنا دیا جائے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

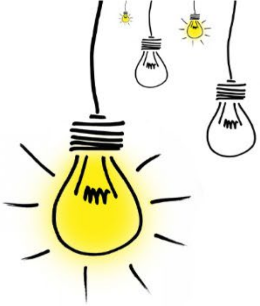

خیالات کا ماہنامچہ

معین الدین شامی

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: اپریل و مئی ۲۰۲۵ء

بے شک تعریف کی مستحق وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کو ہماری آزمائش کے لیے پیدا کیا اور درود و سلام اور لاکھوں کروڑیں رحمتیں ہو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے حبیبؐ پر، جن سے ہر ذی شعور کو محبت اتنی ہی عطا ہوئی جتنا اس کا ایمان ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ جو حضورؐ پُر نور سے جس قدر محبت کرے گا وہ اسی قدر زیادہ صاحبِ ایمان ہو گا۔ اور محبت کیا ہے؟ حضورؐ سے محبت یہ ہے کہ آپؐ جو دین لے کر آئے ہیں اس کی پیروی کی جائے، صلی اللہ علیہ وسلم!

بچوں کا قتل، بے عدلی، بے انصافی اور ظلمِ عظیم ہے!

بچے بچے ہوتے ہیں۔ ان کو جنگ میں قتل کرنا رذالت، ذلالت اور ضلالت ہے۔

یہ بچے ۲۱ مئی کو خضدار، بلوچستان میں شہید ہوں، ۲۰ مئی کو ہرمز، وزیرستان میں شہید ہوں یا ہفتہ پیش ترجانی خیل، بنوں میں۔ یہ سب بچے ظالموں کے ہاتھوں شہید کیے گئے۔

ظلم کی کوکھ سے ظلم جنم لیتا ہے۔

ہمیں اللہ کی شریعت ایسے ظلم سے روکتی ہے۔ نہ کوئی بلوچ ظالم و مظلوم ہے، نہ کوئی پشتون اور نہ ہی کوئی پنجابی۔ بلکہ ظالم ظالم اور مظلوم مظلوم ہے۔

ہم ہر مظلوم کے ساتھ اور ہر ظالم کے خلاف ہیں!

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا (سورۃ المآئدۃ: ۸)

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو۔“

بچوں کا قتل، بے عدلی، بے انصافی اور ظلمِ عظیم ہے!

ہم کیسے عجیب زمانے میں جیتے ہیں؟

ابو حنیفہؒ و شافعیؒ سے سرخسیؒ و ابن تیمیہؒ تک سبھی علمائے حق کو تاریخِ اسلامی میں سلاطین نے قید میں ڈالا۔

لیکن آج صرف 'گمراہ خوارج'، جو اپنے حکام پر تنقید کرتے ہیں، کو ہی زندانوں ڈالا جاتا ہے!

(شیخ ابو سامی کی ایک ٹویٹ کی ترجمانی)

حجاج کے قافلے رواں ہیں!

ابھی کچھ دیر قبل ایک ساتھی کا پیغام ملا کہ 'حج کے لیے جا رہا ہوں، دعا کرنا، تمہیں بھی دعاؤں میں یاد رکھوں گا'۔

یہ پڑھا تو دل گرفتہ ہو گیا اور آنکھیں نم ناک۔

اس کی سعادت پر دل خوش اور اپنے حال پر غم ناک۔

لیکن یہ حال بھی تو 'اُسی' کی عطا ہے، ہم 'اُسی' کے عائد کردہ فرضِ عین میں نکلے اور 'اُس' کے دشمنوں کے یہاں مطلوب ہو گئے، کاش کہ 'اُس' کے طالب اور 'اُس' کے یہاں بھی مطلوب ہو جائیں، پھر وہ اپنے گھر کا دیدار دے دے اور پھر اپنے وجہِ کریم کا۔

کہاں وہ وجہِ کریم، کہاں یہ رُوسیاہ......

جو چاہو کرو؟!

ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں، ہم امتِ محمد ہیں (علی صاحبہا ألف صلاۃ وسلام)۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ کا محبوب بنے رہنے کا طریقہ اتباعِ شریعت محمد ﷺ ہے۔ ہمارا نعرہ یہ نہیں ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں کہ ہم نے شام و عراق اور فارس و یمن فتح کر لیے اب ہم جو چاہیں کریں، ہمارا کوئی مؤاخذہ نہیں۔

نہیں! شام و عراق اور فارس و یمن ہی کیا، ہم پوری کائنات بھی فتح کر لیں تب بھی ہمیں 'جو چاہو کرو' کا سرٹیفیکیٹ نہیں مل سکتا۔

ہم افغانستان سے امریکہ اور اس کے چالیس اتحادیوں کو شکستِ فاش دے کر نکالیں یا شام سے رافضی اتحاد کی کمر توڑ کر اقتدار میں آئیں، ہمارا امتحان تب تک جاری رہے گا، جب تک نزع کی گھڑی نہیں آجاتی اور نزع کی گھڑی تک ہم سے مطلوب اتباعِ شریعت ہے۔

اہلِ کابل و قندھار کو عزت اقامتِ شریعت کے سبب ملی، آج اگر دمشق میں عزت ملے گی تو اسی سے ملے گی اور کل ٹمبکٹو اور مغادیشو میں عزت ملے گی تو وہ بھی اسی اتباعِ شریعت سے ملے گی۔

اسلام کا مقصد محض اقتدار نہیں، اسلام ایسا اقتدار چاہتا ہے جہاں اقامتِ صلاۃ و زکاۃ ہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو اور حدود اللہ جاری ہوں، اللہ کے دشمن دشمن کہلائیں، اولیاء اللہ سے دوستوں سا برتاؤ ہو:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری!

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو!

پاک و ہند جنگ ختم ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ۱۱ مئی کو پاکستان کے شہر بنوں کے علاقے جانی خیل میں ایک ڈرون حملہ ہوا اور ایک گھرانے کی عورتوں بچوں سمیت ۱۳ افراد شہید ہو گئے!

بنیان مرصوص بن کر جب اہل ایمان لڑا کرتے ہیں تو اس جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کوئی مبہم اصطلاح نہیں ہے۔ جہاد اس جنگ کو کہتے ہیں جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے اور یہ جنگ، لڑائی و صلح کے نشیب و فراز سے گزرتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ کا کلمہ بلند نہ ہو جائے۔

یہ جنگ کرنے کا 'جرم' نہ کسی کلنٹن کے پاس فریادی بن کر، پہنچ کر اس جنگ کو رکواتا ہے اور نہ ہی کس زمانے کے ٹرمپ کی دھمکی سے اعلائے کلمۃ اللہ کی جنگ رکا کرتی ہے۔

لیکن ٹرمپ کی ایک فون کال پر یہ جنگ، جس کا نام بنیان مرصوص ہے روک دی جاتی ہے۔

ٹرمپ کا ایک حکم یہ ہے کہ 'غزوۂ ہند' کو روک دو تو اسی کی تہذیب کا دوسرا حکم یہ ہے کہ جانی خیل میں جنگ نہ رکنے پائے، وہاں اپنے ہی ہم قوم، ہم ملت، ہم مذہب لوگ...... صرف لوگ نہیں عورتیں اور بچے، اگر میزائلوں سے قیمہ ہوتے رہیں تو یہ جنگ خوارج کے خلاف ہے!

ذرا سوچیے! بنیان مرصوص تو مشرکین کے خلاف جہاد تھا، لیکن مشرکوں سے ایک صہیونی عیسائی مشرک ٹرمپ کے کہنے پر جنگ روک دی گئی اور کلمہ گوؤں...... کلمہ پڑھتی عورتوں اور بچوں کو جانی خیل میں بھون دیا گیا...... مشرکوں کو چھوڑ کر کلمہ گوؤں کو قتل کرنے کی صفت کس کی ہے؟

خوارج کی روش پر کون عامل ہے؟

ہندوستان سے جنگ ذرا تھمی تو دل و جان نے توجہ سے وزیرستان تا خیبر وہی منظر سجا دیا، وار آن ٹیرر...... وار آن اسلام...... مظلوموں کے خلاف جنگ!

بیس سال ہماری بیسوں سے جہازوں نے اڑ اڑ کر اہلِ افغانستان کو مٹی میں سلایا، پھر جب اس جنگ میں کچھ افغانوں نے پاکستان فوج کے افسروں اور جوانوں کے جاں بحق ہونے پر جشن منایا تو سبھی کو برا لگا۔ لیکن کیا ہمیں جانی خیل کے ان جاں بحق شہیدوں کی شہادتوں پر بھی غم ہوا ہے؟ کل اگر ہندوستان نے دوبارہ آپریشن سندور کا آغاز کیا اور جواب میں پھر کوئی بنیان مرصوص شروع ہوا تو جانی خیل، یہ اپنے ہی پاکستان کے جانی خیل کے لوگ افغانوں کی طرح صرف خوشیاں نہیں منائیں گے بلکہ یہ آتش و آہن میں لپٹ کر اپنی ہی قاتل، اپنے ہی ۱۳ عورتوں بچوں کے قاتلوں پر جھپٹیں گے!

یہ کمائی ہماری اپنی ہی فوج کی ہے!

کاش سندور و بنیان مرصوص...... اس فوج کو حقیقی مجاہد بنا دیتے، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے چوکیداروں کی پروفیشنل آرمی سے شروع ہونے والا سفر، انگریز کی بنائی رجمنٹوں اور یونٹوں کا غرور، وہ فطرت، وہ تربیت: کیسے بدل سکتی ہے!؟

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات!

مہدی رضی اللہ عنہ کا انتظار کیوں؟

اگر آج یہ غرباء اور سارے زمانے کے دھتکارے اور مطعون مجاہدین نہ بھی ہوں، تو ایک بات واضح ہے۔

قرآن و حدیث میں جو دین کی اقامت اور جہاد کا بیان موجود ہے، وہ پہلے نہ سہی تو مہدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر تو ہو گا ہی۔ مہدی جو کریں گے اس کو اپنے اور پرائے دونوں ہی تسلیم نہیں کریں گے۔

تو مہدی رضی اللہ عنہ کا انتظار کیوں؟

آج ہی مہدی رضی اللہ عنہ کے طریق پر کیوں نہ چلیں؟

اب اس کو کوئی کچھ بھی نام دے، دہشت گردی کہے یا کچھ بھی اور۔

اور سچ یہی ہے کہ مہدی رضی اللہ عنہ کے ہم راہی وہی ہوں گے جو ان کے آنے سے قبل ان کی راہ کے راہی ہوں گے۔

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً (سوۃ التوبۃ:۴۶)

”اور اگر وہ (جہاد کے لیے) نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے کچھ تیاری کرتے۔“

بلکہ دیکھیے اسی آیت میں آگے وعید بیان ہوئی ہے کہ جنگ کے لیے نہ نکلنے والے بے توفیقے ہیں:

وَلَكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ○

”لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا، اس نے انہیں روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ۔“

اللہ ہمیں قاعدین میں شامل نہ کرے اور مہدی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شامل کر لے، آمین!

جنگ جیتنا آسان بات ہوا کرتی ہے

جنگ جیتنا آسان بات ہوا کرتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آزمائش کا اصل مرحلہ بعد از جنگ آتا ہے۔

اگر ہم ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کے شعائر و نعروں تلے ایک جاں فشاں جنگ لڑیں، دشمن کے قلعوں کو تباہ کریں، خود اپنے شہادت ناموں پر دستخط کریں، مشرکین کے خلاف بنیان مرصوص ہو کر لڑیں اور پھر جب ہمیں فتح مل جائے اور اس کے بعد ہماری زندگی سے مظاہرِ ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ غائب ہو جائیں تو جان لیجیے یہ بڑے خسارے کا سودا ہے۔

ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ پر عاملین کا وصف تو یہ ہے کہ جب وہ جنگ جیت جاتے ہیں اور اقتدار کے مالک ٹھہرتے ہیں تو پھر وہ نظام صلاۃ، نظام زکاۃ قائم کرتے ہیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں، حدود اللہ کو ارض اللہ پر جاری کرتے ہیں، اسی سب کو جامع الفاظ میں نفاذِ شریعت و اقامتِ دین کہا جاتا ہے، ذات سے اجتماع تک، ہر جگہ نفاذِ شریعت و اقامتِ دین، بستر تا ایوانِ اقتدار۔

ورنہ یاد رکھیے، جنگ کے بعد مالِ غنیمت میں ایک رومال کی چوری مجاہد کو 'جنتی' سے 'جہنمی' بنا دیتی ہے، چاہے وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہی کیوں نہ ہو (بخاری و مسلم میں غزوۂ خیبر کے ذیل میں یہ واقعہ موجود ہے)۔

اگر ایک رومال میں خیانت کسی سے صحابیت کا درجہ چھین کر اس کو ثریا سے زمین پر پٹخ سکتی ہے، تو کھلم کھلا احکامِ شریعت سے انحراف اس سے بھی زیادہ بھیانک گڑھے میں دھکیل سکتا ہے۔

اللہ پاک ہمیں ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ سے متصف حقیقی مومن، متقی اور مجاہد بنائے، آمین!

ہمارا ہدف ملک گیری نہیں!

مجاہدین، خاص کر برِّ صغیر میں برسرِ پیکار مجاہدین کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ ان کے مقصد کو سمجھنے کے لیے امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کافی ہے کہ:

”اس ملک کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک کرنے اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد حکومت و سلطنت کا استحقاق اور ریاست و انتظامِ سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ احسان خداوندی کا شکر بجالائیں گے اور ہمیشہ اور ہر حال میں جہاد کو قائم رکھیں گے اور کبھی اس کو موقوف نہیں کریں گے اور انصاف اور مقدمات کے فیصلے میں شرع شریف کے قوانین سے بال برابر بھی تجاوز و انحراف نہیں کریں گے اور ظلم و فسق سے کلیتاً اجتناب کریں گے۔" (سیرت سید احمد شہید از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

آج بھی برِّ صغیر میں یہی دو کردار موجود ہیں، ہندوستان میں مشرک کردار اور پاکستان و بنگلہ دیش میں منافق کردار۔ مطلوب ہے کہ زمین کو اہلِ شرک و نفاق سے پاک کر کے اہل الحل والعقد کے حوالے کر دیا جائے، جو شرع شریف کو نافذ کریں اور جہاد کو جاری رکھیں!

آج صبح سنوار رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی.....(وارداتِ قلب)

آج صبح میں بیٹھا تھا۔ خیال آیا، آج تک، ساری زندگی، دنیا میں کسی کے جانے کا مجھے اتنا غم نہیں ہوا، نہ کسی سگے کے جانے کا نہ کسی پرائے کے جانے کا، جس قدر یحییٰ السنوار کی شہادت کا غم ہوا۔

رویا بھی۔

لیکن جتنا رونے کا دل چاہتا ہے اتنا رویا نہیں، اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں!

اسی خیال میں محو تھا کہ ایسے میں لگا کہ یحییٰ السنوار میرے ساتھ ہی کھڑے ہیں، پھر وہ کہنے لگے:

”میں نہیں چاہتا کہ لوگ میرے غم میں روئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جسے میری جدائی کا غم ہو وہ میرے دشمن کو رلائے!“

یہ سنا تو تسلی ہوئی اور سوچا کہ اٹھو کوئی ایسا کام کریں جس سے یحییٰ السنوار کے دشمن روئیں!

محبت فاتحِ عالم!

ایک صحابی تھے۔ شراب پی، کوڑے لگے۔ پھر پی، پھر کوڑے لگے۔

بار بار یہ معاملہ ہوا۔

کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یہ کیسا برا شخص ہے اور لعنت ملامت کی۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہ کہو یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے!

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے کا مطلب تو اتباعِ شریعت ہے۔ لیکن شریعت پر عمل کے لیے کوشاں کچھ لوگوں سے گناہ سرزد ہو جایا کرتے ہیں، ان گناہوں کے سبب ان کو دھتکاریں نہیں! گناہ کے بقدر ہی ان کی اصلاح کریں، نظروں سے نہ گرائیں!

حق کی دعوت کے خریدار

مطلوب یہ ہے کہ ہم اپنا اسلوب غیر عادلانہ نہ رکھیں، ظلم کی بات نہ کریں، الزام، دشنام، بد اخلاقی سے اپنا دامن بچائیں۔ بہترین اسلوب برائے دعوت استعمال کریں۔

لیکن ساتھ میں یہ توقع بھی نہ رکھیں کہ ہمیں سفہاء سی مقبولیت ملے گی، ہم عمران خان و طیب اردگان جیسا charisma نہیں لا سکتے۔ ہاں ہم اہلِ حق ہی جیتیں گے، اس کا ہمیں یقین ہے، لیکن اس کا سبب محض لوگوں کا جوق در جوق ہماری دعوت کو قبول کرنا نہیں، بلکہ، اللہ کی نصرت کا آنا ہو گا جس کے نتیجے میں لوگ جوق در جوق ہمارے ساتھ شامل ہوں گے!

حق کی دعوت کے خریدار ہمیشہ کم ہی ہوتے ہیں۔ کسی اللہ کے ولی سید زادے سے کسی نے حق کی دعوت کے عوام میں مقبول نہ ہونے پر پوچھا تو وہ بولے:

> ”بازار میں ایک گھڑی ایک ہزار کی اور ایک گھڑی سو روپے کی ہو تو بتائیے کون سی زیادہ بِکے گی؟ سامان وہی زیادہ بکتا ہے جس کی قیمت کم ہوتی ہے۔“

معاہدۂ براہیمی کا حصے بننے کے خواہاں لوگوں کے نام

امریکہ کے ایما پر اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو نارملائز کرنے کے لیے ۲۰۲۰ء میں کچھ عرب ریاستوں اور اسرائیل کے مابین ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جس کا معنی تھا کہ اسرائیل کا وجود تسلیم کر لیا جائے اور اسرائیل سے سفارتی و تجارتی تعلقات بنائے جائیں، یعنی اسرائیل جو مسجدِ اقصیٰ پر قابض ہے۔

اس کا قبضہ 'گویا' 'جائز' ہے۔ اس معاہدے کی نسبت حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف کی گئی تھی کہ وہ ابراہیمی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے جد ہیں۔ اور اللہ کا قرآن واضح کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ حنیف مسلم تھے۔

اللہ کی شریعت ارضِ شام خاص کر فلسطین میں کسی 'یہودی ریاست' کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتی! اور اگر یہودی ریاست کو تسلیم ہی کرنا ہے، اس کے ساتھ نارملائزیشن ہی کرنی ہے تو دہائیوں سے جاری جہادِ فلسطین اور قدس کی آزادی...... نور الدین زنگی و صلاح الدین ایوبی سے، عز الدین القسام، عبد اللہ عزام، احمد یاسین، رنتیسی، اسامہ بن لادن، ایمن الظواہری، اسماعیل ہنیہ اور یحییٰ السنوار کا جہاد...... چہ معنی دارد؟

احساسِ زیاں پیدا کیجیے!

آج جس چیز کی کمی من حیث المجموع امت میں ہے وہ احساسِ زیاں ہے۔ یہ احساسِ زیاں نہ ہونا امت کے ہر طبقے میں موجود ہے، حتیٰ کہ مجاہدینِ عالی قدر جو اپنے گھر بار چھوڑ کر راہِ ہجرت و جہاد کو اختیار کرتے ہیں ان میں بھی کبھی کبھی اس کی کمی ہو جاتی ہے۔

دیکھیے اس امت کی سب سے زیادہ جہادی نسل کون ہے؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان کے لیے بھی اللہ سات آسمانوں کے اوپر سے حکم و تحریضِ جہاد بلکہ جہاد کے لیے غیرت تک کی آیات اتار رہا ہے۔

ساتھ میں اپنے نبی (علیہ ألف صلاۃ وسلام) کو بھی کہہ رہا ہے کہ "وحرض المؤمنین"، جنگ پر مومنوں کو ابھاریں۔

جہاد کے لیے نکلنے کا فیصلہ وحی پر عمل اور عقل کا اس وحی پر لبیک کہنا ہے۔

لیکن اگر جذبات نہ ہوں، احساس نہ ہو، دعائیں نہ ہوں، غمِ امت نہ ہو تو جہاد میں آکر بھی ہم دنیا دار ہو سکتے ہیں۔

اور آج، آج تو امت میں سب سے زیادہ مجاہدینِ عالی قدر کی مسئولیت ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ میں ایک ہجرتِ ثانیہ کریں، اہلِ غزہ کی خاطر۔

یہ مجاہدین ڈھاکہ و بمبئی میں ہوں یا سری نگر و لاہور میں یا کابل و دمشق میں، یہ ہجرت کا فیصلہ کریں، ان کے دل اہلِ غزہ کے ساتھ ہوں اور ہاتھ پیر اس عمل میں مصروف ہوں جو اہلِ غزہ کی نصرت اور قدس کی آزادی کی طرف لے جائے۔

کلیدی الفاظ یاد رکھیے: احساسِ زیاں۔

یہ احساس ہو تو گھر میں بیٹھے ایک تڑپتے شخص کو تبوک کی وادیوں اور گھاٹیوں میں چلنے کا اجر عطا کر دے اور اگر یہ احساس نہ ہو تو خطِ اول پر بیٹھا شخص بھی غافلین میں شامل ہو رہے!

احساس ہو تو قومیں زندہ رہتی ہیں، یہ مر جائے تو قصر الحمراء سے لال قلعے تک سبھی کچھ بے کار جاتا ہے!

☆☆☆☆☆

اخباری
کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

[اس تحریر میں مختلف موضوعات پر کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ان آراء اور کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)]

پاکستان انڈیا حالیہ کشیدگی

اپریل ۲۰۲۵ء کو ہونے والے پہلگام حملے اور اس کے بعد ہونے والی انڈیا اور پاکستان کی سہ روزہ فضائی جنگ نے پورے خطے کا ماحول گرم کر دیا۔ اس دوران جہاں انڈیا اور پاکستان کی دیرینہ دشمنی پر دونوں ممالک کی عوام کا ایک دوسرے کے خلاف سوشل میڈیا پر جوش و خروش دیکھنے میں آیا وہیں پاکستان اور ہندوستان کا میڈیا ایک دوسرے کے خلاف زہر اگلتا رہا۔ پروپیگنڈا کی جنگ طرفین سے جاری رہی اور جھوٹی خبروں اور جھوٹے دعووں کی بھرمار ہو گئی جس کی وجہ سے اصل حقیقت کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا۔ دو دن لگاتار ہندوستانی میزائل اور اسرائیلی ساختہ ڈرون پاکستان میں مساجد مدارس اور شہری آبادی کو ٹارگٹ کرتے رہے جبکہ پاکستان ان ڈرونز کو انٹرسیپٹ کرتا رہا اور لائن آف کنٹرول اور مقبوضہ جموں و کشمیر میں بمباری بھی کرتا رہا۔ ان دو دنوں میں پاکستان نے پانچ انڈین طیارے بھی مار گرائے جن میں فرانسیسی رافیل طیارے بھی شامل تھے۔

۹ مئی کی صبح پاکستان نے انڈین آپریشن 'سندور' کے مقابلے میں آپریشن 'بنیان مرصوص' شروع کیا اور ہندوستان کے اندر فوجی و دفاعی تنصیبات کو نشانہ بنایا۔ کچھ ہی گھنٹوں بعد امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ میدان میں کود پڑا اور اس نے سیز فائر کروا دیا۔ دونوں ملکوں کا دعویٰ ہے کہ سیز فائر کا مطالبہ مخالف فریق کی جانب سے کیا گیا، اور اس کے بعد دونوں ملکوں کے میڈیا جیت کے دعوے کرنے لگے۔

انڈیا کے مسلم کالم نگار

انڈیا کے وہ سارے مسلم کالم نگار، جو ہندوستان میں مودی حکومت کا مسلمانوں کے ساتھ روا امتیازی سلوک اور ہندتوا کے بھگوا دہشت گردوں کی جانب سے آئے روز مسلمانوں کی ماب لنچنگ کی دہائی دیتے رہتے تھے، وہی اب پاکستان کی جانب سے 'دہشت گردوں کی پشت پناہی' کے الزام میں پاکستان کو 'تباہ' کرنے، اسے 'سبق' سکھانے، پاکستان کا پانی بند کرنے اور 'پاکستانی مقبوضہ کشمیر' (آزاد کشمیر) پر قبضہ کرنے کے مطالبات کر رہے ہیں۔ یہاں ان کا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لیے دو مثالیں دی جا رہی ہیں:

آپریشن سندور میں کیا کھویا کیا پایا | اداریہ

"اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اس جنگ سے کیا پایا اور کیا کھویا؟ اس جنگ سے یہ صاف ہو گیا کہ ہندوستان دہشت گردانہ وارداتوں کے بعد سفارتی سرگرمیوں کے ساتھ فوجی کارروائی بھی کرے گا۔ ہندوستان کی پالیسی میں یہ اتنی بڑی تبدیلی ہے کہ اب اگر ہندوستان میں مودی حکومت کی جگہ کوئی اور حکومت بھی آجائے تو وہ بھی اسی پالیسی پر عمل پیرا رہے گی۔ لیکن ایسی پالیسی شفٹ کے ساتھ ایک اور سوال ہے کہ اس کا کیا اثر ہو گا؟ ہو سکتا ہے کہ اس کا مثبت نتیجہ بر آمد ہو، لیکن اب تک ایسا نظر نہیں آیا۔ پہلی سرجیکل سٹرائیک کے بعد ہوش ٹھکانے نہیں آئے، دوسری سرجیکل سٹرائیک کے بعد بھی اس کا دماغ درست نہیں ہوا، اسی لیے تیسری بار ہمارا ملک حملہ آور ہوا اور اس کا نتیجہ ایک جنگ کی صورت میں بر آمد ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کو اب یہ بات سمجھ میں آجائے کہ ہندوستان خصوصاً کشمیر میں دہشت گردانہ واردات کی صورت میں اس کے خلاف فوجی کارروائی ناگزیر ہے اور اس طرح شاید پاکستان ایسی حرکت کرنے سے باز رہے، لیکن اس بارے میں اب بھی کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ اس جنگ کا دوسرا اور سب سے اہم سبق یہ ہے کہ دشمن ہمیں مذہب کے نام پر آپس میں لڑانا چاہتا ہے اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ دشمن کی چال کا شکار نہ بنیں۔ ہمارا اتحاد اور اتفاق ہی ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس اتحاد کو مزید پختہ اور پائیدار کرنے کی ضرورت ہے۔"

[اردو ٹائمز]

چند روز کی فضائی جنگ سے کیا نتائج بر آمد ہوئے؟ | ندیم عبد القدیر

"یہ جنگ پاک مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر) کو پاکستان سے واپس لینے کا زریں موقع تھی۔ لیکن پاک مقبوضہ کشمیر تو درکنار چند دنوں کی صرف فضائی جنگ کے بعد ہی جنگ بندی کا اعلان ہو گیا۔ آخر ایسے کیسے پاک مقبوضہ کشمیر کو پاکستان سے آزاد کرایا جا سکتا ہے؟ آخر جنگ بندی کی اتنی جلدی ہی کیا تھی؟ جنگ بندی ہمیشہ ہی انسانیت کے لیے ایک راحت افزا پیغام ہے لیکن پاک مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کا کیا؟ پاک مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کا نعرہ کسی اور کا نہیں بلکہ بی جے پی کا رہا ہے۔ کیا اپوزیشن کی کوئی پارٹی بی جے پی

سے پوچھے گی کہ ان کے اس نعرے، وعدے اور ارادے کا کیا ہوا؟ کیا کوئی پارٹی پوچھے گی کہ جنگ بندی کے لیے اتنی جلدی ماننے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بھی ایسے حالات میں جب ہم جنگ میں بھاری تھے؟ یہ جنگ شاید کچھ اور دن چلتی تو پاکستان کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے، وہ جنگ لڑنے کا متحمل نہیں رہتا اور تب آسانی سے مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرایا جاسکتا تھا۔ آخر حکومت نے جنگ بندی کر کے اتنا سنہری موقع کیوں گنوا دیا؟

جموں وکشمیر ایک شورش زدہ ریاست:

اس جنگ میں جہاں پاکستان کو یہ معلوم ہوا کہ اب کشمیر میں کوئی بھی دہشت گردانہ واردات کی صورت میں اس پر حملہ ہو سکتا ہے، وہیں دوسری طرف پاکستان جموں وکشمیر کو ایک شورش زدہ ریاست ثابت کرنے میں کامیاب رہی۔ مودی حکومت کی آرٹیکل ۳۷۰ کو منسوخ کر دینے اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے عوام کو کشمیر میں بسانے کی پوری حکمت عملی کو اس جنگ میں بہت بڑا دھچکا پہنچایا ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کی طرف سے کیے جانے والے حملوں کا سب سے زیادہ نشانہ جموں کا ہی علاقہ تھا، وادی کشمیر نہیں۔ شاید پاکستان نے پوری سوچی سمجھی سازش کے تحت یہ کام کیا کیونکہ آرٹیکل ۳۷۰ منسوخ ہونے کے بعد جو غیر کشمیری جموں وکشمیر میں آکر بس رہے تھے وہ سب سے زیادہ جموں میں ہی آکر آباد ہو رہے تھے۔ اب اس میں کمی آئے گی اور کشمیر میں پلاٹ خریدنے کی بات اب شاید ہی کوئی کرے۔‘‘

[اردو ٹائمز]

پاکستانی میڈیا

پاکستانی میڈیا نے بھی پہلگام حملے کو ’’فالس فلیگ آپریشن‘‘ قرار دیا، جسے بنیاد بنا کر پاکستان کے شہریوں، مساجد، مدارس اور ایئر بیسز کو نشانہ بنایا گیا۔ جواب میں پاکستان نے بھی نہ صرف انڈیا کے حملوں کو روکا بلکہ ان کے پانچ جنگی طیارے مار گرائے، انڈیا کے اندر عسکری اہداف کو نشانہ بنایا اور روسی ساختہ ایئر ڈیفنس سسٹم کو بھی تباہ کیا۔ چونکہ انڈیا پاکستان کا روایتی حریف ہے اسی لیے پاکستانی میڈیا پر جذبہ حب الوطنی پورے جوش وخروش سے نظر آتا رہا۔ بھارت نے پہلگام حملے کے بعد تمام سفارتی تعلقات منقطع کر دیے اور پھر سندھ طاس معاہدے کو یک طرفہ طور پر معطل کر کے پاکستان کا پانی روکنے کی دھمکی دے دی۔ سندھ طاس معاہدے کے تحت راطی، بیاس اور ستلج کے پانی پر بھارت کا حق ہے اور سندھ، جہلم اور چناب کے پانیوں پر پاکستان کا حق ہے۔ اس سلسلے میں چند منتخب کالموں سے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

جنگ بندی ہو گئی، امن کب قائم ہو گا؟ | ڈاکٹر رشید احمد خان

’’۲۲ اپریل سے اب تک بھارت کی طرف سے پاکستان کے خلاف جو اقدامات کیے جا چکے ہیں، ان کی روشنی میں محض جنگ بندی کافی نہیں بلکہ بھارت سے سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی جیسے اقدامات کی فوری واپسی کا مطالبہ کیا جانا چاہیے۔ یہ اقدام پاکستان کی قومی سلامتی کے لیے براہِ راست خطرہ ہے اور جب تک اسے واپس نہیں لیا جاتا پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی جاری رہے گی اور تصادم کا امکان موجود رہے گا۔ اس کے ساتھ بھارت نے پاکستان کے ساتھ مواصلاتی روابط ختم کرنے اور اپنی فضا سے پاکستانی ایئر لائنز کے طیاروں کی پرواز پر جو پابندی لگائی ہے، وہ ختم ہونی چاہیے تاکہ دونوں ملکوں کے درمیان دیگر مسائل خصوصاً کشمیر پر نتیجہ خیز مذاکرات کے لیے مناسب ماحول پیدا ہو سکے۔ پہلگام واقعہ کے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان جھڑپوں میں مسئلہ کشمیر کے حل کی ضرورت ابھر کر سامنے آئی ہے اور اب یہ بات بین الاقوامی سطح پر بھی کھل کر کی جا رہی ہے کہ جب تک ان دونوں ملکوں کے درمیان کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوتا جنوبی ایشیا کا امن خطرے میں رہے گا۔ اس لیے وقتی جنگ بندی کو اگر خطے میں ایک مستقل امن میں ڈھالنا ہے تو پاکستان اور بھارت کے درمیان بنیادی مسائل، جن میں سرفہرست کشمیر ہے، کو حل کرنا ہو گا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس وقت اس کے فوری حل کا کوئی امکان نہیں۔ پاکستان اور بھارت کی موجودہ قیادت اس کے حل کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے مذاکرات پر آمادہ ہو جائے تب بھی اس پر مذاکرات کے لیے وقت درکار ہے، کیونکہ بھارتی میڈیا نے اپنے عوام کے جذبات کو اس حد تک بھڑکا دیا ہے کہ بھارتی حکومت کو یہ قدم اٹھانے کے لیے ہیجانی کیفیت کے دور ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔‘‘

[روزنامہ دنیا]

خالد مسعود خان نے اس جنگ کے حوالے سے بالکل الگ نقطہ نظر پیش کیا ہے:

آخری معرکہ ابھی باقی ہے | خالد مسعود خان

’’میرے خیال میں حالیہ بھارتی حملے کو مکمل امریکی آشیر باد حاصل تھی۔ بھارت کو اس علاقے میں چین کے خلاف کھڑا کرنے سے پہلے اسے پاکستان جیسی گلے میں پھنسی ہوئی ہڈی سے خلاصی دلوانا اس سلسلے کی پہلی اور لازمی کڑی ہے۔ چین کو ایشیا سے نکل کر عالمی سطح کی عسکری طاقت بننے سے روکنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کام کو علاقائی سطح پر ہی ٹھپ دیا جائے اور اس کے لیے بھارت کو تیار کیا جا رہا ہے۔ بھارت کے ساتھ ایف ۳۵ جہازوں کا سودا اور علاقائی معاملوں میں اس کی غیر مشروط امریکی حمایت اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بھارت کو اس کی شمال مغربی سرحدوں سے بے فکر کیے بغیر یہ سب کچھ

ناممکن ہے۔ پاکستان کو نیپال، بھوٹان اور سری لنکا بنائے بغیر بھارت کو علاقے کا تھانیدار بنانا ممکن نہیں۔ لہٰذا پاکستان کو بھارت کے سامنے سرنگوں کیے بغیر امریکی اور بھارتی ایجنڈا پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ پہلگام کے ڈرامے کی آڑ میں پاکستان پر حملے کے منصوبے کے پیچھے امریکی اجازت نے مودی کے ناپاک ارادوں کو مزید ہلہ شیری بخشی اور بھارت پاکستان پر چڑھ دوڑا۔

پہلگام میں سٹیج کیا گیا ڈرامہ متوقع حملے کا بہانہ تھا۔ پاکستان چیختا رہا کہ وہ اس واقعے کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کے لیے تیار ہے، مگر کسی نے اس پیشکش کو رتی برابر اہمیت نہ دی۔ امریکی تاریخ خود ایسے بہانہ ساز حملوں سے بھری پڑی ہے۔ نائن الیون کے بعد بلا تحقیق افغانستان کی بربادی اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی آڑ میں عراق کی تباہی ہمارے سامنے کے واقعات ہیں۔ امریکہ اس مسئلے پر خاموشی سے ایک طرف ہو گیا۔ امریکہ جیسا چودھری ایک طرف کھسک جائے تو یورپ جیسے کمیوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اس معاملے میں اپنی کوئی رائے دیتے۔ یہ سب کچھ مودی کے لیے گرین سگنل تھا۔ طاقت کے نشے میں چور مودی کو اس کے خواہش کردہ فرانسیسی ساختہ رافیل طیاروں نے مکمل اور فوری فتح کا خواب بھی دکھا رکھا تھا۔ اب بھلا درمیان میں اور کیا رکاوٹ تھی۔ اسے یقین تھا کہ یہ جنگ محض دو چار دن کا کشٹ ہو گا۔ معاشی طور پر تباہ حال پاکستان اس جدید، مہنگی اور یکطرفہ جنگ کو بھلا کہاں برداشت کر پائے گا۔ ہوائی حملوں، تباہ کن بمباری، میزائلوں کی بارش اور ڈرون جہازوں کی مسلسل آمد، تباہی اور خوف و ہراس کی ایسی داستان لکھے گی کہ یا تو پاکستان ہاتھ کھڑے کر دے گا اور یا پھر ایٹم بم چلانے کی دھمکی دے گا۔ امریکہ کو پاکستان پر براہِ راست حملے کے لیے اسی لمحے کا انتظار تھا۔ یہ ایک اور weapon of mass destruction والا بیانیہ و بہانہ ہے جو امریکہ کو درکار تھا اور اس کام کو اختتام تک پہنچانے کے لیے امریکہ نے بھارتی سرزمین اور اسرائیل کی تکنیکی و حربی مدد کا بندوبست تو کافی عرصے سے کر رکھا ہے، بس مناسب موقع کی تلاش تھی جو پہلگام ڈرامے کی آڑ میں تلاش کر لیا گیا تھا۔

بھارت، امریکہ اور اسرائیل پر مشتمل ٹرائیکا کو یقین کامل تھا کہ چار چھ دن کے زوردار فضائی، میزائل اور مسلسل ڈرون حملے پاکستان کے دفاعی نظام کے پرخچے اڑا کر رکھ دیں گے۔ رافیل طیارے پاکستان کی فضاؤں پر راج کریں گے۔ اگر پاکستان کی طرف سے کوئی جوابی کارروائی ہوئی تو بھارت کا ایس ۴۰۰ جیسا فضائی دفاعی نظام اس کا توڑ کر لے گا۔ پاکستان کی اقتصادی حالت اس قابل نہیں کہ چار چھ دن سے زیادہ لمبی جنگ کا متحمل ہو سکے۔ کہانی ان کے حساب سے مکمل تھی مگر سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ گیا۔

...... کیا یہ آخری معرکہ ہے؟ ہرگز نہیں! ہم زندہ ہوں یا نہ ہوں لیکن ایک آخری اور فیصلہ کن معرکہ اس خطے کا مقدر ہے کیونکہ پاکستان کے خاتمے کے لیے بھارت میں اور بہت سے مودی ایک قطار میں ہیں اور ایٹمی طاقت سے لیس پاکستان عالمی طاقتوں کی آنکھ میں بُری طرح 'رڑک' رہا ہے۔''

[روزنامہ دنیا]

اسی طرح کالم نویسوں کی ایک بڑی تعداد اس جنگ کو 'حق و باطل' کی جنگ کے طور پہ دیکھ رہی ہے۔ انصار عباسی بھی انہی لکھاریوں میں سے ایک ہیں۔

اسلام کی جیت مبارک ہو | انصار عباسی

''بھارت کے پاس فرانس کے جدید ترین رافیل جنگی طیارے تھے، دنیا کا مہنگا ترین اور جدید روسی ایئر ڈیفنس سسٹم تھا، اسرائیل کے دنیا بھر میں مانے جانے والے ڈرونز تھے، سپر سونک میزائل براہموس تھے، اور پاکستان سے بہت بڑی فوج تھی۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے پاکستان نے چند ہی گھنٹوں میں بھارت کو چت کر دیا اور ایسا چت کیا کہ وہ خوف کے مارے فوری بھاگا بھاگا امریکہ کے پاس پہنچا کہ مجھے پاکستان سے بچاؤ۔ بھارت کے رافیل گرا دیے گئے، براہموس اور ڈرونز کو بھی تباہ کر دیا گیا۔ جو بھارت پاکستان کو پاکستان کے اندر گھس کر مارنے کی دھمکی دے رہا تھا اُس پر سارا کھیل الٹ دیا گیا۔

بھارت کے کئی شہروں میں میزائل برسا دیے گئے، وہاں قائم درجنوں ایئر بیسز کے ساتھ ساتھ دفاعی تنصیبات اور اسلحے کے ڈپوؤں کو آگ اور شعلوں کے حوالے کر دیا گیا۔ بھارتی فوج اور فضائیہ کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ کر سکے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان نے سائبر وار میں اُس بھارت کے مہنگے ترین فضائی ڈیفنس سسٹم کو مکمل تباہ کر دیا، اُس بھارت کی اہم ترین انٹرنیٹ سائٹس کو ہیک کر لیا اور اُس بھارت کو ستر فیصد اندھیرے میں ڈبو دیا جو دنیا میں آئی ٹی کے شعبہ میں مانا جاتا ہے۔

یعنی فوج بڑی، پیسہ بہت زیادہ، اسلحہ جدید ترین اور مہنگا ترین، آئی ٹی میں چیمپئن، یہ سب ہوتے ہوئے اپنے سے کئی گنا کمزور سمجھے جانے والے پاکستان سے ہار گیا۔ پاکستان کی فوج اور ہمارا دفاعی نظام بھی دنیا میں مانا جاتا ہے لیکن بھارت کے بارے میں یہ رائے عام تھی کہ وہ کنونشنل وار فیئر میں پاکستان سے بہت آگے ہے۔ لیکن پاکستان نے چند گھنٹوں میں بھارت کے غرور کو خاک ملا دیا۔ کچھ لوگ اس کا کریڈٹ کسی جہاز، کسی میزائل اور فوج کی ٹریننگ کو دیتے ہیں لیکن اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کے بغیر اتنی بڑی کامیابی ممکن نہیں تھی۔ ہم نے یہ جنگ اسلامی اصولوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق لڑی۔''

[روزنامہ جنگ]

۷، ۸ اور ۹ مئی تک، تین دن جاری رہنے والی اس جنگ میں ٹرمپ نے جو سیز فائر کا اعلان کیا، جبکہ اس سے پہلے ٹرمپ نے کوئی مداخلت نہیں کی، یہ حرکت کافی معنی خیز معلوم ہوتی ہے۔ جنگ بندی کے بعد بننے والی صورتحال نے نہ صرف خطے بلکہ دونوں ممالک کے اندرونی حالات پر بھی گہرا اثر ڈالا۔

پاکستان میں جاری فوج اور آئی ایس آئی کی ظالمانہ پالیسیوں کی بدولت فوج کے خلاف جتنی نفرت تھی، انڈیا کے خلاف ڈٹ جانے کی وجہ سے وہ فوج کی حمایت میں بدل گئی۔ پرویز مشرف اور اس کے بعد سے جاری فوج اور آرمی چیف کی اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف کارروائیاں، دین پسند اور جہاد فی سبیل اللہ کی بات کرنے والے ہزاروں لوگوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنا، سیاسی، عدالتی اور میڈیا کے اداروں کو دھونس اور طاقت سے اپنے کنٹرول میں رکھنا، یہ وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے فوج کے خلاف نفرت بتدریج بڑھتی رہی۔ لیکن اس تین روزہ جنگ نے آرمی چیف عاصم منیر کو زیرو سے ہیرو بنا دیا۔ اور عوام تمام باتیں بھلا کر فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہو گئی۔

انڈیا میں مودی حکومت کی ساکھ اور اس کی عسکری و ٹیکنالوجی میں برتری کے زعم کو شدید دھچکا لگا۔ انڈیا کی سٹریٹیجک ناکامی پر خود وہاں کے تجزیہ نگار اب مودی کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور ہندوستانی میڈیا پر جو جھوٹ کا بازار گرم تھا اس پر تو بین الاقوامی سطح پر انڈیا کی جگ ہنسائی ہوئی۔

اس معاملے کا ایک مضحکہ خیز پہلو یہ بھی ہے کہ ایک طرف انڈیا کے مسلمان ہند تو اتحریک اور بی جے پی کے مظالم اور ان کی نفرتیں بھلا کر پاکستان کے خلاف کھڑے ہو گئے، یہی نہیں بلکہ پاکستان کے خلاف جنگ کو حق و باطل کی جنگ سمجھ کر اپنے 'سیکولر' ملک پر جان نچھاور کر کے 'شہید' ہونے کی آرزو کرتے رہے۔ دوسری طرف پاکستان میں بھی اسے 'حق و باطل' کی جنگ کا لبادہ اوڑھایا گیا۔ کفار کے خلاف اپنی سرحدوں کی حفاظت ایک دینی و قومی فریضہ ضرور ہے، لیکن یہ حق و باطل کی جنگ ہرگز نہیں ہو سکتی۔

یہی ہماری امت کا سب سے بڑا المیہ ہے اور یہی کفار کی سب سے بڑی جیت ہے۔ سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد انگریزوں نے جس طرح مسلمانوں کے حصے بخرے کر کے انہیں ملکوں اور جغرافیائی حد بندیوں میں، کہیں قومیت، کہیں وطنیت کے شکنجے میں اس بری طرح جکڑا کہ امت کی اصل طاقت کا شیرازہ بکھر گیا۔

اب مسلمان امت کے تصور سے ہی نابلد دکھائی دیتے ہیں۔ ادھر ہندوستان میں بیٹھے پچیس کروڑ مسلمان ہندو ریاست کے لیے بڑے فخر سے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں جہاں انہیں مسلمان ہونے پر نفرت و تفریق کا نشانہ بنایا جاتا ہے، دوسری طرف پاکستانی فوج، جو اپنے ہی ملک میں حق کی آواز کو بزور طاقت دبا رہی ہے، جن کا بظاہر شعار 'ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ' ہے، لیکن حق و باطل کی حقیقی جنگ تو فلسطین اور غزہ کے محاذوں پر لڑی جا رہی ہے، اس جنگ میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اٹھنے کی بات آئے تو ان افواج کی زبانیں گنگ اور ہتھیار خاموش ہو جاتے ہیں۔ حق و باطل کی وہ جنگ جس میں نہتے، مٹھی بھر مجاہدین ڈیڑھ سال سے ڈٹے ہوئے ہیں، جہاں مسلمانوں کا قتل عام اٹھارہ مہینوں سے جاری ہے، جس کے متعلق قرآن بھی وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کی صدا لگاتا ہے۔

لیکن ان تمام مسلم طاقتوں، مسلمان افواج اور ان کے عظیم الشان ہتھیار 'صم بکم عمی' کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ ایسے میں ان کا ایمان سرحدی اور جغرافیائی حد بندیوں تک محدود ہو جاتا ہے اور ایسے میں جہاد فی سبیل اللہ کا سبق علماء بھی پڑھانا بھول جاتے ہیں!

غزہ میں جاری قتلِ عام

غزہ پر جاری صہیونی ظلم و بربریت کو ڈیڑھ سال ہو گیا ہے۔ اسرائیل نے وہاں وحشت و درندگی کی ایسی مثال قائم کی ہے کہ شیطان بھی شرما جائے۔ اسرائیلی بمباریوں اور قتل عام کے سرکاری اعداد و شمار تو ترپن (۵۳) ہزار سے کچھ زیادہ ہیں، لیکن حقیقت میں یہ تعداد لاکھوں میں ہے۔ پورے غزہ کا انفراسٹرکچر تباہ کرنے کے بعد عارضی کیمپوں میں پناہ لیے ہوئے نہتے شہریوں پر بمباری کی جا رہی ہے، کوئی ہسپتال کوئی سکول نہیں چھوڑا جہاں بمباری نہ کی ہو۔ ایک طرف دن رات مستقل بمباری تو دوسری طرف دو مارچ سے ہر طرح کی بیرونی امداد کو اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ اس وقت غزہ میں اس درجے کا قحط ہے کہ ستاون (۵۷) لوگ اب تک بھوک پیاس کی وجہ سے جان کی بازی ہار گئے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کے مطابق پانچ لاکھ آبادی خوراک نہ ملنے کی وجہ سے موت کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ ایسے میں انتہا پسند صہیونی قومی سلامتی کے وزیر بن گویر نے ہرزہ سرائی کی:

> ”جیسا کہ اسرائیل نے غزہ میں پچھلے دو ماہ میں کیا، اسے غزہ میں خوراک، پانی، ادویات اور دیگر امداد کے داخلے کو مکمل طور پر بند رکھنا چاہیے تاکہ آبادی کو بھوکا مارا جائے۔
>
> ...... خوراک کے گوداموں اور جنریٹروں پر بھی بمباری کی جائے یہاں تک کہ ان کے پاس کسی قسم کا سامان نہ بچے اور بجلی مکمل طور پر منقطع ہو جائے۔“

[Aljazeera English]

دوسری طرف نیتن یاہو نے اپنی کابینہ سے غزہ پر مکمل قبضے کی خاطر بڑے پیمانے پر زمینی کارروائی کے لیے ہزاروں فوجیوں کی تعیناتی کا مطالبہ بھی منظور کروالیا، اور دھڑلے سے بین الاقوامی امدادی اداروں سے مطالبہ کیا کہ تمام امداد اسرائیلی فوج کے کنٹرول میں دی جائے تاکہ وہ خود اسے اپنی مرضی سے لوگوں میں تقسیم کرے۔

اس قدر ابتر صورتحال میں جبکہ خود اسرائیل کا ساتھ دینے والے ممالک فرانس، سپین، جرمنی، برطانیہ وغیرہ بھی امداد روکنے پر اسرائیل کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اور مسلسل امداد کی فراہمی بحال کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں ایسے میں مسلم ممالک کیا کر رہے ہیں؟

پاکستان

جہاں پاکستانی عوام کو غزہ کے لوگوں کے لیے آواز اٹھانے اور امریکی سفارت خانے کے باہر احتجاج کرنے سے بزورِ طاقت روکا جا رہا ہے، وہیں پس پردہ طاقتیں اسرائیل کو تسلیم کروانے کے لیے راہ ہموار کر رہی ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک وفد نے مارچ ۲۰۲۵ء میں اسرائیل کا غیر سرکاری دورہ کیا۔ اس دس رکنی وفد نے ایک غیر ملکی این جی او 'شراکا اورگنائزیشن' (Sharaka Org) کے توسط سے اسرائیل کا یہ دورہ کیا جبکہ عوام کی طرف سے تحقیق کا مطالبہ کیے جانے کے باوجود حکومتِ پاکستان نے لاعلمی کا اظہار کیا اور چشم پوشی کی۔

۲ اپریل ۲۰۲۵ء کو اقوامِ متحدہ کی ہیومن رائٹس کونسل میں او آئی سی یعنی اسلامی کانفرنس کی تنظیم نے مقبوضہ فلسطینی علاقے بشمول مشرقی یروشلم میں انسانی حقوق کی صورتحال پر ایک قرارداد پیش کی، اس قرارداد کو ترمیم کے بعد منظور کر لیا گیا۔ اس قرارداد کی منظوری کے بعد امریکن جیوئش کانگرس نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں او آئی سی کے رکن ممالک خصوصاً پاکستان کی کاوش کا خیر مقدم کیا گیا۔ امریکن جیوئش کانگرس نے یہ اعلامیہ اپنی ویب سائٹ پر اردو میں بھی نشر کیا، جس سے اقتباس درج ذیل ہے:

انسانی حقوق کونسل کی قرارداد میں جانبداری کی مذمت اور پاکستان کی قیادت میں اسلامی تعاون تنظیم کی اسرائیل سے متعلق قرارداد میں اہم تبدیلیوں کا خیر مقدم | امریکن جیوئش کانگرس

”اگرچہ یہ قرارداد اسرائیل کے خلاف گہرا تعصب رکھتی ہے، لیکن امریکی یہودی کانگریس پاکستان کے اس کردار کا خیر مقدم کرتی ہے جس کے تحت جنیوا میں انسانی حقوق کونسل کی اس قرارداد کے انتہائی متنازعہ نکات کو نکالا گیا ہے، اور ایسی زبان شامل کی گئی ہے جس میں ۷ اکتوبر کے حملوں کی مذمت کی گئی اور یرغمالیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ قرارداد سعودی عرب کے زیر قیادت اسلامی تعاون تنظیم (او آئی سی) کی جانب سے پیش کی گئی تھی، جو ۵۷ مسلم اکثریتی ممالک کی نمائندہ تنظیم ہے۔

......منظور شدہ قرارداد میں درج ذیل اہم نکات قابل ذکر ہیں:

- قیدیوں، خواتین قیدیوں، اور لاشوں کی حوالگی سے متعلق بین الاقوامی معیارات کا ذکر، جو کہ حماس پر واضح تنقید ہے۔
- سات اکتوبر کے دہشت گردانہ حملوں کی باضابطہ مذمت۔
- اسرائیل پر شہری آبادی والے علاقوں پر راکٹ حملوں کی صریح تنقید اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرنے والے مسلح گروہوں کی مذمت۔
- ایک ایسا پیراگراف جس کے تحت اسرائیلی حکام کے خلاف اقوام متحدہ میں مقدمہ چلانے کا میکنزم قائم ہونا تھا، اسے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ ایک غیر پابند تجویز دی گئی۔

یہ عناصر، او آئی سی کی طرف سے پیش کردہ قرارداد کے متن میں اہم تبدیلی کو ظاہر کرتے ہیں، جو مشرق وسطیٰ میں بدلتے ہوئے سفارتی رجحانات کی علامت ہو سکتی ہے۔ او آئی سی کے کئی رکن ممالک جیسے کہ البانیہ، مراکش، اردن، آذربائیجان، اور متحدہ عرب امارات، اسرائیل کے مضبوط شراکت دار ہیں۔

سب سے قابل ذکر بات پاکستان کا کردار ہے، جس نے اصل مسودے سے سب سے زیادہ متنازعہ شق کو تبدیل کرنے میں سفارتی مدد کی ہے، جو 'تمام فریقین' کے خلاف انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر مقدمات چلانے کیلیے اقوام متحدہ کا مستقل میکانزم قائم کرنے کی تجویز دے رہی تھی۔ اس کی جگہ، حتمی مسودے میں صرف جنرل اسمبلی کو ایسی تجویز پر غور کرنے کا کہا گیا ہے، جو ایک اہم فرق ہے کیونکہ جنرل اسمبلی کی قراردادیں غیر پابند ہوتی ہیں۔

ہم پاکستان اور او آئی سی کی اس ترمیم کو ایک تعمیری اشارہ سمجھتے ہیں جو مشرق وسطیٰ میں بدلتے ہوئے سفارتی منظرنامے کی عکاسی کرتا ہے۔ مسلم اکثریتی ممالک جیسے کہ آذربائیجان، مراکش، اور امارات، اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط کر رہے ہیں، اور انڈونیشیا بھی اسرائیل کے ساتھ تعلقات بڑھانے پر غور کر رہا ہے۔ یہ علاقائی تبدیلیاں صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی انتظامیہ کے تحت ابراہیمی معاہدوں کے دوسرے مرحلے کی توقعات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

اسرائیل کی طرح، پاکستان نے بھی دہشت گرد گروہوں کے خلاف جنگ لڑی ہے، جن میں وہ گروہ شامل ہیں جو نظریاتی طور پر حماس جیسے گروہوں سے جڑے ہوئے ہیں، جیسے القاعدہ۔ اس تناظر میں، پاکستان کا ایسی زبان کو شامل کرنا دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے وسیع تر مؤقف کا قدرتی تسلسل ہے، جو مستقبل میں تعلقات پر بات چیت کیلیے سازگار ماحول فراہم کر سکتا ہے اور پاکستان–امریکہ تعلقات کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتا ہے، خاص طور پر انسداد دہشت گردی اور علاقائی استحکام کے تناظر میں۔“
[AJCongress.org]

اس قرارداد کے خلاف پاکستان کے سابق سینٹر مشتاق احمد خان نے آواز اٹھائی اور حکومت سے وضاحت طلب کی اور اس قرارداد پر ایک تفصیلی رپورٹ تحریر کر کے اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر شیئر کی جس میں سے اقتباس پیش خدمت ہے:

شہباز حکومت کی فلسطین کے ساتھ شرمناک غداری | سینیٹر مشتاق احمد

”شہباز حکومت نے اب تک کیا وضاحت کی ہے؟

وزارتِ خارجہ کی وضاحت کے تین نکات ہیں:

- یہ او آئی سی کی مشترکہ قرارداد ہے۔
- قرارداد فلسطین کی طرف سے منظوری کے بعد پیش کی جاتی ہے۔
- قرارداد سے IIIM کو مکمل طور پر نہیں نکالا گیا بلکہ جنرل اسمبلی کو اس پر غور کرنے کے لیے ریفر کر دیا گیا ہے۔

ساتھ ہی یہ لکھا گیا ہے کہ پاکستان کی اسرائیل کے ساتھ کوئی بات چیت نہیں ہے اور اس کے مفادات کو مدنظر رکھنے کے الزامات بے بنیاد ہیں۔

ان تین باتوں کی حقیقت:

۱. پاکستان اقوام متحدہ میں او آئی سی کا نمائندہ نہیں ہے۔ پاکستان کا مشن وہاں ملکی پالیسی اور قائد اعظم کے وژن کی نمائندگی کرتا ہے۔ پاکستان ہیومن رائٹس کونسل میں او آئی سی کا کوآرڈینیٹر ملک ہے۔ مگر اس کی یہ حیثیت ملکی پالیسی پر خط تنسیخ نہیں کھینچ سکتی۔ حکومت واضح کرے کہ اس کی فلسطین کی مزاحمت کے بارے میں کیا پالیسی ہے۔

۲. اقوام متحدہ میں فلسطین کی نمائندگی پی ایل او (PLO) کرتی ہے جو اسرائیل کو تسلیم کر چکی ہے اور جس کا چیئرمین محمود عباس ہے۔ فلسطینی اتھارٹی، جس کی حکومت نے اسرائیل کے ساتھ 'سکیورٹی تعاون' جاری رکھا ہوا ہے اور اسرائیل کی دست راست ہے، وہ پی ایل او کے تحت کام کرتی ہے۔ اس صورتحال میں پی ایل او کی حیثیت فلسطینیوں کے نمائندوں کی نہیں بلکہ استعمار کی مسلط کردہ کٹھ پتلیوں کی ہے جن کی منظوری کسی اقدام کا جواز نہیں بن سکتی۔

۳. ہیومن رائٹس کونسل کے ذریعے میکانزم نہ بنانا اور جنرل اسمبلی سے اس پر غور کی درخواست کرنا۔ اگر یہ واقعتاً یورپی یونین یا امریکی ایما پر کیا گیا ہے تو یہ او آئی سی کو نسل کشی اور نسلی تطہیر میں شریک جرم بناتا ہے۔

آخری اضافی نکتہ بے بنیاد ہے، کیونکہ اسرائیل کے مفادات کے لیے دباؤ ہمیشہ کسی دوسرے ملک سے آتا ہے۔ فلسطین کی مزاحمت کو نشانہ بنانا اور نازی اور وحشی صہیونی مجرم کے برابر اس کو لا کر کھڑا کرنا اسرائیل کے مفادات کا ہی تحفظ ہے۔

ایسے میں جب امریکہ اور اسرائیل غزہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے تیار ہیں اور مزاحمت کے ہتھیاروں پر فلسطینی اتھارٹی اور عرب ممالک بھی وار کر رہے ہیں، او آئی سی کی طرف سے مزاحمت کی کارروائیوں اور معرکہ طوفان الاقصیٰ کی مذمت فلسطین اور مسجد اقصیٰ سے بدترین غداری ہے۔

پاکستانی اپنی حکومت سے بہت زیادہ توقعات نہیں رکھتے۔ سفارتی محاذ پر اگر حکومت مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتی تو فلسطین اور غزہ کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ نہ بنے۔

او آئی سی کے رکن ممالک کے عوام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بائیکاٹ اور انفرادی کوششوں سے آگے بڑھ کر اپنی حکومتوں سے جواب طلبی کریں اور سفارتی محاذ پر ایسی غداری کے معاملے میں جرأت نہ پیدا ہونے دیں۔

حکومت کو مزاحمت کے حوالے سے مؤقف فوری طور پر واضح کرنا چاہیے اور اس کے لیے تمام سیاسی کارکنوں، سوشل میڈیا ایکٹوسٹس، اور فلسطین سے ہمدردی رکھنے والوں کو آواز بلند کرنی چاہیے۔“

سعودی عرب، قطر اور متحدہ عرب امارات

ڈونلڈ ٹرمپ نے حال ہی میں اپنے پہلے سرکاری دورے پر مشرقِ وسطیٰ کے اہم ممالک سعودی عرب، قطر اور متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا، جہاں اس نے اربوں ڈالروں کے تجارتی معاہدوں پر دستخط کیے۔ سعودی عرب میں محمد بن سلمان نے وی وی آئی پی پروٹوکول کے ساتھ دشمنِ اسلام کا استقبال کیا۔ اس دورے میں سعودی عرب نے امریکہ کے ساتھ ایک سو بیالیس عرب ڈالر کے دفاعی معاہدے کا اعلان کیا جبکہ دیگر تجارتی اور سرمایہ کاری کے ایک ٹرلین ڈالر تک کے معاہدے کیے۔ اس دورے میں ٹرمپ نے سعودی عرب سے اسرائیل کو تسلیم کر کے ابراہیمی معاہدے میں شمولیت کی بھی خصوصی 'درخواست' کی۔ ایسے موقع پر اگر سعودی عرب چاہتا تو غزہ کے مظلوموں کے لیے کسی ریلیف کا مطالبہ کر سکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ دورہ ایسے وقت میں ہوا جب حماس نے آخری امریکی یہودی قیدی 'ایڈن الیگزینڈر' کو خیر سگالی جذبے کے تحت رہا کیا اور مطالبہ کیا کہ غزہ میں روکی ہوئی امداد بحال کی جائے اور مکمل سیز فائر کے لیے مذاکرات کیے جائیں۔

قطر میں بھی ٹرمپ کا والہانہ استقبال کیا گیا اور چھیانوے عرب ڈالر کے معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔ جبکہ تیسرا پڑاؤ متحدہ عرب امارات میں تھا وہاں بھی چودہ کھرب ڈالر کے معاہدوں پر

دستخط کیے گئے۔ ان تمام مسلم ممالک کے سربراہان نے فلسطینیوں کے قاتل کو جس طرح عزت اور سرمایہ دیا وہاں کے مسلمانوں کو غیرت و حمیت کے مارے یا تو اٹھ کھڑے ہونا چاہیے یا شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہیے کہ ایک طرف عالمِ کفر میں بھی بائی کاٹ کی مہم زوروں پر ہے، جبکہ دوسری طرف مسلم ممالک کے سربراہان اسی قاتل ملک میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری بڑے جوش و خروش سے کر رہے ہیں جہاں سے بم بارود اور اسلحہ بغیر کسی رکاوٹ کے اسرائیل کو مستقل فراہم کیا جا رہا ہے۔

یہ تو حال ہے غزہ کے پڑوسی ممالک کا، جنہیں کوئی پرواہ نہیں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ڈیڑھ سال سے غزہ میں قتلِ عام جاری ہے۔ بھوک پیاس سے بچے مر رہے ہیں، دیوار کے ایک طرف لُٹی پِٹی، بھوکی پیاسی فلسطینی عوام جبکہ دیوار کے دوسری طرف سینکڑوں امدادی ٹرکوں کی لمبی قطاریں، اور ان ممالک کے مسلمانوں میں اتنی غیرت نہیں کہ دیوار توڑ کر اپنے مسلمان بھائیوں کو بچالیں۔

الجزیرہ پر غزہ کی ایک خاتون کی تحریر سے ایک اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

My nephew asks if he will eat meat only in heaven. I struggle to answer. | Hala Al-Khatib

”پانچ سالہ خالد اپنی والدہ کے فون پر کھانے کی تصاویر دیکھتے ہوئے ہر روز گوشت طلب کرتا رہتا ہے۔ وہ تصاویر کو دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا اس کے شہید باپ کو یہ سب کچھ جنت میں کھانے کو ملتا ہے؟ پھر وہ پوچھتا ہے کہ اس کی اپنی باری کب آئے گی تاکہ وہ بھی اس سے جا ملے اور اپنے والد کے ساتھ کھائے۔

ہم سے کوئی جواب نہیں بن پاتا۔ ہم اسے صبر کرنے کو کہتے ہیں اور یہ کہ اسے صبر کا پھل ضرور ملے گا۔

مجھے قحط اور بے چارگی کے مناظر روزانہ دیکھ کر بے بسی سی محسوس ہوتی ہے۔ میں خود سے سوال کرتی ہوں کہ دنیا کیسے خاموش رہ لیتی ہے جبکہ وہ بچوں کے جسموں کو لاغر اور کمزور ہوتا اور بیماروں اور زخمیوں کو آہستہ آہستہ مرتا دیکھ رہی ہے؟

قابضین ہمارے قتل کا ہر حربہ آزماتے ہیں، بمباری سے، بھوک سے یا بیماری سے۔ ہمیں ایک روٹی کے ٹکڑے کے لیے بھی بھیک مانگنے کی حد تک گرا دیا گیا ہے۔ پوری دنیا تماشائی ہے اور ایسے ظاہر کرتی ہے جیسے وہ ہمیں یہ تک دینے پر قادر نہیں۔“

[Aljazeera English]

جب غزہ کے مسلمان اس ظلم کا شکار ہیں، ایسے میں ہم میں سے ہر ایک مجرم ہے جو خاموش تماشائی بنا دیکھ رہا ہے۔

اے اہلِ غزہ ہمیں معاف کرنا ہم تمہیں بچا نہیں پا رہے!

آخر میں مڈل ایسٹ مانیٹر پر جمال کنج کی ایک تحریر سے اقتباس کا ترجمہ پیش خدمت ہے جو راقم کے جذبات کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

”غزہ، مجھے معاف کر دو! عرب اتحاد کے وہم پر یقین کرنے پر، یہ گمان کرنے پر کہ تم ایک عظیم تر عرب قوم کا حصہ ہو۔ اس پر کہ قاہرہ، عمان، دمشق، بغداد، ریاض اور دیگر حکمران تمہاری خاطر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہمارا درد ہماری جدوجہد مشترک ہے۔ مجھے یقین تھا کہ عرب دنیا تمہیں کبھی بھوکا نہیں چھوڑے گی۔ میں غلط تھا! اس کی بجائے، وہ تمہارے محاصرے کا حصہ بن گئے۔ رفح کی ناکہ بندی صرف اسرائیلی فوجیوں نے نہیں بلکہ مصری کنکریٹ کی دیواروں اور پہرے کے ٹاورز نے بھی کی ہے۔ امرائے عرب ان سے ہاتھ ملاتے ہیں جو تمہارے ہسپتالوں پر بمباری کرتے ہیں۔ عرب خلیج کے امیر حکمران وہ اسرائیلی ٹیکنالوجی خریدتے ہیں، جو پہلے تمہارے محلوں میں آزمائی گئی۔

غزہ، مجھے معاف کر دو! یہ سمجھنے پر کہ جن حکمرانوں نے فلسطین کے ساتھ ۱۹۴۸ء میں غداری کی تھی وہ کبھی تمہارا دفاع کریں گے۔ جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے ۹۰۰ سال قبل صلیبیوں کے لیے دروازے کھول دیے تھے، اپنی بقا کی خاطر فلسطینیوں کے خون کا سودہ کیا تھا، آج پھر وہ یہی کر رہے ہیں۔

غزہ، تاریخ خود کو دہراتی ہے! وہ بادشاہ و امراء جنہوں نے حملہ آوروں کا تب استقبال کیا تھا، آج بھی اسرائیل کو گلے لگا رہے ہیں، بھنے ہوئے اونٹوں پر شکم سیر ہوتے ہیں جبکہ تمہارے بچے بھوک سے مرجھا رہے ہیں۔ ان کے دارالحکومت موسیقی کے تہواروں کی روشنیوں سے جگمگاتے ہیں جبکہ غزہ کی راتیں امریکی ساختہ ۲۰۰۰ پاؤنڈ کے بموں کے شعلوں سے جل اٹھتی ہیں۔

عرب ظالم حکمرانوں سے، جو اب بھی اپنے نو آبادیاتی آقاؤں کے سامنے جھکتے ہیں، میں کہتا ہوں: یورپی صلیبیوں نے فلسطین پر قبضہ کرنے کے بعد تمہارے آباؤ اجداد کو نہیں بخشا۔ انہوں نے اپنی تلواروں کا رخ انہی کی طرف موڑ دیا جنہوں نے ان کی مدد کی تھی، اور ان کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو ایک ایک کر کے نگل لیا۔

غزہ، میں شرمندہ ہوں! کہ جب یمن کے لوگ تمہارے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اسرائیلی بندرگاہ پر ترسیل روک کر تمہارے بچوں کے لیے خوراک کا مطالبہ کیا، تو ان کے اپنے بچوں کو اسرائیلی امریکی پراکسی جنگ میں قتل کر دیا گیا۔ تمہاری طرح ان کا دکھ بھی بے آواز ہے، ان کی تکلیف پر بھی کوئی شہ سرخی نہیں بنتی۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۴ پر)

یہ غزہ ہے! یہاں زندگی اور موت کی جنگ جاری ہے!

(پہلی قسط)

فضیلۃ الشیخ سیف العدل (محمد صلاح الدین زیدان)

تمہید

جب بھی فلسطین میں صہیونی ریاست کو نقصان پہنچا، مغرب نے اس کا تدارک کیا، پورے مغرب نے، یہ مدد محبت یا انسانیت کی بنیاد پر نہیں تھی، کیونکہ ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ شرمناک ہے۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ مسلمان ایسی طاقت نہ بن جائیں جو دنیا کو خدائی رنگ میں ڈھال سکیں۔ اس شیطانی اتحاد نے اس مرحلے پر امتِ مسلمہ کے سلیم الفطرت افراد اور مظلوموں کو بیدار کیا ہے، اور اب مسلمانوں کو یقین ہو گیا ہے کہ دنیا ان کے چنگل سے اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتی اور نہ ہی امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ حاصل کی جا سکتی ہے جب تک مغرب کو شکست نہ دے دی جائے اور اسے عالمی سیاسی فیصلوں سے الگ تھلگ نہ کر دیا جائے۔

آج مغرب جو کچھ انسانوں کے ساتھ انسانیت کے نام پر کر رہا ہے اور گزشتہ دو صدیوں میں امتِ مسلمہ کے جن وسائل پر قبضہ کیا ہے، وہ ناقابلِ معافی جرم ہے، جس کی تاریخ میں کوئی مثال ملنی مشکل ہے۔ انہوں نے اپنے جھوٹے عالمی اسٹیج پر اخلاقیات اور اقدار کے بلند دعوے کیے، حالانکہ حقیقت میں وہ انصاف اور عدل کے بجائے حق کو اپنی ہی من مانی تعبیر سے غصب کر چکے ہیں اور عدل و انصاف کے نام پر دوسروں سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ ان کے پاس دنیا کو دینے کے لیے سوائے مغربی یورپ، شمالی امریکہ اور دیگر ممالک کی غلامی و حکمرانی کے کچھ نہیں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے مقبوضہ ممالک سے اپنی افواج واپس بلا لی ہیں، مگر وہاں حکمرانوں کے نام پر ایسے افراد کو مسندِ اقتدار بٹھا دیا ہے جو انہی کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں، مسلمانوں کو ذلیل کرتے ہیں، ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں اور مسلمانوں کی دولت کو وحشیانہ طریقے سے لوٹتے ہیں یا پھر اسے دشمنوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

جب تک فتنہ اور ظلم جاری ہے، اللہ کے لشکر ان کا خاتمہ کرنے کے لیے آتے رہیں گے۔ یورپ کی حالت بدتر ہو رہی ہے، اور امریکہ جو افغانستان میں عبرتناک شکست کے بعد بھی خلیجی ممالک سے خفیہ تعاون حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ دنیا ہمیشہ ان کی غلامی میں رہے، اب اس کا یہ تعاون کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے معاون و مددگاروں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مغرب کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور اپنے ضمیر، ایمان، اور یقین کو بیچ چکے ہیں۔ یہ وہ بدبخت افراد ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا۔ اس ذلت و عار میں تمام مسلم سیاستدان اور حکمران شریک ہیں، خاص طور پر خلیج کے حکام، اور ان میں سب سے آگے عرب امارات کے شیاطین ہیں۔

نیتن یاہو اس راستے پر چل رہا ہے جس پر اس سے پہلے کے تمام یہودی قصاب چل چکے ہیں۔ ان سے کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ سنجیدگی سے اپنے یہودی قیدیوں کو مجاہدین کے قبضے سے چھڑانے کے لیے مذاکرات کی کوشش کریں گے، کیونکہ مجاہدین کے ہاتھوں میں یہودی قیدیوں کا وجود ہی فلسطینیوں کی نسل کشی کے لیے سب سے بہترین بہانہ بن جاتا ہے۔ اگر قیدیوں کا تبادلہ ہو بھی گیا تو جنگ کا مقصد اور وجہ ختم ہو جائے گی، اور اس وقت (بعض) اندرونی یہودی حلقے ان پر حملہ کر دیں گے۔

اسی لیے نیتن یاہو کے لیے ضروری ہے کہ وہ مذاکرات کو مؤخر کرتا رہے تاکہ وہ کوئی نیا بہانہ تلاش کرے جس سے وہ اس تصادم کو مزید طول دے سکے، اپنے اقتدار کو برقرار رکھ سکے، اور اپنے صہیونی مخالفین سے بچا رہ سکے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ اس خطے کو ایک ایسے تصادم میں دھکیلنے میں کامیاب ہو پائے گا جس کی انتہا کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا؟ اور کیا یہ مشرق و مغرب کے درمیان تیسری عالمی جنگ کی بنیاد بنے گا؟

اہم سوالات

۱. کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دنیا پر مسلط طاقتیں عالمی نقشے میں تبدیلی کو ضروری سمجھتی ہیں؟
۲. کیا جنگ ہی واحد ذریعہ ہے اس تبدیلی کے لیے، یا وہ دیگر ذرائع کو ترجیح دیتے ہیں؟
۳. کیا دنیا کی ریاستیں اس جنگ کے لیے تیار ہیں؟
۴. کون سی ریاستیں واقعی ایسی جنگ میں ملوث ہونے کی خواہش رکھتی ہیں، جس کا کوئی اختتام نہ ہو؟
۵. چین اور بھارت جیسی طاقتیں کس حد تک اس میں شامل ہوں گی؟
۶. چونکہ یورپی ممالک نے افریقہ میں اپنی بہت سی دولت کھو دی ہے، کیا وہ اپنی زوال پذیر حالت کے باوجود افریقہ پر دوبارہ قابض ہو سکتے ہیں؟
۷. کیا امریکہ کے زوال پذیر غلام (یعنی افریقی ممالک) اب اسے چھوڑ دیں گے یا پھر ہمیشہ کی طرح اس کی پشت پناہی اور غلامی میں جیتے رہیں گے؟
۸. کیا تیل کا بہاؤ اسی طرح جاری رہے گا یا یہ کہ مخالف قوتیں اپنی حکمتِ عملی کے تحت تیل کے ذخائر کو تباہ کرنے یا ان پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گی تاکہ بڑی طاقتوں کو اس نعمت سے محروم کر دیا جائے؟

۹.   آخر کار، ایسی غیر اخلاقی اور بے لگام جنگ کے بعد دنیا کی صورت حال کیا ہو گی؟

یہ بہت بڑی غلطی ہو گی کہ ہم واقعات کو محض عسکری زاویے سے دیکھیں۔ ضروری ہے کہ ہم ہر واقعے کو اس کے تمام پہلوؤں، سیاسی، معاشی، سماجی، اور اسٹریٹجک، سے سمجھیں۔ یہ محدود سوچ ہے کہ ہم حالات کو صرف کسی خاص ریاست یا خطے کی سرحدوں میں قید کر کے دیکھیں۔ درحقیقت، ہمیں ان عالمی اتحادوں اور بلاکوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو تیزی سے تشکیل پا رہے ہیں، اور ان چھوٹی لیکن مؤثر طاقتوں کو سمجھنا ہو گا جو کسی بھی وقت کسی بھی بلاک کی طرف جھک سکتی ہیں، جیسے کشش اور دفع کی قوتیں کسی سیارے کے گرد اجسام کو گھماتی ہیں۔

راہ انقلاب کے سنگِ میل

معلومات اور اس کی تجدید

تمام تجربات اس بنیادی اصول پر زور دیتے ہیں کہ کامیابی کی اصل بنیاد تیاری اور میدانِ عمل میں فتح کے لیے معلومات کی فراوانی ہے۔ کسی بھی تصادم اور جنگ کی کامیاب تیاری کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں بنیادی معلومات حاصل ہوں، جن کی مدد سے ہم تصادم کا ایک واضح اور مفصل نقشہ تیار کر سکیں۔ یہ معلومات تصادم سے پہلے، دورانِ تصادم، اور بعد از تصادم حاصل کرنے کی مسلسل کوشش ہونی چاہیے، اور یہ عمل بغیر کسی وقفے کے جاری رہنا چاہیے۔ ان معلومات کا دائرہ صرف میدانِ جنگ تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس میں سماجی ڈھانچے اور قیادت کرنے والے افراد کی معلومات بھی شامل ہونی چاہئیں۔

آج کے دور میں تصادم صرف ہتھیاروں تک محدود نہیں رہا، بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبے میں پھیل چکا ہے۔ درست فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس معلومات اکٹھی کرنے کا ایسا نظام ہو جو اس تصادم کی شدت اور وسعت کے مطابق ہو، کیونکہ اب پوری دنیا کا ہر خطہ اس تصادم کا ایک میدانِ جنگ بن چکا ہے۔

ضروری ہے کہ ہم دشمن کے بارے میں جتنی ممکن ہو سکے معلومات حاصل کریں، خاص طور پر اس کے عسکری، سیاسی، سماجی اور اقتصادی معاملات کے حوالے سے۔ ہمیں اس کے اڈوں، بالخصوص ہوائی اڈوں، خفیہ و علانیہ ذخائر، ایندھن کے گوداموں، طاقت اور کمزوری کے نکات، اور اس کے اتحادیوں پر اس کے اثرات کا بغور تجزیہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح، دشمن کے مخالفین، غیر جانبدار ممالک، اور ہمارے دیگر دشمنوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، ان کے مفادات اور مواقع سے فائدہ اٹھانے کی حکمتِ عملی پر بھی گہری نظر رکھی جانی چاہیے۔ اپنے اتحادیوں کی پوزیشن اور طاقت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے، اور یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ہماری اپنی اقوام کی جدوجہد کے لیے تیاری، ان کا صبر اور قربانی دینے کی استعداد کس حد تک ہے۔

یہ ایک زندگی اور موت کا معرکہ ہے، جس میں بقاء یا فناء کا سوال ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسے ممکنہ حد تک اعلیٰ حکمتِ عملی اور مکمل احتیاط سے لڑا جائے، تاکہ ہر نوع کے لوگوں کے ساتھ مناسب طریقے سے برتاؤ کیا جا سکے۔ ہمیں حیلہ، فریب، سیاسی و اقتصادی چالوں کے ذریعے دشمن کے اتحادیوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور نہ صرف اتحادی گروپوں کے درمیان بلکہ ایک ہی گروہ کے اندر بھی اختلافات کی بیج بونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ لڑائی صرف لوہے اور آگ کے زور پر نہیں لڑی جاتی۔

صاف الفاظ میں کہا جائے تو بعض گروہوں کو براہِ راست نشانہ بنانا، بعض دیگر گروہوں میں حسد بھڑکاتا ہے، ان کے درمیان عداوت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ان کی ظاہری وحدت کو توڑنے اور ان کی طاقت کو کمزور کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

یہودیوں کے درمیان سیاسی کشمکش سے متعلق معلومات کی کمی کی وجہ سے جنگ توقع سے زیادہ طویل ہو گئی، اور یہودی عوامی تحریکوں کے اثر و رسوخ کے بارے میں معلومات کی کمی کی بدولت قیدیوں کے تبادلے کا معاملہ جیت کے لیے کامیاب حربہ نہ بن سکا۔ جنگ کے ۲۰۰ دن گزرنے کے بعد قیدیوں کے تبادلے سے کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہوا، جب کہ نیتن یاہو غزہ میں اس دوران مسلمانوں کی نسل کشی کرتا رہا۔

لہٰذا اب مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ نیتن یاہو اور اس کے متعصب گروہ کو سبق سکھائیں اور انہیں اس جنگ میں شرمندہ و ذلیل کریں۔

اتحاد

اتحاد ایک دو دھاری تلوار کی مانند ہے، جو وقت کی مناسبت سے کسی سے بھی کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ بڑی جنگوں کا آغاز عموماً مختلف عقائد رکھنے والے گروہوں کے درمیان اتحاد کے ٹوٹنے سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ دشمن کے ساتھ تصادم کے لیے ضروری ہے کہ منظم منصوبہ بندی کی جائے اور اپنے سابقہ اتحادیوں کے ساتھ مستقبل میں ممکنہ ٹکراؤ کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

وہ فریق جو دشمن بنانے کے بجائے زیادہ سے زیادہ دوست بنانے کی مہارت رکھتا ہو، اور جو سیاسی حکمتِ عملی کے ساتھ مضبوط اتحاد قائم کرنے اور باقی ماندہ حریفوں کو غیر مؤثر بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ طویل مدتی جنگ کو مناسب حد تک رکاوٹوں کے ساتھ جاری رکھنے اور اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

کوئی بھی منصوبہ یا جدوجہد منفی عوامل سے خالی نہیں ہوتی، اور ان منفی عوامل میں سب سے بدترین وہ ہوتے ہیں جو جماعت یا ادارے کے بعض افراد کی خود پسند شخصیت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، جو داخلی ہم آہنگی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

ایسے افراد کو ابتدائی طور پر صف سے نکال دینا ضروری ہے تا کہ ہماری یکجہتی برقرار رہے اور ہم جنگ و جدل، اختلافات اور ناکامی سے بچ سکیں۔ انہیں اپنے ساتھ رکھ کر تبدیلی کی امید باندھنا ایک خطرناک فیصلہ ہوتا ہے جس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم انہیں زیادہ موقع دیں گے تو گویا ہم اپنی صف میں دراڑ ڈالنے کا راستہ کھول دیں گے، اور یہ دراڑ دشمنوں کے لیے ہماری جاسوسی تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

سیاست میں اتحادیوں کے درمیان علیحدگی کا وقوع یقیناً ایک ناگزیر حقیقت ہے، چاہے وہ عارضی ہو یا طویل المدتی۔ وسائل، معاہدات، بازاروں اور بری و بحری راستوں پر باہمی مسابقت ہمیشہ سے ایک لازمی حقیقت ہے جو بالآخر دشمنوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ غرور، تکبر، گھمنڈ اور اختیار کی خواہش انسان کو اس طرف مائل کرتی ہے کہ وہ کسی چیز پر مکمل کنٹرول حاصل کرے، جس کے نتیجے میں وہ مشترکہ مفادات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس لیے یہ تنازعات ہمیشہ جاری رہیں گے اور قیامت تک ختم ہونے کا نام نہیں لیں گے۔

ہماری مسلم امت کا باہمی اتحاد و اتفاق وہ منصوبہ ہے جسے ہم نے محنت، تنظیم اور کامیابی کے ساتھ استوار کرنا ہے۔ ہمارے درمیان موجود اسبابِ اتحاد ہمارے دشمنوں کے درمیان موجود عواملِ اتحاد سے کہیں زیادہ ہیں۔ ہم ایک امت ہیں جس کا رب ایک ہے، دین ایک ہے، رسول ایک ہے، قبلہ ایک ہے، کتاب ایک ہے، اور ہمارا سیاسی طریقہ بھی مغرب اور بت پرستوں کے دنیا بھر کے لوگوں سے روا رکھے جانے والے تعلقات کے مقابلے میں بے شمار خوبیوں سے مالا مال اور بلند ہے۔

ان شاء اللہ وہ وقت قریب ہے جب ہم اپنے نفس اور اس کے ساتھ جڑی خواہشات پر قابو پائیں گے، اور پھر ہمارے علاقائی و عالمی دشمن کی شکست ہمارے لیے فقط چند لمحوں کا معاملہ بن کر رہ جائے گی۔

جدید جنگیں

غیر روایتی جنگی حکمت عملیوں جیسے میزائل حملوں اور ڈرونز کے ذریعے قتل کی سب سے خطرناک خصوصیت یہ ہے کہ یہ عوام کے استحکام کو متزلزل کر سکتی ہیں اور افراد کے مستقبل کو برباد کر سکتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسے اسباب ایجاد و مہیا کریں جن کے ذریعے دشمن کو ان ہتھیاروں کے استعمال سے روکا جا سکے اور ان کے مذموم عزائم خاک میں ملا دیے جائیں۔

دشمن کو روکنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ مسلمان اس کی سیاسی اور اقتصادی سرگرمیوں پر کاری ضربیں لگائیں، اس کے فوجی اڈوں کا محاصرہ کریں، اس کے ایجنٹوں کو بے اثر کریں اور اس کے جاسوسوں کو مکمل طور پر ختم کر دیں۔ یہ سب ہمارے علاقوں میں اور ان مقامات پر ہونا چاہیے جہاں سے دشمن اپنے حملے کرتا ہے۔ یہ ایک لازمی حکمت عملی ہے جو دشمن کو تیز تر زوال کی طرف دھکیل سکتی ہے، چاہے اس کا ردعمل جو بھی ہو۔ یہ قدم ہر مسلح فرد، مظلوم، باعزت، غیرت مند اور آزادی کے متوالے کے لیے ممکن ہے، چاہے وہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہو۔

متوازی اقدام

یہ ایک ایسا اقدام ہے جس کا مقصد ایک سیاسی نظام کی تشکیل ہے جو ایک چھتری کی مانند کام کرے، قوموں کو اپنے جھنڈے تلے متحد کرے، ان کی کوششوں کو ہم آہنگ کرے اور ان کے لیے ادارے قائم کرے۔

اگلے مراحل میں، یہ سیاسی نظام اپنی ذہین اور باصلاحیت نسل کی رہنمائی کرے گا تاکہ وہ فضائی دفاعی ہتھیار تیار کر سکیں، ایسے میزائل اور ڈرون حاصل کر سکیں جن کی تباہ کن صلاحیت دشمن کے میزائلوں اور ڈرونز سے کم نہ ہو، اور حقیقی ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے امن و خوراک کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔

امت مسلمہ کی ملکیت میں بیش بہا دولت اور بے شمار وسائل ہیں، بشرطیکہ یہ وسائل امت کے اپنے کنٹرول میں ہوں۔ اس امت کی بیداری اور ترقی ان افراد کے ہاتھوں میں ہے جو اپنے عقیدے، اقدار، ثقافت، روایات اور اصولوں سے وفادار ہیں۔ ایسے مخلص افراد جنہوں نے امت کی ترقی کے لیے اپنے وسائل صرف کیے ہوں، اور جو ان وسائل کا ضیاع نہ کرتے ہوئے انہیں اس طرح استعمال کریں کہ امت کو ان سے فائدہ پہنچے۔ ایسے مخلص افراد جو وہی اشیائے ضرورت درآمد کریں جن سے کھپت سے زیادہ استفادے کے مواقع زیادہ سے زیادہ میسر ہوں۔

کچھ بنیادی حقیقتیں ایسی ہیں جنہیں بدلنا دشوار ہے۔ ایک حقیقت یہ ہے کہ زمینی جنگ ہمیشہ مقامی لوگوں کے حق میں ہی ختم ہوتی ہے، چاہے انہیں کتنی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں یا دشمن کا قبضہ کتنے عرصے تک کیوں نہ قائم رہے، اس کا خاتمہ بہرحال ہو گا۔ جہاں تک جوہری بمباری کا سوال ہے، اس کا واحد حل یہ ہے کہ یا تو خود جوہری ہتھیار حاصل کیے جائیں یا ایسے دفاعی ہتھیار تیار کیے جائیں جن کے اثرات دشمن کے لیے ناقابلِ برداشت ہوں۔ اس حوالے سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب ہمارے پاس یہ دفاعی ہتھیار آ جائیں تو ہمیں ان کے استعمال کی جرأت بھی ہونی چاہیے، تاکہ ہم اپنے دفاع میں کامیاب ہو سکیں۔

جہاں تک اقتصادی جنگ کا تعلق ہے، تمام مسلم اقوام کو مغربی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ اگر مسلم ممالک میں مغربی مصنوعات کا کوئی متبادل موجود ہو، چاہے وہ کم معیار کا ہی کیوں نہ ہو، ہمیں اسی متبادل کو ترجیح دینی چاہیے۔ کیونکہ جو شخص مغربی گاڑی خریدتا ہے، وہ دراصل غزہ میں مسلمانوں کے قتل میں مدد فراہم کر رہا ہے۔ ایسی تمام مصنوعات جن کا متبادل

اسلامی ممالک میں دستیاب ہو، چاہے وہ مہنگی ہوں یا سستی، انہیں یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، جاپان، جنوبی کوریا، بھارت، چین اور ان تمام ممالک سے خریدنا جائز نہیں جو سیاسی، عسکری یا معاشی طور پر اسرائیل کی حمایت کرتے ہیں۔

فضائی حملے اور ان کا حل

ہوائی جہاز اور فضائی حملے مجاہدین کے لیے مسلسل ایک بڑا خطرہ بنے ہوئے ہیں جب تک کہ ہم انہیں لڑائی سے نکالنے میں کامیاب نہ ہو جائیں، اور اس کے لیے ان کی متعدد کمزور نقطوں کو نشانہ بنانا ضروری ہے۔ ان میں سر فہرست: ہوائی اڈے، فوجی اڈے، گولہ بارود کے ذخائر، جہاز ران، اسلحہ فراہم کرنے والی ٹیمیں، زمینی عملہ، اور ان سے منسلک تمام انتظامی امور پر تعینات ادارے شامل ہیں۔

۱. ڈرون طیارے

ان کی کئی کمزوریاں ہیں۔ یہ سست رفتار ہوتے ہیں، کم بلندی پر پرواز کرتے ہیں، ریڈار پر آسانی سے نظر آ جاتے ہیں، اور ان سے نمٹنا گولیوں یا خلل اندازی (جیمنگ) کے ذریعے یا ان پر کنٹرول حاصل کر کے ممکن ہوتا ہے۔

ان کی مزید کمزوریاں درج ذیل ہیں:

ان کے اڈے، انہیں چلانے والے آپریٹرز، تکنیکی کمرے جہاں سے یہ کنٹرول کیے جاتے ہیں، اور وہ جاسوس جو انہیں معلومات فراہم کرتے ہیں یا وہ مخصوص آلات جن کے ذریعے ان کی رہنمائی کی جاتی ہے، وغیرہ۔

جتنے زیادہ عناصر ان سے منسلک ہوں گے، اتنی ہی زیادہ کمزوریاں پائی جائیں گی، جنہیں ہم اپنی طاقت کے مطابق نشانہ بنا سکتے ہیں۔

پہلا قدم دشمن کو اندھا کرنا ہے، یعنی جاسوسوں کو ختم کرنا، اور خصوصی کاروائیوں کے ذریعے ان کے اڈوں یا کنٹرول رومز کو نشانہ بنانا۔ اسی طرح ان زمینی پائلٹوں کو اغوا یا قتل کرنا جو ان طیاروں کو چلاتے یا کنٹرول کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے گوداموں اور گولہ بارود کے ذخائر کو تباہ کرنا، اور انہیں تیار کرنے والے تکنیکی ماہرین کو اغواء یا قتل کرنا بھی شامل ہے۔

اس طرح ہم اس خطرناک ہتھیار کو ناکارہ بنا سکتے ہیں حتیٰ کہ وہ خودکش ڈرون طیارے جو ابتدا سے الیکٹرانک طریقے سے کنٹرول ہوتے ہیں، چونکہ ان کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے، اس لیے ان کا ذخیرہ اور کنٹرول کے مقامات اکثر قریب اور قابلِ رسائی ہوتے ہیں۔ ان کو نقصان پہنچانا ممکن ہے، خاص طور پر ان معلومات کی بنیاد پر جو ہماری انٹیلی جنس ہمارے علاقے میں اکٹھی کرتی ہے، اور ہمارے وہ تربیت یافتہ عناصر جو دشمن کے خلاف کاروائیاں انجام دیتے ہیں، نیز دشمن کی صفوں میں موجود ہمارے ہمدرد عناصر بھی جو ہمیں معلومات فراہم کرتے ہیں یا طیاروں کے سسٹم میں خرابیاں پیدا کر کے ناکارہ بنا سکتے ہیں۔

اس حوالے سے ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ تمام محاذوں پر مجاہدین کے درمیان رابطے کی ضرورت ہے، اسی طرح امت مسلمہ کے باصلاحیت افراد سے مؤثر رابطے، ان کی تعلیم و تربیت، ڈرون طیارے بنانے اور انہیں چلانے، بارودی مواد تیار کر کے اُسے گولہ بارود میں تبدیل کرنے کی مہارت سکھانا ضروری ہے، کیونکہ ہماری جنگ بقاء کی جنگ ہے، اور یہ مشرق سے مغرب تک امت کے ہر اُس فرد کی مہارت کی محتاج ہے جو اس میدان میں تخصّص رکھتا ہو، تاکہ آپس میں تجربات، اختراعات، اور تحقیقات کا تبادلہ ہو، اور اس خطرناک ہتھیار کا مقابلہ کرنے کی حکمت عملی کو عام کیا جا سکے۔

۲. جیٹ طیارے اور ہیلی کاپٹرز

ان جہازوں کا توڑ کندھے پر رکھے جانے والے میزائلوں یا زمینی لانچنگ سسٹمز کے ذریعے کیا جا سکتا ہے، لیکن ان میزائلوں کو خریدنا، اسمگل کرنا اور استعمال کے قابل بنانا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ یہ ریڈارز اور اعلیٰ سطح کی تکنیکی مہارت سے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

تاہم ان سے زمینی طور پر نمٹا جا سکتا ہے کہ ان کے ہوائی اڈوں تک رسائی، ان پر خودکش ڈرونز سے حملہ، ہوائی اڈوں کے انفراسٹرکچر کو نقصان پہنچانا، پائلٹس اور فنی عملے کو نشانہ بنانا یا ان کے خاندانوں کو دھمکانا، گولہ بارود کے ذخائر اور ایندھن کے اسٹورز کو تباہ کرنا۔

بلکہ طیارہ بردار جہازوں سے بھی چالاکی سے نمٹا جا سکتا ہے جیسا کہ پچیس سال قبل عدن میں ایک چھوٹی کشتی نے، جس میں ایک ڈیڑھ ٹن بارودی مواد تھا، ایک امریکی طیارہ بردار جنگی بحری جہاز کو ناکارہ بنا دیا۔

یقیناً اسلامی انقلاب اور اس کی عملی خواہش اور دشمن و اس کے اتحادیوں پر کاری ضرب لگانے کی کوشش، ایک وسیع فکری اُفق اور ایسے دلیر افراد کی محتاج ہے جو اپنے دین اور امت کی نصرت کے لیے قیمتی ترین چیزیں قربان کرنے کو تیار ہوں۔

۳. ہیکنگ کے ماہر امت مسلمہ کے مخلص بیٹے

امت مسلمہ کے مخلص بیٹے جو ہیکنگ کے ماہر ہیں جو دشمن کے سکیورٹی اور عسکری سسٹم میں نقب لگا سکتے ہیں اور انہیں تباہ کر سکتے ہیں، یہ ہمارے پاس موجود ایک ایسی قوت ہے جو ابھی تک اس انداز میں استعمال نہیں ہوئی جو دشمن کے لیے مؤثر کاوٹ بن سکے۔

ایسے افراد دشمن کے حملوں کا رخ موڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، چاہے وہ ڈرونز ہوں، میزائل ہوں یا جیٹ طیارے، کیونکہ اگر وہ نیوی گیشن سسٹمز کو غیر فعال کر دیں، یا ان میں خلل ڈال دیں، یا اہداف کی پروگرامنگ میں مداخلت کریں، تو یہ ساری مشینیں ہمارے ہاتھوں میں خود ایک ہتھیار بن جائیں گی، اور اس طرح جادوگر پر اسی کا جادو الٹا جا سکتا ہے۔

ان پر لازم ہے کہ وہ سکیورٹی اور انفارمیشن کے میدان میں حقیقی تخریبی کاروائیاں انجام دیں، اور دشمن کے اداروں کو، خصوصاً ان سول اداروں کو جو بجلی، پانی، زمینی، بحری اور فضائی نقل و حمل سے متعلق ہیں، غیر فعال کر دیں۔

اسی طرح دشمن کی جوہری تنصیبات کو تباہ کرنا بھی ناگزیر ہے، وہی جو دن رات ہمیں دھمکانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، ان کا خاتمہ اور انہیں ناقابلِ استعمال بنانا ضروری ہے۔

اسی طرح دشمن کی معیشت کو غیر مستحکم کرنا اور اس کے بینکوں اور مالیاتی اداروں میں خلل ڈالنا بھی ضروری ہے۔

یہ چند صفحات دستیاب اہداف یا ممکنہ منصوبوں کی وسعت کو بیان نہیں کر سکتے، لیکن یہ بیج ہیں جو بوئے جا رہے ہیں، اور پودے ہیں جو آزادی کے راستے پر لگائے جا رہے ہیں۔

۴۔ امت مسلمہ کے مؤثر ترین ہتھیار

ہماری توجہ امت مسلمہ اور اس کے مخلص افراد کے پاس موجود سب سے مؤثر اور دشمن پر کاری ضرب لگانے والے ہتھیار کی طرف ہونی چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس ہتھیار کو اس کی نوعیت کے مطابق ترقی دیں اور اسے بروئے کار لائیں، خواہ وہ اسٹریٹیجک کاروائیوں میں استعمال ہو یا ٹیکٹیکل مقاصد کے لیے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ امت مسلمہ کے پاس تین ایسے ہتھیار ہیں جن کا مقابلہ دشمن نہیں کر سکتا:

۱۔ استشہادی کاروائیاں

یہ کاروائیاں صرف اسٹریٹیجک مقاصد کے لیے استعمال ہونی چاہییں، کیونکہ اس طرح کے حملے عسکری لحاظ سے درست ہیں نہ ہی سیاسی اعتبار سے کہ ایک ایسے ہدف کے لیے کسی پاک روح کو قربان کیا جائے جسے ایک عسکری کاروائی سے بھی ختم کیا جا سکتا ہو۔

۲۔ بارودی مواد

یہ دوسرا ہتھیار ہے جو ہمارے پاس موجود ہے اور ٹیکٹیکل سطح پر مؤثر انداز میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے ہم بم نصب کرنے، ٹارگٹ کلنگ، چھاپے اور گھات لگا کر حملوں جیسی کاروائیاں انجام دے سکتے ہیں جو دشمن کو مفلوج کر دیں، خاص طور پر جب یہ دشمن کی سرزمین پر اور جائز اہداف کے خلاف ہوں۔ ایسی کاروائیاں دشمن کے اندر خوف و ہراس کا ماحول پیدا کرتی ہیں اور داخلی انتشار میں اضافہ کرتی ہیں۔ ایسے حملے اور کاروائیاں ان تمام حکومتوں کو کمزور کرنے کا اہم اسباب میں سے شمار کی جا سکتی ہیں جو فلسطین کے حوالے سے صہیونیوں اور یہودیوں کی پشت پناہی کرتی ہیں۔

۳۔ ایک پرانا مگر مؤثر ہتھیار: پستول

یہ ہتھیار انفرادی ٹارگٹ کلنگ کے لیے بہت کارآمد ہے اور ہر کسی کی دسترس میں بھی ہے۔ اگر اس کے ساتھ سائلنسر لگا دیا جائے، اور اسے استعمال کرنے والا دلیر ہو تو دشمن کی سیاسی، معاشی اور میڈیا کی قیادت کو نشانہ بنانا ممکن اور آسان ہو جاتا ہے۔

اور دشمن کے خلاف سب سے مہلک ہتھیار تو ہمارے اندر حوصلے و عزم جیسی معنوی قوت کا وجود ہے جو دینِ مبین کے لیے قربانی سے جنم لیتا ہے۔ اس روحانی قوت کو اقوال و افعال کے ذریعے ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے، کوئی بھی ایسی کاروائی جو عزت و وقار کی علامت ہو اور شرف و ناموس کی حفاظت کے لیے انجام دی جائے، وہ امت کی توانائیوں کو بیدار کر دیتی ہے۔ منظم الفاظ اور پڑھے گئے اشعار شاید لوگوں کو مادی ہتھیار نہ دے سکیں، لیکن وہ ہر فرد کو خود ایک ہتھیار میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

تربیت اور بھرتی

اگرچہ اس میں کچھ مسائل ہیں، لیکن اجباری بھرتی کا نظام کسی بھی قوم وملت کے افراد کے لیے ایک اہم خدمت فراہم کرتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے وہ مختلف قسم کے ہتھیاروں کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ بہت ضروری ہے کہ جو لوگ اسلامی انقلاب کے خواہشمند ہیں اور جو سچے دل سے اس میں شریک ہیں، وہ اپنی بھرتی کے دوران اس موقع سے فائدہ اٹھائیں، اسے سنجیدگی سے لیں، اور جو ہتھیار ان کے پاس ہوں، ان میں مہارت حاصل کریں۔ یہ موقع سچے اور سنجیدہ افراد کے لیے ہے، غیر سنجیدہ اور ناراض لوگوں کے لیے وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے، جو اس وقت بہت پچھتائیں گے جب جنگیں ان کے دروازے پر دستک دیں گی، یا جب ان پر سکیورٹی یا پولیس کا ادارہ قابو پائے گا، یا جب کسی متکبر آمر کی جانب سے ان کی جائیدادیں اور زمینیں چھینی جائیں گی اور ان کی بے عزتی کی جائے گی۔ بحیثیت امت یہ لازمی اور اجباری عسکری بھرتی ہمارے لیے ایک بہترین موقع ہے جس سے خوب استفادہ کرنا چاہیے۔

اور بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جبری فوجی بھرتی کے دوران فوج، اس کی صلاحیتوں، منصوبوں اور اس کے کمانڈروں کے بارے میں بھی بہت سی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اور ہماری بہت سی ریاستوں میں فوج کے کمانڈر ہی ہمارے اصلی دشمن ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۲ پر)

اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کی بڑھتی قربتیں!

خباب ابن سہیل

اماراتی خبر رساں ایجنسی 'وام' کے مطابق متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ عبداللہ بن زاید نے اپنے اسرائیلی ہم منصب گیدون ساعر کے ساتھ ملاقات کی ہے۔ یہ مسلم معاشروں کی بے حسی ہی ہے جو ان حکمرانوں کو اتنی ہمت دے چکے ہیں کہ یہ ایسے وقت میں بھی اسرائیل سے یارانے بنانے سے نہیں شرما رہے جب اسرائیل بے دریغ قتل عام جاری رکھے ہوئے ہے۔

حماس کے ترجمان اسامہ حمدان حفظہ اللہ نے بھی اپنے ایک بیان میں انکشاف کیا کہ اماراتی جاسوسوں کا نیٹ ورک ڈاکٹروں اور طبی عملہ کی آڑ میں فلسطینیوں کے جاسوسی کے لئے داخل ہوا تھا۔ امارات کی ہلال احمر نامی تنظیم کی ۵۰ "ڈاکٹروں" پر مشتمل ایک "امدادی" ٹیم مصری سرحد کے راستے (رفح بارڈ) سے گزشتہ دنوں غزہ پہنچی تھی۔ اماراتی ہلال احمر کی اس ٹیم نے غزہ کے مختلف علاقوں میں فیلڈ ہسپتال قائم کر کے زخمیوں کا علاج معالجہ شروع کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ تاہم غزہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد یہ ٹیم اسی رفح بارڈر سے واپس مصر پہنچ گئی۔ اماراتی ہلال احمر کے مذکورہ ڈاکٹروں کے بارے میں غزہ میں امدادی سرگرمیاں سرانجام دینے والے اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے مصری ڈاکٹروں نے پہلے روز ہی کہا تھا کہ اماراتی ڈاکٹر مشکوک سرگرمیوں میں مصروف ہیں، تاہم ان کی جاسوسی کا انکشاف اس وقت ہوا، جب یہ ٹیم اپنی ایمبولینس سمیت تمام طبی آلات کو وہیں پر چھوڑ کر واپس مصر آ گئی۔ ابتدائی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ امدادی ٹیم میں شامل ۵۰ افراد میں سے ایک بھی ڈاکٹر نہیں تھا، بلکہ یہ امارات کی خفیہ ایجنسی کے اہلکار تھے، جو حماس کی جاسوسی کرنے کے لیے اسرائیلی مشن پر غزہ پہنچے تھے۔ حماس کی ذیلی تنظیم القسام بریگیڈ کو پہلے دن بھی اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے مصری ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ اماراتی "ڈاکٹروں" کو اپنے پیشے میں کوئی خاص مہارت حاصل نہیں۔ اس مشن کی ذمہ داری محمد دحلان کو سونپی گئی تھی جو کہ ابوظہبی کے شیخ محمد بن زاید کا سلامتی کا مشیر ہے۔ مذکورہ فلسطینی نژاد شخص پہلے الفتح کا رہنما رہ چکا ہے۔ حماس کے ایک اور اہم ذریعے نے القدس کو بتایا کہ محمد دحلان کا رابطہ تنظیم کے ایک عہدیدار سفیان ابوزائدہ نے کرا کر یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ اماراتی حکومت اپنے فلسطینی بھائیوں کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے ماہر ڈاکٹروں پر مشتمل ایک ٹیم بھیجنا چاہتی ہے، جو ہر قسم کے جدید طبی آلات سے لیس ہوگی۔ القدس کا کہنا ہے کہ ابتدائی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اس ٹیم کے تمام ارکان ابوظہبی ریاست کے انٹیلی جنس ادارے کے اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ ادھر الشروق نے اپنی ویب سائٹ پر ایک اماراتی "ڈاکٹر" کی دو تصویریں پوسٹ کی ہیں، جن میں غزہ کے الاقصیٰ ہسپتال کے نزدیک قائم کیے گئے طبی کیمپ میں "ڈاکٹر" بن کر کام کرنے والے شخص کو ابوظہبی میں فوجی وردی پہن کر اعلیٰ حکام کے ساتھ میٹنگ کرتے دکھایا گیا ہے۔ الشروق نے بھی کہا ہے کہ اس ٹیم میں شریک تمام امدادی کارکنان ابوظہبی کے انٹیلی جنس اہلکار تھے۔ واضح رہے کہ اماراتی ہلال احمر کے حوالے سے اس انکشاف کے بعد الجزیرہ کے اس دعوے کی تصدیق ہوگئی ہے، جو اس نے گزشتہ دنوں کیا تھا کہ امارات نے اسرائیل کو پیشکش کی تھی کہ وہ حماس کا خاتمہ کر دے تو غزہ پر ہونے والی فوجی کارروائی کے تمام اخراجات امارات برداشت کرے گا۔ اس خبر کے منظر عام پر آنے کے بعد امارات نے الجزیرہ کو 'کذاب' قرار دیا تھا۔ الجزیرہ نے یہ بھی کہا تھا کہ متحدہ عرب امارات کو غزہ پر اسرائیلی فضائی حملوں کے بارے میں پیشگی اطلاع تھی، تاہم گزشتہ دنوں اسرائیلی عبرانی ٹی وی چینل ٹو نے بھی الجزیرہ کی اس خبر کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ متحدہ عرب امارات نے اسرائیل کو پیشکش کی تھی کہ وہ غزہ پر فوجی کارروائی کے تمام اخراجات برداشت کرے گا، بشرطیکہ اسرائیل حماس کو تباہ کردے۔

عبرانی میڈیا کی ایک رپورٹ کے مطابق، متحدہ عرب امارات نے گزشتہ سال کے دوران اسرائیلی افسران اور فوجیوں کی سب سے زیادہ ٹریول ہسٹری کو ریکارڈ کیا، حتیٰ کہ غزہ میں اسرائیل کی جنگ کے دوران بھی۔ اسرائیلی افسران اور سپاہیوں کے لیے متحدہ عرب امارات پسندیدہ مقام بن چکا ہے، دبئی اب ان شہروں کی فہرست میں سرفہرست ہے جن کا وہ سردیوں میں دورہ کرنے کا انتخاب کرتے ہیں، جس نے ایتھنز، روم اور نیویارک جیسے بڑے یورپی اور امریکی مقامات کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ عبرانی ویب سائٹ 'ماکو' نے رپورٹ کیا کہ تقریباً ایک لاکھ سولہ ہزار اسرائیلیوں نے متحدہ عرب امارات کا سفر کیا، جو کہ حالیہ مہینوں میں بین گوریان ہوائی اڈے سے ہونے والی تمام روانگیوں میں سے ۱۰ فیصد سے زیادہ ہے۔ یہ تعداد متحدہ عرب امارات کو بطور ترجیح نمایاں کرتی ہے خاص طور پر اسرائیلی فوج کے افسران اور فوجیوں میں، جو فلسطینیوں کے خلاف جنگی جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود ابوظہبی کو محفوظ پناہ گاہ سمجھتے ہیں۔ ابوظہبی میں اسرائیلی سفارت خانہ غزہ پر اسرائیل کے حملے کے آغاز کے بعد سے عرب دنیا میں واحد مکمل طور پر کام کرنے والا اسرائیلی سفارت خانہ ہے۔ دریں اثنا، بہت سے ممالک نے اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات کو کم سے کم رکھا ہے یا اسرائیلی قتل عام کی وجہ سے انہیں جزوی طور پر منقطع کر دیا ہے۔ سیاسی فوائد کے علاوہ، متحدہ عرب امارات اسرائیلیوں کے لیے اہم لاجسٹک فوائد فراہم کرتا ہے۔ کم لاگت والی ایئرلائن Fly Dubai دبئی اور تل ابیب کے درمیان روزانہ آٹھ پروازیں چلاتی ہے، جو ایمریٹس ایئرلائنز کے ذریعے چلائی جانے والی روزانہ کی پروازوں کی تعداد کے برابر ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۵ پر)

یہ بازی عشق کی بازی ہے!

ام المجاہدین

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ (سورۃ الجاثیۃ: ۳۶،۳۷)

”تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے اور رب العالمین ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے اور وہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔“

بیشک آپ اسی طرح قابل تعریف ہیں جیسا کے آپ نے اپنی تعریف خود بیان کی۔ آپ نے مومن کو اپنا نورانی راستہ دکھایا، مقصد زندگی بتایا، کہ تمہارا جینا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہو۔ اسلام اور اس کے کلمہ کا نور مکمل کیا اور عَلَم اب مسلمانوں کے ہاتھ میں دیا، کہ اسے ہر حال میں بلند رکھنا، خواہ تم کٹ جاؤ۔

اپنے دلوں میں دینی جذبہ و حمیت کی گرمی رکھنے والے مجاہدین آنے والے وقتوں کے لیے نوید فتح ہی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں:

یہ بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

ہمارے فلسطینی جوان، بچے، بوڑھے سر پہ کفن باندھے لیلیٰ شہادت کی طلب میں پروانہ وار آگے ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، ڈٹے بھی رہے اور کٹتے بھی رہے یوں شہید بنے یا غازی۔

دشمن ان کی جرأت و دلیری اور عزم و استقلال دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور خون خشک ہوتا رہا ان کا۔

ہر قدم پر تم نے دشمن کو یہی پیغام دیا کہ ”ہم تیار ہیں“ اور وہ قیدی جو سالہا سال کی لمبی قید کاٹ کر آئے اپنی ماؤں کے ہاتھوں دوبارہ ماتھے پہ کالی پٹی باندھ کر مجاہدین کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ اور تمہارا دشمن پھٹی پھٹی آنکھوں سے حیرت زدہ ہو کر ان پروانوں کا عشق دیکھ رہا ہے۔ مومن کی تو مدد ”رعب“ سے بھی اللہ کرتا ہے، سو وہ رعب دشمن پہ پڑا اور بڑھ رہا ہے۔ اسے اپنے ساتھیوں اور اپنے ہتھیار پہ ہی کچھ بھروسہ ہوتا ہے، پر کتنے ہی اسرائیلیوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور ان کی خاصی بڑی تعداد دوسرے ملکوں میں جا بسی کہ یہاں زندگی خطرے میں ہے۔ اور اب تک کی خبر کے مطابق ہزاروں اسرائیلی مسلمان ہو چکے ہیں، پر انہوں نے اپنا آپ سب سے چھپایا ہوا ہے۔

پکے کٹر یہودی ہی مسلمان ہوئے پھر کہا کہ اب ہم پہ دین زیادہ واضح ہو گیا اور ہم صحیح دین سے جڑ گئے۔ ان کے پادری کہہ رہے ہیں کہ یہ اسرائیلی بالکل صحیح یہودی نہیں ہیں۔

ان کے میڈیا پر وہاں کی عوام کہہ رہی ہے کہ ہماری حکومت نے جھوٹ کا سہارا لیا اور یہ بہت جھوٹی ہے۔ یہ بہت ظلم کر رہی ہے، بے گناہ لوگوں، بچوں اور خواتین کو مار رہی ہے۔

الحمد اللہ ثم الحمد اللہ یہ سب کچھ ہی اصل فتح کا حصہ ہے، مجاہدین کی اس استقامت اور عشق و مستی کا رعب تو ہمیشہ پڑتا ہے، جیسے کسی شاعر نے یوں کہا:

اٹھے جب مجاہد تو بولے نقیب
نصر من اللہ و فتح قریب

تمہاری اس استقامت اور ان کامیابیوں کو دیکھ کر دشمن کے خوابوں پر اوس پڑنے لگی اور اس کی کمبختی کا وقت تیزی سے قریب آنے لگا ہے سو وہ اپنے قیدیوں اور ان کی لاشیں لے کر لوٹ چلیں، کی پالیسی پر عمل پیرا ہو گیا۔ مزید یہ کہ اسرائیلی وزیر اعظم جھٹ امریکہ کے پاس مذاکرات کے لیے جا پہنچا۔

خوب خوب امریکی صدر نے مجاہدین کو دھمکایا، ڈرایا کے فلسطین کو نئے اور خوبصورت شہر کے طرز پر بنائیں گے اور فلسطینی ہر حال میں کہیں بھی اور جا بسیں۔

الحمد اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو وہاں پر استقامت دی اور ہر ایک راہِ خدا میں ڈٹ جانے اور کٹ جانے پر ڈٹا رہا اور اعلان کیا کہ یہ زمین ہماری ہے، مسجد اقصیٰ میں رہ لیں گے، تم پانی بند کر دو گے تو بھی ہم گندہ پانی ابال کر چھان کر پی لیں گے، پر ہم کہیں نہیں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمہیں استقامت عطا کرے اور ہر طرح سے فتح تمہارے قدم چومے، آمین۔

ہمارے دل تمہارے ساتھ دھڑکتے ہیں، ہماری آنکھیں تمہارے غم میں روتی ہیں، دل اللہ سے دعائیں کرتا ہے کہ الٰہی تو ان پر سکینت نازل فرما، غیب سے ان کی ہر طرح سے مدد فرما، فرشتوں کے لشکر کے لشکر ان کی مدد کے لیے بھیج۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

المرء مع من أحب

”(آخرت میں) وہ شخص اسی کے ساتھ ہو گا جس کو وہ محبوب رکھتا ہے۔“

بخدا دل کہتا ہے کاش ہم ان کے ساتھ وہیں ہوتے، راہ خدا میں ڈٹ جاتے یا کٹ جاتے اور انبیاؤں کی زمین میں دفن ہوتے۔

ہماری نظریں اپنے ”شاہین بیٹوں“ پر ہیں۔ ہمارے آنسو اور آہیں دعا کی صورت میں تمہارے گرد ہیں اور ہم اپنے دنیا بھر کے مسلمان بیٹوں کو یہی پیغامِ قرآن دیتے ہیں کہ:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(سورۃ التوبۃ:۴۱)

”نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“

اس ”پکار“ نے تو عمر رسیدہ بزرگ کو بھی اٹھا دیا جن کے بال اور پلکیں و بھنویں بھی سفید ہو چکی تھیں۔ اس آیت کو سن کر کہنے لگے بیٹو! میرا سامانِ جہاد تیار کرو یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے اب میں بیٹھ نہیں سکتا۔ جہاد کا رخ کیا اور شہادت کو گلے لگالیا۔

کفار میں کہاں دم ہے کہ تمہارا سامنا کریں اور شاید یہ شعر تمہارے ہی لیے ہے جو تمہیں یہ پیغام دے رہا ہے:

گر نکل آؤ تم نعرۂ تکبیر کے ساتھ
کفر دم توڑ دے ٹوٹی ہوئی تلوار کے ساتھ

سنو! ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ قسطنطنیہ کی دیواریں صرف نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی گونج سے گر جائیں گی اللہ تعالیٰ کی ایسی مدد ساتھ ہو گی۔

حالات کا رخ جس تیزی سے پلٹا کھا رہے ہیں کیا پتہ (خدانخواستہ) تیسری جنگ عظیم چھڑ جانے کا سبب بن جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے جیسا کہ علماء بھی کہہ رہے ہیں ”لگتا ہے امام مہدی کے نکلنے کا وقت قریب آگیا ہے۔

مفہوم حدیث ہے کہ جب حضرت مہدی نکل آئیں گے تو وہ اپنی فوج منظم کریں گے، ایک حصے کے ساتھ وہ مل کر خود فلسطین کی طرف پیش قدمی کریں گے دوسرے حصے کے لشکر کو خراسان کی طرف بھیجیں گے (اس میں لوگ مل کر) ہندوستان کی طرف پیش قدمی کریں گے اور وہاں کے بادشاہوں کو زندہ گرفتار کر کے بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے۔

اور یہ بھی مفہوم حدیث ہے کہ حضرت مہدی کے لشکر کے آگے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور ان کا دستہ ہو گا اور حضرت مہدی ہی کے لشکر کے پیچھے حضرت میکائیل علیہ السلام کا دستہ ہو گا۔ اور لوگ اس وقت تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک گروہ حضرت مہدی کے لشکر میں شامل ہو گا اور وہی لشکر جنتی ہو گا۔ دوسرا لشکر بھاگ جائے گا وہ جہنمی لشکر ہو گا اور تیسرا لشکر خاموش بیٹھا رہے گا وہ بھی جہنمی لشکر ہو گا۔

کس قدر شرم کی بات ہے، تمہاری فلسطینی بہنیں، مائیں اور ننھے بچے غیرتِ ایمانی میں ٹینکوں پر، فوجوں پر پتھر ہی دے مارتے ہیں اور اپنی جوانی، بڑھاپا اسرائیلیوں کی جیل میں کاٹ دیا۔ کل بروزِ حشر رب تعالیٰ سوال کریں گے: ”وقت کہاں گزارا؟ جوانی کہاں گزاری؟ صحت جیسی نعمت کہاں لگائی؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟“ یہ سوالات وہ ہیں جن کا جواب دیے بغیر کوئی نہیں ہل سکے گا۔ آج ساری دنیا کے مجاہدین ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا جواب اللہ کی رحمت سے آسانی سے دے سکیں گے مگر جو کوئی اس گروہ میں شامل نہیں ہے وہ اپنا جواب تیار کر لے اور سوچ لے۔

صحت، وقت، مال آج تم کہاں خرچ کر رہے ہو؟ انٹرنیٹ، چیٹنگ، گیمز، لڑکیوں سے دوستیاں، کہیں تمہیں وہاں لے نہ ڈوبیں اور ان میں سے کوئی جواب تمہیں چھڑا نہ سکے گا۔ کیا تمہیں محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ یاد نہیں، صرف ۱۷ برس کی عمر میں اس صالح بندے نے ہندوستان فتح کر لیا اور اسلام کا پرچم لہرایا۔

ہمیشہ جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور آتی ہے، ذرا سورۃ انفال پڑھ کر دیکھو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم دشمن کے پور پہ ضربیں لگاتے تھے لیکن دراصل میرے فرشتے ان کے پور پور کاٹ رہے تھے، ایک صحابی ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ دشمن کا سر اڑادوں، وہاں وہ اکیلے تھے، لیکن انکی تلوار اٹھنے سے پہلے ہی دشمن کا سر کٹ کر دور جا گرا، دیکھا تو کوئی نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا تو پتہ چلا وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے تھے جنہوں نے اس دشمنِ دین کا کام تمام کر دیا۔

نوجوانو! کیا تمہیں یاد نہیں کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ (سورۃ الانفال) مدد تو جب بھی آتی ہے وہ اللہ ہی طرف سے آتی ہے، تمہیں ڈر کیسا؟ یہ بھی تو رب العزت کی نصرت ہی کی ایک صورت ہے جو تم دشمن کے لئے پر پیچ گھنے جنگل بن گئے، جس میں اسے اپنے لیے کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی تمہاری نصرت ہی ہے۔ ایک طرف ان کے میزائیل تمہاری بستیوں پر برس رہے ہیں تو ہمارے مجاہدین نے بھی ان کا جینا حرام کر دیا ہے اور اب یہ حال ہے دشمنوں کا کہ اسرائیلی مرد، خواتین، بچے شدید خوف و ہراس کا شکار ہیں، گریہ وزاری کرتے نظر آتے ہیں، جن کی نیند حرام ہو گئی ہے، قدرت ان سے اپنا انتقال لے رہی ہے۔

اس نے آگ کو حکم دیا تو وہ امریکہ کی ہالی وڈ سٹارز کی بستیوں میں جا پہنچی اور آن کی آن میں اس بیش قیمت بستی کو جلا کر خاکستر کر گئی۔ نیویارک میں بھی یہ آگ جا پہنچی ہے اور اب امریکی صدر کے دل و دماغ بھی جل رہے ہیں، اس نے تو اپنی رعایا کو خون کے آنسو رلا دیا ہے۔ عجیب عجیب

قوانین آرہے ہیں، لوگوں کو زنجیروں میں باندھ کر گھسیٹتے ہوئے ڈی پورٹ کیا جارہا ہے، تعلیمی ادارے بند ہورہے ہیں۔

اقتصادی طور پر اس کی کمر نائن الیون کے بعد سے ٹوٹی ہی جارہی ہے اور اب وہ سعودی عرب اور مختلف ملکوں سے مالی بھیک مانگ رہا ہے کہ میں اس کے بغیر ملک نہیں چلا سکتا۔

اسرائیل کبھی زچ ہو کر، شام کی سرحدوں کو نشانہ بناتا ہے کہ ہم کیونکر آزاد ہوں گے کیونکہ اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ رہا۔ اور آج بھی یہ خبر سنی کے فلسطینی یہی کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی صورت بھی نہ رکیں گے، نہ پیچھے ہٹیں گے، بلکہ ڈٹے رہیں گے۔ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ کہ، اللہ کریم نے یہ غیرت ایمانی عطا کی ہے۔

میرے مجاہد بیٹوں اور بھائیوں، اللہ کریم تمہیں ثابت قدم رکھے، تم ہی وہ بہادر، غیرت مند مجاہد ہو کہ تمہیں اسلام سے محبت ہے، تم جنت کے خریدار ہو، تمہیں یقیناً اپنے رب سے محبت ہے، اس کے وعدوں پر یقین ہے، تم ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ کررہے ہو۔

میرے دنیا بھر کے بیٹو اور بھائیو! اب بھی اپنی غیرتِ ایمانی کے جذبے کو جگائیں جب تک کوئی اجتماعی ترتیب نہ سامنے آئے، ہر مسلمان انفرادی طور پر سچی پکی نیت اپنے رب سے کرے کہ مجھ اکیلے سے جو بن پڑے گا میں کروں گا، یہ میری ”غیرتِ ایمانی“ کا سوال ہے۔ یہ میرے اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ہے۔ دوسروں کو دیکھنے کے بجائے ہر ایک اپنی ذمہ داری کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ دور نہ دیکھو اور اسے ناممکن نہ سمجھو! ذرا اپنے مرد مجاہد طالبان کو دیکھو جنھوں نے ناممکن کو اللہ پاک کی رحمت سے ممکن کر دکھایا اور الحمد اللہ اسلامی عظمت کا تابندہ نشان بن کر طلوع ہوئے۔ پوری کی پوری بستیاں جہادی لشکر میں شامل ہوتی گئیں اور نصرت الہیٰ سے ناقبل تسخیر ثابت ہوئیں۔ وہ صرف اپنے رب سے مانگتے رہے اور کسی سے نہیں، جھکے تو اس کے آگے جھکے، انہیں معلوم ہے کہ مدد، نفع اور نقصان صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہاتھی کو ایک چیونٹی سے مرواتا ہے۔

ہاں یقیناً فلسطینی قوم کو اللہ ہی نے تھاما ہوا ہے جو ڈٹی ہوئی ہے۔ آؤ اٹھو ان کا ساتھ دو مسلمان تو ایک زنجیر کی مانند ہیں۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ○ (سورة العنكبوت:۲)

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انھیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ، ہم ایمان لے آئے، اور ان کو آزمایا نہ جائے؟“

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ (سورة العنكبوت:٦)

”اور جو شخص جہاد کرتا ہے وہ بس اپنے ہی لیے جہاد کرتا ہے۔“

جہاد تو ایک کسوٹی ہے اور نیکی کی چوٹی ہے۔ اب تو علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد نے جہاد اب تمام مسلم ممالک پر فرض عین ہے کا فتویٰ بھی دے دیا ہے۔

جو جان سے شامل ہونے کا رستہ نہیں پارہا وہ مال سے جہاد کرے۔ تڑپ کر اللہ سے توفیق مانگے۔ اور یہ دعا مانگے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

”اے اللہ حق کو ہم پر واضح کر دے اور اس کا ساتھ دینے والا بنا اور باطل ہم پر واضح کر دے اور اس سے بچنے والا بنا۔“ آمین

دراصل یہ پوری امت مسلمہ کا امتحان ہے خواہ حکمران ہوں یا فرداًفرداًتم ہو۔

گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔ اٹھو اٹھو! تم گیدڑ نہیں شیر ہو۔ شیرِ خدا بنو۔ دشمن کو للکارتے اور دھاڑتے ہوئے مجاہدانہ شان سے میدان میں اترو۔

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

میدان جہاد میں ڈٹ جانا اور پیچھے نہ ہٹنا ہی اصل کامیابی ہے پھر ہی اللہ کی غیبی مدد آتی ہے۔ ان دیکھے فرشتے مدد کو اترتے ہیں۔ یہی اصل کامیابی ہے۔ اور ایسے مجاہدین کے اعمال کا بہترین بدلہ قربت الہیٰ ہے۔ قربت الہیٰ دراصل محبت الہیٰ ہے جو سب سے بڑی دولت ہے۔ تم اس کے ہو تو وہ بھی تمہارا ہے۔

کی وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سب سے بڑی عبادت ہی اللہ کی راہ میں جہاد ہے اور یہی راہ اصلاح ہے۔ فرمان ربیّ ہے تم اکیلے دس پر بھاری ہوگے، فرشتوں کی نصرت تمہارے ساتھ ہوگی، سنو حکم خدا کے آگے جھک جانا اور ڈٹے رہنا ہی اصل بات ہے پھر شہادت ملی تو جنت، بچ گئے تو غازی۔

دراصل جہاد اور پھر اس پر استقامت ہی اصل کسوٹی ہے اب انتظار کیسا؟ مسلمان تو ایک دوسرے کے دست بازو ہوتے ہیں تم آپس میں زنجیر کی کڑیاں بن جاؤ۔ دیکھو ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو تنہا افغانستان میں طالبان سے لڑنے نیٹو کے علاوہ ۵۲ ممالک اکٹھے آئے تھے لیکن اللہ کی نصرتِ خاص سے غلبہ، فتح و نصرت اور بے شمار غنیمت، اسلحے نصیب ہوئے وہ فاتح کہلائے۔ ہر دلعزیز اسلام کے ہیرو بن گئے اور دشمن کو لوہے کے چنے چبوائے۔

ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو دونوں کا انجام!

جہاد سے فرار تو منافق ہوا کرتا ہے جس کا استاد شیطان ہوتا ہے تبھی وہ جان بچانے کے لیے حیلے بہانے کرتا ہے اور بطور سزا ایسوں کو اللہ پاک نے منافق کہہ کر پکارا اور نبی کریم ﷺ سے سورۃ توبہ میں فرمایا کہ منافقوں کے لیے دعا نہ مانگیں۔ استغفار نہ کریں، ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں، نہ ان کی قبروں پر کھڑے ہوں۔

پھر کس منہ سے روز حشر نبی ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرو گے؟ کیسے حوضِ کوثر کا پانی شافی محشر ﷺ کے ہاتھوں سے پیو گے؟

اور جسے یہ نہ ملا اس سے نبی کریم ﷺ ناراضگی کا اظہار کریں گے اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر جہنم میں ڈالیں گے۔ یہ سب کچھ دل کی منافقت کا انجام ہے۔ نفاقِ دل ہی تو اسے صراط مستقیم سے ہٹاتا ہے، آگے بھی بڑھنے نہیں دیتا، نہ مجاہدین کا دست وبازو بننے دیتا ہے۔ یہ تو اپنے آپ سے کھلی دشمنی ہے۔

اٹھو جنت تمہاری منتظر ہے، تمہاری حوریں تمہاری راہ تک رہی ہیں۔ اپنے مجاہدین بھائیوں کے دست وبازو بنو، جم جاؤ، پھر ڈٹ جاؤ، خواہ کٹ جاؤ۔

اٹھو دنیا کا نقشہ بدل دو، تاریخ کے سنہرے صفحات کو پلٹ کر تو دیکھو تم اس کے رستے میں جے رہو، ڈٹے رہو مل کر اور میدان جنگ میں کثرت سے رب کا ذکر کرو، دعائیں مانگو، اسی پر بھروسہ رکھو یہی تمہارے اصل ہتھیار ہیں۔ دونوں جہاں میں کامیابی کے دروازے جہاد ہی سے کھلتے ہیں۔ گناہوں کی معافی اور رب کی رضا کا اعلان کیا جاتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں عظیم تر درجات والے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی اور جنتی باغوں کی بشارت سناتا ہے۔ ان کے لیے وہاں دائمی نعمت ہے وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔“

اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔“

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

”اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو، اور ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“

کافر اور منافق دونوں اللہ کے باغی ہیں اور اسے ناراض کرنے والے ہیں، وفادار تو صرف مومن ہی ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہمارا خاتمہ رب کی رضا پر ہوتا ہے یا ناراضگی پر؟ اور ہمارا انجام کس کے ساتھ ہوگا؟

ہر رشتہ، محبتیں، تجارت، اچھے گھر، وہ مال جو تم نے کمائے، کیر ئر، اللہ، اس کے رسول ﷺ اور جہاد سے عزیز تو نہ ہوں اور وہ تمہیں جہاد میں نکلنے سے روکنے والے نہ بنیں اور تم زمین سے چمٹ کر نہ رہ جاؤ۔ ورنہ اللہ اسے جہنم کا ایندھن بنادیں گے۔

یارب! ہم اپنا سب کچھ آپ کے دین مبین پر بخوشی وار دینے والے بنیں، خواہ مال اسباب ہوں یا اپنی جان، اولاد، شوہر یا بیوی یا اچھے گھر۔ ختم تو ان سب نے ہونا ہی ہے لیکن خود سے راہِ خدا میں وار دینے کا مزہ اور چاشنی اور ہی ہے۔ اور بدلے میں یہ سب کچھ آخرت میں لوٹا دیا جائے گا مگر بہت اعلیٰ وارفع درجے کا۔

ربنا تقبل منا۔

اور تم ہی منظور نظر ہو گے رب کے......

☆☆☆☆☆

بقیہ: اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کی بڑھتی قربتیں

تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ اسرائیلیوں کی خاص طور پر فوجیوں کی متحدہ عرب امارات میں آمد ابوظہبی اور تل ابیب کے درمیان اعلیٰ سطح کی ہم آہنگی کی عکاسی کرتی ہے۔ واضح رہے کہ ابوظہبی میں اسرائیلی ربی تزوی کوگن کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جسکے بعد امریکہ میں متحدہ عرب امارات کے سفیر نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ یہ خلیجی عرب ریاست کے خلاف جرم ہے، جس نے ۲۰۲۰ء میں اسرائیل کے ساتھ مکمل سفارتی اور تجارتی تعلقات قائم کیے تھے۔ اس قتل میں ملوث تین ازبک باشندوں کی ترکی سے گرفتاری کے بعد انہیں متحدہ عرب امارات کے حوالے کیا گیا تھا جہاں انہیں سزائے موت سنائی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ قتل کے اس واقعے کے باوجود اسرائیلیوں کی خلیجی ریاست کی طرف سفر کے مسلسل بہاؤ میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یہ اس بات کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ کس طرح متحدہ عرب امارات غزہ میں ان کی فوج کی طرف سے کیے جانے والے جرائم سے قطع نظر، اسرائیلیوں کے لیے مؤثر طریقے سے ایک پسندیدہ سیاسی اور سیاحتی مقام بن گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

فلسطین! فلسطین!

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

فلسطین اکتوبر ۲۰۲۳ء سے مارچ ۲۰۲۵ء تک قیامتوں سے گزرا۔ درمیان میں چند دن جنگ بندی کے گزار کر ۱۸ مارچ سے اسرائیل اور امریکہ نے تمام بین الاقوامی جنگوں، ہلاکتوں، سفاکیوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔ امریکہ اپنے تمام نئے ایجاد کردہ ہتھیار، AI (مصنوعی ذہانت) آزما کر دیوانگی کی ہر حد پار کر چکا۔ ہاتھ اسرائیل کے ہیں اور ہلاکت خیز امریکی اسلحہ خوفناک مناظر دنیا کو دکھا رہا ہے۔ پوری دنیا سے حکمران زنانہ 'ہائے، اوئی، اف اللہ، ایسے تو نہ کرو، شرارتی اسرائیل' نوعیت کی ڈپٹیاں لگاتے اور پھر 'ٹیرف' (امریکی معاشی تجارتی تماشا) سے نمٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

فلسطین میں رفح پورا تباہ کر کے غزہ سے کاٹ کر ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۷ء کی جغرافیائی حیثیت پر اسے اسرائیل کے ساتھ ملا رہا ہے۔ ۲۷ مارچ کو امریکی ہولوکاسٹ میموریل کونسل کے ممبر مارٹن اولائیز نے کہا:

> "شاید ہمیں غزہ میں مزید شہری قتل کرنے کی ضرورت ہے۔ امریکہ سے سبق سیکھو، کس طرح اس نے جاپان پر ایٹم بم گرایا۔ ہمیں سیدھی صاف بات کرنی چاہیے کہ غزہ کے لوگ مجموعی طور پر خود قصوروار ہیں۔ وہ بنیادی طور پر بد اور کھوٹے ہیں اور انہیں اس کی قیمت ادا کرنی چاہیے۔"

یروشلم پوسٹ کی شائع پوسٹ میں دو معصوم ترین اجڑے بچے، ایک کی گود میں اپنا واحد سرمایہ بلی کا بچہ اور ساتھ کھڑی ننھی بہن ہے تینوں، بد، کھوٹے افراد اور بلونگڑا بھی! یہ ہیں جن کا صفحۂ ہستی سے مٹایا جانا اسرائیلی اور امریکی اعلیٰ اخلاق و کردار کے مجسموں کو محفوظ تر کر دے گا!

۷۰ فی صد ایسے قتل کر دیے جانے والے عورتیں اور بچے ہیں۔ یہ جنونی انسانیت دشمنی، گلی سڑی بدبودار نسل پرستی ہے۔ انتہا کیا ہے؟ دھماکے کی وہ شدت جس سے بستر پر پڑی حاملہ عورت کا پیٹ پھٹا اور بچہ اچھل کر دور جا پڑا۔ دھماکوں کی شدت، کالے سیاہ دھوئیں کے ساتھ اڑتی دولاشیں جو سیاہ آسمان تک اڑ کر واپس دھوئیں کے بادلوں میں جا گریں۔ طبی عملہ، ۱۵ ارکان اور ایمبولینسوں سمیت دنیا بھر میں پھیلے جنگی قوانین کے اداروں سے ماورا (یہ سب یوں تو افغانستان میں بھی ہوا مگر وہ بے چارے دیسی، دیہاتی ملاّ 'دہشت گرد' تھے!) مار ڈالے، اجتماعی قبر میں دبا دیے۔ مگر! جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا، سو لہو چیخ اٹھا۔ راز کھل گئے۔ جوں کسی کان پر پھر بھی نہ رینگی۔ صحافیوں کے ٹینٹ (یہ بھی جنگی قواعد میں تحفظ پاتے ہیں، مگر امریکہ، اسرائیل مکمل مستثنیٰ!) پر بم مار کر آگ بھڑکا دی۔ زندہ جلا دیے۔

یہ منظر جس میں ننھا پھول بچہ گرتی عمارت کے ملبے تلے دبنے والا تھا۔ کتے نے لپک کر اسے منہ میں پکڑا کھینچ کر نکال لیا۔ اولائیز! کتے تیتوں اتے! بلکہ ہم سبھی زبانی جمع خرچ والوں سے زیادہ دردمند۔ بھوک، فاقے؟ کنٹینر خوراک سے لدے کھڑے ہیں اسرائیل امریکہ کی اجازت نہیں، مصر، اردن غلام ہیں۔ سو لوگ بھوک کی آخری حد پر مضطر، پوچھ رہے ہیں فتویٰ، کیا ایسے میں ہم بلی کھا سکتے ہیں؟ قرب وجوار میں اماراتی سفیر رمضان میں اسرائیلیوں کے ساتھ لامتناہی ڈشوں کی افطاری اڑا رہا تھا۔ ویڈیوز جاری ہو کر زخموں پر نمک چھڑک رہی تھیں۔ قیامتوں میں سے ایک عورت چلائی: وامعتصم آہ! ہائے معتصم باللہ! تم کہاں ہو اس وقت، کی پوری کہانی ہماری سنہری تاریخ سے روشن ہو گئی۔

عباسی خلیفہ معتصم باللہ دربار میں تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: 'اے امیر المومنین! میں عموریہ سے آرہا ہوں، وہاں میں نے دیکھا، ایک موٹے سے عیسائی شخص نے مسلمان باندی کو کھینچ کر تھپڑ دے مارا۔ باندی نے بے چارگی سے آپ کو آواز دی: اے خلیفہ معتصم! تم اس وقت کہاں ہو۔ عیسائی استہزائیہ ہنسا: تم معتصم کو پکار رہی ہو وہ تمہیں کیونکر جواب دے گا؟ کیا وہ تمہاری مدد کو تیز ترین گھوڑے پر چڑھ کر آئے گا؟ عورت کو پکڑا اور دوسرے گال پر بھی تھپڑ جڑ دیا'۔ معتصم باللہ کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا۔ پوچھا عموریہ کس طرف ہے۔ جواب پا کر اسی طرف منہ کر کے پکارا: لبیک! مسلم خاتون (اگرچہ باندی، مسکین غریب مگر مسلم تھی) میں نے تمہاری پکار سن لی ہے۔ معتصم اُس کا جواب دے گا۔ اسی لمحے ۱۲ ہزار تیز ترین گھوڑے، (طیارے، ڈرون نہ تھے!) فوج لیے لپکا صرف ایک باندی پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کا جواب دینے کو! قصہ مختصر محاصرہ کیا، شہر فتح کر کے وہ مجرم تلاش کیا جس نے مارا تھا۔ 'عین اسی جگہ لے چلو جہاں تم نے مارا تھا'۔ مسلم باندی کو بھی بلوا کر وہیں کھڑا کر کے پوچھا۔ اے خاتون! معتصم تمہاری مدد کو آیا؟ اثبات میں حیرت زدہ مسلمہ نے سر ہلایا۔ اور پھر باندی کو حکم ہوا ویسا ہی تھپڑ اسے مارو جیسا اس نے مارا تھا۔ یہ ماضی کے عرب تھے۔ آج ہم صرف ۲ ارب ہیں۔ اور اب غم سے گھلنے والے انہیں 'حمارات' کہنے لگے ہیں! یہ مسلمان عورت پر صرف ہاتھ اٹھانے کا بدلہ دیا رومیوں کو۔ آج رومی شہر پر شہر، ملکوں پر ملک اجاڑے گئے، ادھر سوال صرف اتنا ہے: الیس منکم رجل رشید؟ کوئی ایک؟ کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں؟ پورا غزہ اجڑ چکا۔ آبادیاں رل رل کر ختم ہونے کو آگئیں تو فتویٰ جہاد بالآخر جاری ہوا۔ قدس اور انبیاء کی سرزمین کے لیے تو یہ ۱۹۴۸ء ہی سے لاگو تھا! مگر اسے بھی پیغام پاکستان، اردن، مصر کی رعایت سے صرف ریاست ہی کی ذمہ داری قرار دیا۔ ریاستیں؟ السیسی کی حکمرانی یا نام بہ نام سبھی کو لے لیجیے۔ حتیٰ کہ کویتی شیخ نبیل العوضی نے ٹی وی پر عبداللہ بن ابی، رئیس المنافقین کے کچھ حوالے

دے کر مسلمانوں، حکمرانوں کو آئینہ دکھا دیا توان کی شہریت منسوخ کر دی گئی! مبارک ہو شیخ، پہلے بھی باذن اللہ منسوخ زمینی شہریتوں کے عوض ایک شیخ جنتی شہریت پا چکے!

ابو عبیدہ، شیر حماس نے تو اکتوبر ۲۰۲۴ء میں امت کو پکارا تھا۔ 'صرف دعاؤں پر اکتفا نہ کرو۔ اپنے قدموں سے دشمن روند ڈالو۔ فلسطین تمہیں پکار رہا ہے۔' عراق، یمن، تیونس، الجزائر، ترکی، غرض ہر مسلم ملک کا نام لے کر پکارا تھا کہ قدس تمہیں پکار رہا ہے۔ مقدس شہر کی نصرت کو نکلو۔

مغربی دنیا کے عوام نہایت غیر معمولی غیور ردِّ عمل اس ڈیڑھ سال میں دیتے رہے۔ مسلمانوں کو شرمسار کرنے والا۔ حتیٰ کہ اب بھی برطانوی گورا جسے پولیس مظاہرے سے گرفتار کر رہی ہے، چلا چلا کر کہہ رہا ہے۔ 'ڈرو مت، باہر نکلو! فلسطین کے لیے نکلنا ایک اعزاز اور سعادت ہے! بیس ہزار بچے مار دیے۔ (حالانکہ وہ خود بچے پیدا نہیں کرتے، ہمارے بچوں کے لیے اتنے حساس؟ زندہ باد! اللہ ایمان عطا فرمائے!) ڈرو مت۔ فلسطین کی آزادی تک نکلتے رہو۔' ادھر غزہ کا ایک لڑکا نو عمر، ملبے سے بچوں کی چھوٹی چھوٹی ہڈیاں اکٹھی کرتا، انہیں ایک کاغذ میں محبت سے لپیٹ کر مٹی ہٹا کر اس میں دفن کر دیتا ہے۔ دل کا عالم کیا ہو گا؟ یہ ننھے بچوں کی ہڈیاں نہیں غزہ میں دفن ہوتی غیرتِ مسلم ہے!

اہلِ مغرب کی قربانیاں لائقِ ستائش و دعا ہیں کہ اللہ انہیں ایمان سے مالا مال کرے۔ اب کہیں جا کر پاکستان، بنگلہ دیش، ترکی و دیگر مسلم ممالک میں بڑے بڑے قابلِ ذکر جلوس نکلے ہیں۔ مگر جان لیجیے۔ یہ جمہوری تماشے ہیں۔ ڈیڑھ سال دنیا کا ہر حربہ مغربی نوجوانوں نے تہذیب اور جمہوریت کے دائرے میں رہ کر استعمال کر دیکھا۔ آج غزہ ختم ہو رہا ہے خدا نخواستہ! علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی! جامِ شہادت کا ذوق! غزہ آج بھی فاتح ہے۔ اسرائیل ناکام، امریکہ دربدر خاک بسر! ملک میں افراتفری۔ عالمی ساکھ دونوں کی تباہ۔

اسرائیل میں جنگ کے خلاف بھرپور مظاہروں کے ساتھ ساتھ افواج اور اداروں کے اندر سے لاوا پھٹ رہا ہے۔ ایک ہزار ایئر فورس کے پائلٹوں کے دستخط شدہ کھلے خط کے بعد، جس کی میڈیا میں بہت تشہیر ہوئی، ایسی درخواستوں کا سلسلہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ معطلی کی دھمکیوں سے بے خوف ہزاروں دستخط کر چکے ہیں۔ جس میں آرمڈ کور، نیوی، فوجی ڈاکٹر، گریجوئٹ کیڈٹ، تعلیمی ماہرین، جاسوسی اداروں کے ممبران، دیگر یونٹوں اور ایلیٹ فورس والے بھی شامل ہیں۔ انہوں نے جنگ کے فوری خاتمے اور یرغمالیوں کی واپسی کا تقاضا کیا ہے اپنے دستخطوں کے ساتھ۔ بعض درخواستوں میں اس جنگ کو غیر ذمہ دارانہ، بلا جواز قرار دیا کہ فوجیوں کی جانیں، معصوم فلسطینیوں کی جانیں گنوائیں۔ فوجی مرنے والوں کی بڑھتی تعداد پر شدید تنقید کی۔ سبھی اسے نیتن یاہو کی اپنی حکومت بچانے کی جنگ قرار دے رہے ہیں! اسرائیلی تاریخ کا یہ بدترین اندرونی انتشار ہے! یہ ہے جمہوریت کا اصل چہرہ جو بھیانک تر ہوا جا رہا ہے! ایسے میں مسلم نوجوان اپنی ذمہ داری پہچانیں!

ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیرِ حرم
دل کو بیگانۂ اندازِ کلیسائی کر

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: مسلم روح

"مسلمان کا مقدر ماتم کرنا نہیں، ظلم کا مقابلہ کرنا اور ظالم کا سر توڑنا ہے اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا، تو ایک کے بعد ایک نشانہ بنتا رہے گا، بنتا رہے گا۔ ہمیں میدان میں اترنا ہو گا، جہاد کی روح کو زندہ کرنا ہو گا!"

بابا کہتے چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں عبد اللہ کو محسوس ہوا کہ بابا اب کمرے میں نہیں ہیں۔

اچانک اسے باہر سے شور محسوس ہوا۔ یوسف باہر جا رہا تھا، غنڈے اس کی طرف لپکے۔ اسی دوران عبد اللہ کو فضا میں گونجتی ہوئی آواز محسوس ہوئی، "ظلم کا مقابلہ کرنا ہے اور ظالم کا سر توڑنا ہے، اگر ایسا نہ کیا تو ایک کے بعد ایک نشانہ بنتا رہے گا۔"

عبد اللہ سے برداشت نہ ہوا۔ اس نے ڈنڈا اٹھایا اور گھر سے نکل آیا۔ ساتھ ہی وہ بلند آواز میں چلایا۔

"یوسف گھبرانا نہیں! میں آ رہا ہوں۔"

یوسف کو حوصلہ ملا۔ اور وہ غنڈوں کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ بس پھر کیا تھا دھڑا دھڑ دروازے کھلنے لگے۔ اس کے باقی بھائی بھی ڈنڈے لے کر باہر نکل آئے اور غنڈوں پر ٹوٹ پڑے۔ اب غنڈے بری طرح پٹ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں غنڈے ڈھیر ہو چکے تھے اور تمام بھائیوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

مسلم روح آج بھی بیدار ہے۔ فلسطین، کشمیر میں فتح ہمارا مقدر ہے۔ ایک دن ایسا ضرور ہو گا۔ جہاد کا علم بلند ہو گا۔ ان شاء اللہ

☆☆☆☆☆

فلسطین میں دہشت گردی کے جدِّ امجد

وسعت اللہ خان

'سوائے اسرائیل کے سب دہشت گرد ہیں'۔ بھلے وہ پی ایل او تھی یا اب حماس اور حزب اللہ سمیت درجنوں تنظیمیں۔ مگر کوئی نہیں بتاتا کہ موجودہ اسرائیلی فوج دراصل ستتر برس پہلے تین دہشت گرد مسلح تنظیموں (ہگانہ، ارگون، لیہئی) کو جوڑ کر بنائی گئی۔ چنانچہ اسرائیلی فوج نے فلسطین اور لبنان میں جو کچھ کیا یا کر رہی ہے وہ اس کے ڈی این اے میں کم از کم ایک صدی سے شامل ہے۔ ضروری ہے کہ اسرائیلی فوج کے عسکری شجرے کو دیکھا جائے تاکہ روزِ اول سے جاری اس اسرائیلی دعوے کی پرکھ ہو سکے کہ ''اسرائیلی ڈیفنس فورس (آئی ڈی ایف) دنیا کی سب سے مہذب سپاہ ہے''۔

ہگانہ

سب سے پہلے سب سے اہم دہشت گرد تنظیم ہگانہ کا تعارف ہو جائے۔ ہگانہ عبرانی میں دفاع کو کہتے ہیں۔

بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں بار گیورا اور پھر ہش مور کے نام سے فلسطین میں دو مسلح ملیشیائیں قائم کی گئیں۔ ان میں شامل رضاکار جز وقتی تھے اور تعداد بھی محض چند سو تھی۔ ان کا بنیادی کام اپنی اپنی آبادکار بستیوں کی چوکیداری تھا۔ ۱۹۲۰ء میں یروشلم کے محلے نبی موسیٰ اور ۱۹۲۱ء میں جافا شہر میں عرب اور یہودی آبادکاروں میں جھڑپیں ہوئیں۔

چنانچہ فلسطین میں یہودی آبادکاری کے نگراں ادارے جیوش ایجنسی کی تائید سے یہودی آبادیوں کے جامع تحفظ کے لیے ہگانہ ملیشیا تشکیل دی گئی۔ اس میں یروشلم کو عثمانی سپاہ سے چھیننے والی برطانوی فوج کے جیوش لیجن کے سابق فوجی بھی شامل تھے۔ ہگانہ کا پہلا کمانڈر یوسف ہیجنت بھی ۱۹۱۹ء میں پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد توڑی جانے والی جیوش لیجن کا اہلکار تھا۔

۱۹۲۹ء میں الاقصیٰ کمپاؤنڈ میں عبادت اور ہیکلِ سلیمانی کی دیوارِ گریہ تک راستے کے تنازع پر عربوں اور یہودیوں کے درمیان یروشلم میں ایک اور بڑا بلوہ ہوا۔ چنانچہ جسمانی طور پر صحت مند تمام جوانوں اور ادھیڑ عمر آبادکاروں پر لازم ہوا کہ وہ ہگانہ کے کارِ محافظت میں ہاتھ بٹائیں۔

مشرقی یورپ میں یہودیوں کی سب سے بڑی آبادی پولینڈ میں تھی۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد ۱۹۱۸ء میں جو نئی پولش ریپبلک قائم ہوئی اس پر صیہونیوں کا گہرا اثر تھا۔ صیہونی قیادت اور پولش حکومت اس نکتے پر متفق تھے کہ زیادہ سے زیادہ پولش یہودیوں کو فلسطین ہجرت کرنی چاہیے۔ ۱۹۳۱ء اور ۳۷ء کے درمیان لگ بھگ دس ہزار یہودی آبادکاروں نے پولش کیمپوں میں عسکری تربیت حاصل کی۔ اس دورانیے میں پولش حکومت نے جیوش ایجنسی کے تعاون سے ستائیس سو پچاس (۲۷۵۰) ماؤزر رائفلیں اور ریوالور، سوا دو سو (۲۲۵) آر کے ایم مشین گنیں، دس ہزار دستی بم اور بیس لاکھ گولیاں مختلف راستوں اور ذرائع سے فلسطین سمگل کیں۔

۱۹۳۶ء تا ۳۹ء کے تین برسوں میں عرب آبادی برطانیہ کی دوغلی پالیسی کے خلاف اجتماعی طور پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس وقت فلسطین میں ایک لاکھ برطانوی فوجی تھے۔ ہگانہ ملیشیا کے دس ہزار مسلح محافظوں اور چالیس ہزار ریزرو ارکان نے فلسطینیوں کی تحریک کچلنے کے لیے برطانوی انتظامیہ کا بھرپور ساتھ دیا۔

اس دوران نہ صرف جیوش سیٹلمنٹ پولیس قائم ہوئی بلکہ ایک برطانوی حاضر سروس کرنل اورڈے ونگیٹ نے ہگانہ کے رضاکاروں کو نائٹ اسکواڈ قاتل دستوں کے طور پر منظم کیا۔ یہ دستے عرب بستیوں پر شب خون مارتے، عرب کسانوں کو اغوا کر کے لے جاتے اور معلومات کے حصول کے لیے شدید ٹارچر کرتے، گھر اور زرعی املاک جلاتے۔ تربیت یافتہ نشانچی ان عربوں کو قتل کرتے جو برطانیہ کے نزدیک باغی قرار پائے تھے۔ یہ قیمتی تجربات یہودی ملیشیا کے ارکان کو ۴۸، ۱۹۴۷ء کے خون خرابے میں بہت کام آئے۔

ہگانہ اور برطانوی نوآبادیاتی انتظامیہ کے مابین فاصلہ تب پیدا ہونے لگا جب ۱۹۳۹ء میں سرکارِ انگلشیہ نے ایک وائٹ پیپر جاری کیا۔ اس کے تحت بے چین عرب اکثریت کی تالیفِ قلب کے لیے فلسطین میں یہودی آبادکاروں کے داخلے کو عارضی طور پر محدود کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مگر ستمبر میں ہٹلر کے پولینڈ پر حملے کے نتیجے میں دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی۔

ہگانہ کی سرپرست جیوش ایجنسی کے سربراہ ڈیوڈ بن گوریان نے اس موقع پر برطانیہ کی جنگی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم ہٹلر کے خلاف ایسے لڑیں گے جیسے کوئی وائٹ پیپر (یہودی پناہ گزینوں کے کوٹے سے متعلق) جاری ہی نہیں ہوا۔ اور پھر ہم اس وائٹ پیپر کے خلاف ایسے لڑیں گے جیسے جنگ ہوئی ہی نہیں''۔

بظاہر برطانیہ کی عسکری حمایت کے باوجود جیوش ایجنسی اپنے اصل کام سے غافل نہیں رہی۔ ہگانہ میں پالماخ کے نام سے لگ بھگ دو ہزار پروفیشنل لڑاکوں کا ایلیٹ فوجی یونٹ قائم کیا گیا اور دورانِ جنگ ایک لاکھ مزید یہودیوں کو یورپ سے اسمگل کیا گیا۔ یہ تعداد قانونی ہجرت کے لیے برطانوی حکومت کے طے کردہ کوٹے سے تین گنا زائد تھی۔

برطانوی حکام نے غیر قانونی طور پر فلسطین میں داخل ہونے والے سیکڑوں یہودیوں کو ڈی پورٹ کرنے کی کوشش کی۔ ان کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ہگانہ نے اٹھارہ سو یہودیوں کو ماریشس منتقل کرنے والے ایک بحری جہاز ایس ایس پیٹریا کو مسلح حملے میں ڈبو دیا۔ اس واردات میں دو سو سڑسٹھ (۲۶۷) افراد ہلاک اور ایک سو بہتر (۱۷۲) زخمی ہوئے۔ متاثرین میں اکثریت یہودیوں کی تھی۔

دوسری جانب بن گوریان نے ہٹلر سے لڑنے والی برطانوی فوج میں فلسطین میں آباد یہودیوں کو بھرتی کرنے کی بھی حمایت کی اور یوں برطانوی فوج کا جیوش بریگیڈ وجود میں آیا۔ یہ بریگیڈ شمالی افریقہ اور اٹلی کے محاذوں پر لڑا۔ جیوش بریگیڈ کو جنگ کے خاتمے کے اگلے برس ۱۹۴۶ء میں توڑ دیا گیا۔ تب تک تیس ہزار یہودی آبادکار باقاعدہ جنگی تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ یہ تجربہ تب بہت کام آیا جب برطانیہ نے جنگ کے خاتمے کے بعد بھی یورپ سے یہودیوں کی فلسطین بڑی تعداد میں منتقلی محدود رکھنے کی پالیسی برقرار رکھی۔

چنانچہ تین بڑی مسلح یہودی تنظیموں (ہگانہ، ارگون اور لیحی) نے اپنے اختلافات بالائے طاق رکھتے ہوئے جیوش ریزسٹنس موومنٹ کے نام سے ایک اتحاد بنایا اور عربوں کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے خلاف بھی بھرپور غیر اعلانیہ جنگ کا آغاز ہوا۔ اس کا مقصد برطانیہ کو ایک یہودی ریاست کے قیام کا وعدہ جلد از جلد پورا کرنے کے لیے دباؤ میں لانا تھا۔

پلوں، ریلوے لائنوں اور تھانوں پر دہشت گرد حملے شروع ہو گئے۔ جافا کے مرکزی پولیس اسٹیشن سے بارود سے بھری ایک گاڑی ٹکرا دی گئی (یہ مشرقِ وسطی میں پہلا خودکش حملہ تھا)۔ برطانوی ریڈار سسٹم پر حملے ہوئے تاکہ ان کشتیوں کو بروقت شناخت نہ کیا جا سکے جو یہودیوں کو بھر بھر کے فلسطینی ساحل پر چوری چھپے اتار رہی تھیں۔ اس پورے آپریشن کی کمان ہگانہ کے ایلیٹ فوجی یونٹ پالماخ کے ہاتھوں میں تھی۔

۱۹۴۶ء میں ہگانہ کی افرادی قوت برطانوی انٹیلی جینس ذرائع کے مطابق پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) نفوس پر مشتمل تھی۔ اس فورس کو چھ بریگیڈز میں تقسیم کیا گیا۔ ان میں جنگی تجربات سے مالامال تیس ہزار سابق فوجی شامل تھے۔

ہگانہ نے بندوقوں اور مشین گنوں کا ایمونیشن تیار کرنے کے لیے ایلون نامی یہودی بستی میں امریکی یہودیوں کے چندے اور تکنیکی معاونت سے خفیہ فیکٹری بھی قائم کی۔ اس وقت مشرقِ وسطی میں موجود برطانوی فوج کے بعد ہگانہ سب سے طاقتور فوجی تنظیم بن چکی تھی۔ اس کا عسکری بجٹ ۱۹۴۶ء میں چار لاکھ ڈالر تھا جو اکتوبر ۱۹۴۷ء تک تین اعشاریہ تین ملین ڈالر تک پہنچ گیا۔ اس عرصے میں فلسطینی عرب اپنے دفاع کے لیے محض ستر ہزار ڈالر تک چندہ کر پائے۔

جیسے ہی نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ نے فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ منظور کیا۔ وہاں موجود ہر یہودی زن و مرد پر لازم ہو گیا کہ وہ آخری فیصلہ کن لڑائی کی خاطر بھرتی کے لیے رپورٹ کرے۔ ہگانہ ایک پیراملٹری تنظیم سے ایک غیر اعلانیہ پروفیشنل فوج کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ آئیزک رابین، موشے دایان، ایریل شیرون ہگانہ کے نوجوان کمانڈروں میں شامل تھے۔

چودہ مئی ۱۹۴۸ء کو جب ڈیوڈ بن گوریان اسرائیلی مملکت کے قیام کا اعلان کر رہے تھے، تین لاکھ سے زائد فلسطینیوں سے شہروں اور قصبوں کو بندوق کی نوک پر خالی کروایا جا چکا تھا۔ دیگر ساڑھے چار لاکھ فلسطینیوں کو اگلے دو ماہ تک جاری پہلی عرب اسرائیل جنگ کے دوران نکال دیا گیا۔ اس دوران دیر یاسین سمیت کئی دیہاتوں کی پوری پوری آبادی قتل کر دی گئی۔ ہگانہ کو جون ۱۹۴۸ء میں وجود میں آنے والی اسرائیل ڈیفنس فورس میں ضم کر دیا گیا۔

ارگون

جس طرح ہر بنیادی نظریے کا مقصد مشترک ہونے کے باوجود رفتہ رفتہ شخصی و فکری اختلافات گروہ بندی اور چشمک میں بدلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح صہیونی نظریے کے ساتھ بھی ہوا۔

صہیونیت کا بنیادی ہدف تو فلسطین میں ایک یہودی مملکت کا قیام تھا مگر کچھ صہیونی یہ مقصد خالص سیاسی جدوجہد سے حاصل کرنے کے حق میں تھے۔ اس گروہ کو ایک مشترکہ عرب یہودی مملکت کا تصور بھی قبول تھا۔

ان کے برعکس بہت سے سوشلسٹ نظریات سے متاثر صہیونی فلسطین کی یہودی پرولتاریہ (مزدور کسان) کو سیاسی، معاشی و مزاحمتی شعور سے لیس کر کے منزل تک پہنچنا چاہتے تھے۔ وہ قابض طاقت (برطانیہ) اور اکثریتی طبقے (عرب) سے نمٹنے کے لیے سیاست و مزاحمت پر مبنی راستہ اختیار کرنے کے حامی تھے۔ ان لیبر یا سوشلسٹ صہیونیوں نے جذباتی حکمتِ عملی کے بجائے منظم ادارہ سازی پر توجہ دی۔

یورپی یہودیوں کی منصوبہ بند فلسطین نقل مکانی کے لیے جیوش ایجنسی اور زمینیں خریدنے کے لیے جیوش نیشنل فنڈ تشکیل دیا۔ محنت کشوں کو طبقاتی و سیاسی طور پر منظم رکھنے کے لیے ہستادروت لیبر یونین اور سیاسی جماعت مپائی اور یہودی بستیوں کے دفاع کے لیے ہگانہ نام سے مسلح ملیشیا قائم کی۔

مگر ہگانہ میں شامل کچھ کمانڈر سمجھتے تھے کہ محض سیاسی جدوجہد، معاشی خود مختاری اور دفاعی حکمتِ عملی سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ فلسطین کو یہودی ریاست بنانے کے لیے اکثریتی آبادی (عرب) کو بزور نکالنا اور مارنا بھی پڑے تو جائز ہے۔

حتیٰ کہ قابض طاقت (برطانیہ) سے بھی لڑنا پڑ سکتا ہے۔ اس ترمیم پسند نظریے کو بڑھاوا دینے میں نمایاں نام جواں سال پولش یہودی رہنما زیو جیبوٹنسکی کا ہے۔ وہ سوشلسٹ صہیونیوں کو سبزی خور رہنما ہونے کا طعنہ دیتے تھے اور ایک طے شدہ سرحد میں قید ہونے کے بجائے اردن تا بحیرہ روم کا خطہ یہودی مملکت کا آسمانی حق سمجھتے تھے۔

۱۹۲۹ء میں یروشلم میں عربوں اور یہودیوں کے مابین پرتشدد جھگڑے کے نتیجے میں ہگانہ کے اندرونی اختلافات بڑھ گئے۔ کچھ کمانڈروں کا خیال تھا کہ ہگانہ کی عسکری پالیسی اگر جارحانہ دفاع پر مبنی ہو تو اسے عرب اور مقامی برطانوی انتظامیہ زیادہ سنجیدگی سے لے سکتی ہے۔ جب کہ بن گوریان وغیرہ کا خیال تھا کہ یہ وقت جارحانہ حکمتِ عملی یا کھلم کھلا یہودی مملکت کے قیام کا نعرہ لگانے کا نہیں۔ اس سے مسائل بڑھیں گے اور دشمن چوکنا ہو جائیں گے۔ مگر فکری خلیج بڑھتی چلی گئی۔

جیبوٹنسکی کے نظریاتی ترمیم پسند گروہ نے ہگانہ سے علیحدہ ہو کر اپریل ۱۹۳۱ء میں ارگون کے نام سے نیم فوجی تنظیم قائم کی اور مرکزی صہیونی قیادت سے بالا بالا اپنے تنظیمی و عسکری فیصلے کرنے شروع کیے۔

ارگون کی افرادی قوت ابتدا میں لگ بھگ دو ہزار تھی۔ نئے ریکروٹوں کو ان کے ذاتی پس منظر کی کڑی چھان بین کے بعد شامل کیا جاتا۔ ڈسپلن اور رازداری پر نہایت زور تھا۔ ابتدائی چار ماہ نظریاتی تربیت ہوتی۔ ریکروٹ کی صلاحیت اور رجحان دیکھ کر چھوٹے ہتھیاروں اور دستی بموں کے استعمال، سگنل کوڈنگ، جاسوسی اور مزید باصلاحیت ارکان کو بم سازی اور بھاری ہتھیاروں کی تربیت یہودی آبادیوں میں قائم خفیہ مراکز، بیابانوں اور سنسان ساحل کے علاوہ بیرونِ ملک (پولینڈ) میں بھی دلوائی جاتی (جب تک مسولینی نے ہٹلر سے اتحاد کا فیصلہ نہیں کیا تب تک ارگون اپنے ارکان کو فوجی تربیت کے لیے اٹلی بھی بھیجتی رہی)۔

ہتھیار مقامی برطانوی انتظامیہ کے اسلحہ خانوں سے چوری کیے جاتے اور بیرونِ ملک (پولینڈ) سے بھی اسمگل ہوتے۔ بہت سے ارکان کو مقامی پولیس میں بھی بھرتی کروایا گیا جو ارگون کے کان، ناک، آنکھ کا کام کرتے تھے۔ پیسے کی کمی پورا کرنے کے لیے بینک لوٹنے سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔

ارگون اپنے ارکان سے توقع کرتی تھی کہ وہ بظاہر نارمل زندگی گزاریں مگر اشارہ ملتے ہی مسلح مشن کے لیے بھی تیار رہیں۔ ارگون نے اپنے خفیہ سیل یورپ تا امریکہ اور شنگھائی تک منظم کیے۔ ان کا کام لابنگ، پروپیگنڈہ، یہودی کمیونٹیز کو فلسطین ہجرت پر قائل کرنا اور بااثر و دولت مند یہودی کاروباریوں سے چندہ جمع کرنا تھا (ہگانہ ملیشیا بھی یہی طریقے استعمال کرتی تھی)۔

جوں جوں جرمن یہودیوں پر عرصہِ حیات تنگ ہونے کی خبریں آنے لگیں ارگون کی بے صبری بھی بڑھتی چلی گئی اور اس نے برطانیہ پر یہودی پناہ گزینوں کے لیے فلسطین کے دروازے پوری طرح کھولنے کے لیے دباؤ ڈالنے کی سوچ کے تحت عرب آبادیوں کے ساتھ ساتھ سرکاری تنصیبات کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ کے آغاز پر ہگانہ اور ارگون نے ہٹلر کے خلاف برطانیہ کی عارضی حمایت کا اعلان کیا اور برطانوی فوج میں فلسطینی یہودیوں کی بھرتی کی اس امید پر حوصلہ افزائی کی کہ برطانیہ اس حمایت سے متاثر ہو کر یہودیوں کی فلسطین میں آمد کا کوٹہ محدود کرنے اور عربوں سے زمین خریدنے پر پابندی ختم کر دے گا۔

تاہم جب ارگون کو اندازہ ہوا کہ برطانوی انتظامیہ عربوں کی بے چینی میں بڑھاوے کے خدشے کے پیشِ نظر اس پالیسی کو شاید برقرار رکھے تو ۱۹۴۴ء میں ارگون نے برطانیہ سے تعاون کی پالیسی ختم کر دی۔ ارگون کے چوالیس سالہ فکری گرو زیو جیبوٹنسکی کے ۱۹۴۰ء میں اچانک انتقال کے بعد تنظیمی قیادت پولینڈ سے ہجرت کرنے والے مینہم بیگن کے ہاتھ میں آچکی تھی۔

فروری ۱۹۴۴ء کے بعد ارگون نے برطانوی سرکاری دفاتر اور مواصلاتی مراکز کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ سرکار نے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کر کے سیکڑوں انتہا پسندوں کو فلسطین بدر کرنا شروع کیا۔ ہگانہ نے ان گرفتاریوں میں برطانوی انتظامیہ سے مخبرانہ تعاون کیا۔ جیوش ایجنسی اور ورلڈ جیوش کانگریس نے بھی ارگون کی کارروائیوں کو دہشت گردی قرار دیا کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ برطانیہ کہیں یہودی وطن کے قیام کے وعدے سے بالکل ہی ہاتھ نہ اٹھا لے۔

جولائی ۱۹۴۵ء میں برطانیہ میں چرچل کی جگہ لیبر پارٹی کی حکومت آئی تو ہگانہ کی قیادت نے نئی حکومت سے یہودی پناہ گزینوں کی فلسطین آمد اور زمین کی خریداری پر سے پابندی اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ برطانویوں نے گول مول جواب دیا۔

چنانچہ تین یہودی انتہا پسند مسلح تنظیموں (ہگانہ، ارگون، لیحی) نے اختلافات وقتی طور پر بالائے طاق رکھ کے جیوش ریزسٹنس مومنٹ کے نام سے مسلح اتحاد تشکیل دیا اور منظم دہشت گردی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ برطانیہ نے تین دہشت گردوں کو مقدمہ چلا کے پھانسی دے دی۔ اس کے بدلے دو برطانوی فوجیوں کی لاشیں درخت سے لٹکی ملیں۔ ان واقعات کے بعد برطانیہ نے فلسطین چھوڑنے کا اصولی فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ دہشت گرد حکمتِ عملی کی بہت بڑی جیت تھی۔

مارچ ۱۹۴۷ء میں جیوش ایجنسی کے سربراہ ڈیوڈ بن گوریان کی سربراہی میں ایک خفیہ اجلاس میں عربوں کی نسلی صفائی میں تیزی لانے کی اصولی منظوری دی گئی۔ ارگون نے عرب اکثریتی شہر جافا کی ناکہ بندی کر لی۔ برطانوی دستوں نے عرب آبادی کو بچانے کے بجائے غیر جانبداری اختیار کی۔ چنانچہ دو ہفتے کے محاصرے کے بعد مسلح یہودی دستے جافا میں داخل ہو گئے اور عرب آبادی کی بے دخلی شروع ہو گئی۔

اس کے بعد ٹرانس اردن سے متصل فلسطینی سرحدی گاؤں دیر یاسین کا سانحہ رونما ہوا جہاں ہگانہ کی خاموش رضامندی سے ارگون اور لیحی کے دہشت گردوں نے لگ بھگ ڈھائی سو فلسطینی مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہلاک کر کے پورا گاؤں جلا دیا۔ یہ خبر پھیلتے ہی فلسطینی ہجرت میں مزید تیزی آتی چلی گئی۔

اسرائیل کے قیام کے بعد ارگون کی قیادت نے وزیرِ اعظم بن گوریان کی حکومت کی جانب سے غیر مسلح ہو کر خود کو نوزائیدہ اسرائیلی فوج میں ضم کرنے کے مطالبے کو مسترد کر دیا۔ سرکاری دستوں اور ارگون کی مسلح جھڑپیں بھی ہوئیں۔ البتہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیلی فوج نے یروشلم میں ارگون کا مرکزی دفتر گھیر لیا تو مسلح قیادت نے تنظیم توڑ کر خود کو اسرائیلی فوج میں ضم کرنے کا فیصلہ کیا۔

جنوری ۱۹۴۹ء میں پیرس میں ارگون نے اپنا یورپی مرکز اپنی سیاسی شاخ حیروت کے حوالے کر دیا گیا۔ حیروت ۱۹۶۷ء کے بعد لیخود پارٹی بن گئی۔ مینہم بیگن، آئزک شمیر اور نیتن یاہو اسی پارٹی کے پلیٹ فارم سے وزیرِ اعظم بنے۔

لیحی

۱۹۲۰ء میں بن گوریان کی رہنمائی میں تشکیل پانے والی سب سے بڑی مسلح ملیشیا ہگانہ کو آپ اعتدال پسند دہشت گرد کہہ سکتے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں ہگانہ سے جنم لینے والی ارگون ملیشیا کو آپ شدت پسند دہشت گرد کہہ سکتے ہیں۔ البتہ ارگون کے پیٹ سے ۱۹۴۰ء میں جنم لینے والی ملیشیا ’’لیحی‘‘ کو آپ صہیونی داعش کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ آپ کیا کہیں گے خود لیحی کی قیادت سینہ ٹھونک کے کہتی تھی کہ ہاں ہم دہشت گرد ہیں (دنیا میں یہ اپنی نوعیت کی غالباً واحد اعترافی مثال ہے)۔

لیحی کا باضابطہ نام ’’تنظیم برائے آزادیِ اسرائیل‘‘ تھا۔ نظریاتی اعتبار سے ارگون اور لیحی کا ایک ہی گرو تھا یعنی زیو جیبوٹنسکی۔ دونوں تنظیموں کا اس پر اتفاق تھا کہ فلسطین دراصل یہودیوں کا آبائی وطن ہے۔ یہاں بسنے والے عرب اور برطانیہ دونوں غاصب ہیں۔

ہگانہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ سیاسی انگلیوں سے گھی نہ نکلے تو دہشت گردی کو سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے بطور ہتھیار استعمال کرنا جائز ہے۔ ارگون کا خیال تھا کہ سیاست اور دہشت گردی کو ہم قدم ہونا چاہیے۔ جب کہ لیحی کا نظریہ یہ تھا کہ مسلح جدوجہد ہی واحد راستہ ہے۔ ایک نظریہ ایک جماعت ایک مملکت۔ فرد کی وفاداری خاندان سے بھی پہلے مملکت اور اس کے نظریے کے ساتھ ہونا لازم ہے۔ یعنی لیحی کا نظریہ ہرزل کی صہیونیت، مسولینی کی فسطائیت اور نازیوں کی نسل پرستی کا آمیزہ تھا۔

لیحی یا سٹیرن گینگ کی بنیاد اگست ۱۹۴۰ء میں ارگون کی فوجی ہائی کمان سے الگ ہونے والے ابراہام سٹیرن نے رکھی۔ سٹیرن کو یہ اختلاف تھا کہ جس برطانیہ نے ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلریشن کے ذریعے یہودیوں کے قومی وطن کا وعدہ کیا اسی برطانیہ نے گزشتہ برس (۱۹۳۹ء) یہودیوں کی فلسطین آمد کو انتہائی محدود کرنے اور نئی زمینوں کی خریداری پر غیر معینہ پابندی لگائی ہے۔

یوں برطانیہ ہمارا عربوں سے بھی بڑا دشمن بن گیا ہے۔ اس منافق کو نیچا دکھانے کے لیے نازیوں جیسے کھلے دشمن سے مدد مانگنے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ فلسطین کی برطانوی انتظامیہ سے کسی بھی طرح کا تعاون صہیونیت کے حتمی مقصد سے غداری ہے۔ جہاں ہگانہ اور ارگون نے عالمی جنگ کے دوران برطانیہ کا نازی جرمنی کے خلاف عارضی ساتھ دینے کا فیصلہ کیا وہیں لیحی نے اپنی مسلح کاروائیاں جاری رکھیں۔

اسرائیلی مورخ عربوں کو یہود دشمن ثابت کرنے کے لیے سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جنگِ عظیم سے قبل فلسطینی رہنما حاجی امین الحسینی نے برلن میں ہٹلر سے ملاقات کی اور ہٹلر کو اکسایا کہ اگر تم نے یہودیوں کو نکال دیا تو وہ سب فلسطین آ جائیں گے۔ چنانچہ انہیں یورپ میں ہی ختم کر دو۔ عرب تمہارے ہم قدم برطانیہ اور فرانس کو مشرقِ وسطی سے اکھاڑ پھینکنے میں تمہارا ساتھ دیں گے۔

مگر یہودی مورخوں کی اکثریت یہ اعتراف کرتے ہوئے شرماتی ہے کہ لیحی کے سربراہ ابراہام سٹیرن نے بیروت میں متعین نازی سفیر کو خط لکھا کہ اگر جرمنی اپنی یہودی آبادی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم انہیں فلسطین منتقل کرنے کے کام میں نازیوں سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ ہم اس عددی طاقت کے بل پر فلسطین میں ایک یہودی مملکت قائم کر پائیں گے۔ اس تعاون کے بدلے ہم نازیوں سے برطانیہ کو شکست دینے میں تعاون کریں گے۔

لیحی کی قیادت نے دوسرا خط استنبول میں جرمن سفارت خانے کو بھیجا۔ مگر دونوں خطوط کا برلن کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔

لیحی کے نسلی نظریاتی لٹریچر میں جگہ جگہ یہودیوں کو عظیم اور عربوں کو غلام قوم سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی ایک خالص یہودی مملکت میں اگر عرب رہنا چاہیں تو انہیں محدود حقوق کے ساتھ رہنا

ہو گا تاکہ وہ خود سری سے باز رہیں۔(گویا لیحی کا نظریہ اپنے جوہر میں نسل پرست نازی نظریے کا صہیونی چربہ تھا)۔

عالمی صہیونی کانگریس اور جیوش لیگ نے لیحی کو بظاہر دہشت گرد اور مہم جو قرار دیتے ہوئے عاق کر دیا۔ ہگانہ اور ارگون کے برعکس لیحی اگرچہ چند سو انتہا پسندوں پر مشتمل تھی، مگر اس کی خونخوار حکمتِ عملی بے لچک تھی۔ اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے بینک لوٹنا اور دولت مند یہودیوں سے رقم نکلوانا بھی ایک انقلابی فعل تھا۔ ۱۹۴۰ء سے ۴۲ء کے درمیان دو بینکوں کا لوٹا جانا ریکارڈ کا حصہ ہے۔

جنوری ۱۹۴۲ء میں لیحی کے دہشت گردوں نے برطانوی خفیہ پولیس کے سربراہ کو تل ابیب کے نزدیک ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر اس کوشش میں دو یہودی اہل کاروں سمیت تین پولیس والے ہلاک ہوگئے۔ برطانوی حکام نے ہگانہ کی مخبری پر لیحی کے اشتہاری رہنما ابراہام سٹیرن کو فروری ۱۹۴۲ء میں پولیس مقابلے میں مار دیا۔ سٹیرن کی موت کے بعد لیحی کی قیادت تین رکنی کمیٹی نے سنبھالی۔ ان میں سے ایک رکن کا نام ایتزاک شمیر تھا(۱۹۷۸ء میں مینہم بیگن کی حکومت نے ابراہام سٹیرن کی یاد میں ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔ جس گھر میں سٹیرن کو گولی ماری گئی وہ میوزیم بنا دیا گیا)۔

لیحی نے ۱۹۴۲ء تا ۴۸ء بیالیس حکام کو قتل کیا۔ ان میں نومبر ۱۹۴۴ء میں قاہرہ میں متعین برطانوی سفارت کار لارڈ میون سے لے کر اسرائیل کے قیام کے بعد مقرر ہونے والے اقوامِ متحدہ کے صلاح کار کاؤنٹ برناڈٹ کا ستمبر ۱۹۴۸ء میں یروشلم میں دن دہاڑے قتل بھی شامل ہے۔

برطانیہ نے لارڈ میون کے قتل کے الزام میں لیحی کے دو دہشت گردوں ایلیاہو بیت زوری اور ایلیاہو حاکم کو قاہرہ میں پھانسی دے دی۔

(اسرائیل کے قیام کے بعد دونوں قاتلوں کے باقیات کو اسرائیل لا کر فوجی اعزاز کے ساتھ دوبارہ دفن کیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں ان کی یاد میں ڈاک ٹکٹ جاری ہوئے اور ان کا نام ان ’شہدا‘ میں شامل کیا گیا جنھوں نے اسرائیل کی آزادی کے لیے جان دی)۔

لیحی کے دہشت گردوں نے ۱۹۴۶ء میں لندن کے کولونیل کلب پر بم حملہ کیا۔ چرچل، ایٹلی اور اینتھنی ایڈن سمیت برطانیہ کے اکیس سیاستدانوں کو لیٹر بم بھیجے۔ خوش قسمتی سے کوئی لیٹر بم نہ پھٹا۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں یروشلم میں برطانوی پولیس اسٹیشن سے بارود سے بھرا ٹرک ٹکرا دیا گیا(یہ دنیا کا پہلا ٹرک بم تھا)۔ اس واقعہ میں چار پولیس والے ہلاک اور لگ بھگ ایک سو چالیس زخمی ہوئے۔ فروری ۱۹۴۸ء میں قاہرہ حیفہ ریلوے لائن پر بارودی سرنگ پھٹنے سے اٹھائیس برطانوی فوجی ہلاک اور پینتیس زخمی ہوئے۔ یکم مارچ ۱۹۴۸ء کو بن یمینہ قصبے کے قریب ایک اور ٹرین کو نشانہ بنایا گیا۔ اس میں چالیس سویلین ہلاک اور ساٹھ زخمی ہوئے۔

اپریل ۱۹۴۸ء میں دیر یاسین گاؤں میں ڈھائی سو فلسطینیوں کے قتل میں بن گوریان کی ملیشیا ہگانہ بلاواسطہ اور مینہم بیگن کی ارگون ملیشیا اور ایتزاک شمیر کی لیحی ملیشیا براہ راست ملوث تھی۔

ستمبر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی کاؤنٹ برناڈٹ کے قتل کے بعد بن گوریان حکومت نے بظاہر لیحی ملیشیا کو دہشت گرد قرار دے کر کالعدم کر دیا۔ مگر برناڈوت کے تمام قاتل کچھ ہی عرصے میں عدالتوں سے بری ہوگئے۔ ان میں سے ایک گیولا کوہن ۱۹۴۹ء میں پہلی اسرائیلی پارلیمنٹ(کنیسٹ) کا رکن منتخب ہوا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: یہ غزہ ہے! یہاں زندگی ار موت کے درمیان جنگ جاری ہے!

ان کے بارے میں اندرونی خفیہ معلومات اکٹھی کرنا ایک آئندہ ممکنہ ٹکراؤ کے لیے نہایت اہم ہے، خاص طور پر ان نظریاتی اور کرپٹ افواج اور ان کے قائدین سے نمٹنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

فوج کے اعلیٰ افسران اسے اپنی ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں، اور اس کی وجہ بھرتی، تربیت اور سروس کے دورانیے کے نظام میں موجود متعدد خرابیاں ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا حل ممکن ہے، اگر ہم اپنی مسلح افواج سے بدعنوان قیادت کا خاتمہ کر دیں۔ خاص طور پر ان افسران کے بیٹوں کی بھرتی کا مسئلہ، جو سمجھتے ہیں کہ فوج ان کی خاندانی میراث بن چکی ہے، صرف اس بنیاد پر کہ ان کے آباؤ اجداد نے کبھی بہادری دکھائی تھی۔ یہ بے حیثیت لوگ، جنھوں نے نہ کوئی جنگ لڑی، نہ ہی کبھی دشمن کے خلاف ہتھیار اٹھائے، بلکہ ہمیشہ اپنے ہی عوام پر بندوق تانی ہوئی ہے، ان کی پوری زندگی کا حاصل دراصل قوت کے مراکز پر قبضہ اور وسائل کی لوٹ مار ہے، جو کسی بھی طور جائز نہیں۔ اور جب تبدیلی کا پہیہ حرکت میں آئے گا تو ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہے گا۔

پس اے باشعور اور مسلح نوجوان! فوجی سروس سے فرار اختیار نہ کرو، بلکہ اسے ایک موقع سمجھ کر استعمال کرو، اور وہ وقت آئے گا جب تم اس پر اللہ کا شکر ادا کرو گے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

غزہ، مجھے معاف کر دو......

جمال کنج

میں "مجھے معاف کر دو" لکھ رہا ہوں نہ کہ "ہمیں معاف کر دو"، اس لیے کہ یہ احساس جرم انتہائی ذاتی نوعیت کا ہے۔ یہ ایک ایسا بوجھ ہے جسے میں اپنے گھر کی آسودگی میں رہتے ہوئے اٹھاتا ہوں، جب میں صاف پانی پی رہا ہوتا ہوں جبکہ غزہ کے بچے گندے پانی کے کنوؤں سے سیوریج میں ملا ہوا پانی پیتے ہیں، ان کے ننھے جسم پانی کی کمی اور بیماری سے مرجھائے جاتے ہیں، چاہے انہیں پانی مل بھی جائے تب بھی۔

میں اپنے گھر کے عقبی حصے سے جنگلی خبازی کے پتے توڑ سکتا ہوں، بھوک مٹانے کے لیے نہیں، بلکہ ایک صحت مند غذا کی عیاشی کے لیے۔ میں اپنا بچا ہوا کھانا پھینک دینے کا مجرم ہوں جبکہ غزہ میں ماں باپ تباہ شدہ گھروں کے ملبے سے کھانے کا کوئی ڈبہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں جو شاید اسرائیلی بمباری سے کہیں بچ گیا ہو۔ یا وہ گڑھوں میں موجود کھیتوں میں رینگ کر جانے کی ہمت کر لیتے ہیں تاکہ وہ اپنے بچوں کے خالی پیٹوں کی آواز کو خاموش کروانے کے لیے کچھ جنگلی سبزیاں اکٹھی کر سکیں، لیکن اس طرح وہ صرف اسرائیلی ڈرونز کی سرد نگاہوں میں ایک متحرک ہدف بن جاتے ہیں۔

مجھے معاف کر دو، میرے پاس اپنے بچوں کو گرم رکھنے کے لیے گھر ہے، ہیٹر ہے، کمبل ہیں۔ جبکہ غزہ میں، والدین جاگتے رہتے ہیں، صرف سردی سے نہیں، بلکہ اس اذیت سے بھی کہ وہ اپنے بچوں کے ننھے، سردی سے جمتے پیروں کو گرمائش نہیں دے سکتے۔

مجھے معاف کرنا جب میں اپنی بیٹی کو اس کی سالگرہ پر چومتا ہوں اور اس کی ہنسی میرے کانوں میں گونجتی ہے، جبکہ تمہارے کانوں میں صرف اسرائیلی ڈرونز کی بھنبھناہٹ گونجتی ہے۔ وہ خوشی سے سانس کھینچ کر موم بتیاں بجھاتی ہے جبکہ تم اندھیرا دور کرنے کے لیے موم بتیاں جلاتے ہو، ایک ایسی دنیا میں سانس لینے کے لیے ہانپتے ہو جو تمہیں سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دیتی۔

میں اپنی بیٹی کو تھام سکتا ہوں، جبکہ تم اپنی بیٹی کو ملبے کے نیچے سے نکال بھی نہیں سکتے۔ اسے آخری بار گلے لگانے کے لیے اس کی باقیات بھی جمع نہیں کر سکتے کیونکہ امریکی ساختہ اسرائیلی بموں نے ریت کے ذروں کی طرح اسے ہوا میں بکھیر دیا اور تمہیں خالی ہاتھ دکھ اور گرد سے بھرا چھوڑ دیا۔

تمہارے ہسپتال، ڈاکٹر، طبی عملہ اور ابتدائی امدادی کارکن، جنہوں نے اپنا پیشہ زندگیاں بچانے کے لیے چنا تھا، وہ خود نشانہ بن گئے، اس لیے کہ ایک فلسطینی کی زندگی بچانا اسرائیلی وجود کے لیے خطرہ تصور کیا جاتا ہے۔ میں ہر اس صحافی سے معافی کی بھیک مانگتا ہوں جس کے جنگی جرائم کو بے نقاب کرنے والے الفاظ گولیاں بن گئے اور جن کے کیمرے اسرائیل کے لیے توپوں سے زیادہ خطرناک تھے۔

اس دنیا کو معاف کر دو جو تمہاری بھوک کو، سکولوں اور یونیورسٹیوں کی تباہی کو اور تمہارے اساتذہ کے قتل کو، اسرائیل کا 'ذاتی دفاع' کہتی ہے۔

غزہ کے پیارے لوگو! انہیں معاف کر دو اگر تم نے کبھی یہ یقین کیا تھا کہ انسانیت نے افریقی غلامی، مقامی آبادی کے قتل عام یا یورپی ہالوکاسٹ کے گناہوں سے کبھی سبق سیکھا تھا۔ غزہ! میں توبہ کرتا ہوں اگر تم نے کبھی یہ سوچا کہ (ہالوکاسٹ کے بعد) "دوبارہ کبھی نہیں" (Never Again) کے نعرے میں تم بھی شامل تھے۔

میں شرمندہ ہوں کہ "دوبارہ کبھی نہیں" سے متاثر لوگوں کی اولاد نے ADL، AIPAC اور سیاسی صہیونیت کے تحت منظم ہو کر ایک نسل کشی کو جائز قرار دیا، جو یہودیت کے نام پر کی جا رہی ہے۔ پیارے غزہ! "دوبارہ کبھی نہیں" سب کے لیے نہیں ہے، یہ صرف گوری چمڑی والے مغرب اور خود کو "منتخب لوگ" کہنے والوں کے لیے ہے۔

نظریاتی "سامی مخالف" (anti-Semites) اب اسرائیل کے سب سے قریبی اتحادی ہیں۔ آج "سامی مخالف" (anti-Semites) کا مطلب وہ لوگ نہیں رہے جو یہودیوں سے نفرت کرتے ہیں، بلکہ وہ لوگ ہیں جو اسرائیلی قتل عام کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ "دوبارہ کبھی نہیں" پر اب پیشہ ور "متاثرین" کی اجارہ داری ہے، جو ماضی کی یورپی ظالمانہ تاریخ کو فلسطین میں موجودہ اسرائیلی ناانصافی کے جواز کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

غزہ! میں شرمندہ ہوں، فلسطینی اتھارٹی نے تمہارے ساتھ غداری کی۔ تمہاری حفاظت کرنے کی بجائے وہ تم پر ظلم کرنے والے کا بازو بن گئی۔ جب جنین، نور شمس اور بلاطہ کے مہاجر کیمپ تمہاری حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے، تو انہوں نے صرف اسرائیلی فوج کا ہی سامنا نہیں کیا بلکہ فلسطینی اتھارٹی کی گولیوں اور ڈنڈوں کا بھی کیا۔ اور جن شہروں اور قصبوں نے بغاوت نہیں بھی کی، وہاں بھی فلسطینی اتھارٹی ان کی یہودی آبادکاروں کے حملوں سے ان کی حفاظت نہ کر سکی، جو گھروں اور باغات کو جلا رہے ہیں، مویشیوں کو مار رہے ہیں اور کسانوں پر گولیاں چلا رہے ہیں۔

غزہ، مجھے معاف کر دو! عرب اتحاد کے وہم پر یقین کرنے پر، یہ گمان کرنے پر کہ تم ایک عظیم تر عرب قوم کا حصہ ہو۔ اس پر کہ قاہرہ، عمان، دمشق، بغداد، ریاض اور دیگر حکمران تمہاری خاطر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہمارا درد ہماری جدوجہد مشترک ہے۔ مجھے یقین تھا کہ عرب دنیا تمہیں کبھی بھوکا نہیں چھوڑے گی۔ میں غلط تھا!

اس کی بجائے، وہ تمہارے محاصرے کا حصہ بن گئے۔ رفح کی ناکہ بندی صرف اسرائیلی فوجیوں نے نہیں بلکہ مصری کنکریٹ کی دیواروں اور پہرے کے ٹاورز نے بھی کی ہے۔ امرائے عرب ان سے ہاتھ ملاتے ہیں جو تمہارے ہسپتالوں پر بمباری کرتے ہیں۔ عرب خلیج کے امیر حکمران وہ اسرائیلی ٹیکنالوجی خریدتے ہیں، جو پہلے تمہارے محلوں میں آزمائی جاتی ہے۔

غزہ، مجھے معاف کر دو! یہ سمجھنے پر کہ جن حکمرانوں نے فلسطین کے ساتھ ۱۹۴۸ء میں غداری کی تھی وہ کبھی تمہارا دفاع کریں گے۔ جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے ۹۰۰ سال قبل صلیبیوں کے لیے دروازے کھول دیے تھے، اپنی بقا کی خاطر فلسطینیوں کے خون کا سودہ کیا تھا، آج پھر وہ یہی کر رہے ہیں۔

غزہ، تاریخ خود کو دہراتی ہے! وہ بادشاہ و امراء جنہوں نے حملہ آوروں کا تب استقبال کیا تھا، آج بھی اسرائیل کو گلے لگا رہے ہیں، بھنے ہوئے اونٹوں پر شکم سیر ہوتے ہیں جبکہ تمہارے بچے بھوک سے مرجھا رہے ہیں۔ ان کے دارالحکومت موسیقی کے تہواروں کی روشنیوں سے جگمگاتے ہیں جبکہ غزہ کی راتیں امریکی ساختہ ۲۰۰۰ پاؤنڈ کے بموں کے شعلوں سے جل اٹھتی ہیں۔

عرب ظالم حکمرانوں سے، جو اب بھی اپنے نو آبادیاتی آقاؤں کے سامنے جھکتے ہیں، میں کہتا ہوں:

یورپی صلیبیوں نے فلسطین پر قبضہ کرنے کے بعد تمہارے آباؤاجداد کو نہیں بخشا۔ انہوں نے اپنی تلواروں کا رخ انہی کی طرف موڑ دیا جنہوں نے ان کی مدد کی تھی، اور ان کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو ایک ایک کرکے نگل لیا۔

غزہ، میں معذرت خواہ ہوں! کہ جب یمن کے لوگ تمہارے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اسرائیلی بندرگاہ پر ترسیل روک کر تمہارے بچوں کے لیے خوراک کا مطالبہ کیا، تو ان کے اپنے بچوں کو اسرائیلی امریکی پراکسی جنگ میں قتل کر دیا گیا۔ تمہاری طرح ان کا دکھ بھی بے آواز ہے، ان کی تکلیف پر بھی کوئی شہ سرخی نہیں بنتی۔

غزہ! تمہارا خون ایک آئینہ ہے جس کا دنیا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کرتی۔

لیکن میں نظریں نہیں چراؤں گا۔

میری بے بسی کے لیے مجھے معاف کر دو!

ہر گھونٹ پانی پر......

کھانے کے ہر نوالے پر......

ہر اس سانس پر جو میں لے رہا ہوں جب کہ تمہارا دم گھٹ رہا ہے۔

اگر ان لوگوں نے، جن سے میں غزہ میں برسوں پہلے ملا تھا، کبھی یہ سمجھا کہ میں انہیں بھلا چکا ہوں تو مجھے معاف کر دو!

مجھے معاف کر دو اگر میں ہر مدد مانگنے والے کی مدد نہیں کر پایا!

میرے آرام پر مجھے معاف کر دو......

میرے امن پر مجھے معاف کر دو......

میں تم سے معافی کا خواستگار نہیں......

بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم جان لو:

تمہیں بھلایا نہیں گیا!

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: کانٹے اور پھول

دادا کی صحت بگڑ گئی اور انہوں نے اپنی روح اللہ کے سپرد کر دی۔ ہم نے انہیں آنسوؤں اور رونے کے ساتھ الوداع کہا، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ دادا اس بات کو جانے بغیر فوت ہو گئے کہ والد کا کیا ہوا جو پانچ سال سے زیادہ عرصہ سے غائب تھے نہ ہی انہوں نے اپنے پوتے کو دیکھا جو غزہ سے بھاگ کر اسرائیل میں کام کرنے چلا گیا تھا، اور نہ ہی محمود ان کے پاس تھا۔ لیکن ہم نے اپنا فرض ادا کیا اور پڑوسیوں نے ہمارا ساتھ دیا۔ مہاجر کیمپ خوشی اور غم میں ایک خاندان کی طرح ہوتا ہے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

روزِ محشر ہم میں سے کون یہ چاہے گا کہ ساری انسانیت کے سامنے

اور اس سے بڑھ کر اللہ جل جلالہ کے حضور میں، جب یہ شہداء اللہ تعالیٰ سے التجا کریں

کہ اے اللہ! جس نے بھی ظالموں کی مدد کی تو اس کا انجام بھی ظالموں کے ساتھ فرما!

تو ہم بھی صہیونیوں کی صف میں صہیونیوں کے ساتھ ہی کھڑے ہوں؟!

صہیونی مصنوعات کا......

#بائیکاٹ_کیجیے!

شام میں جہاد کا مستقبل

استاد ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق | مترجم: ڈاکٹر نیک محمد

بسمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، ولا عدوان إلا على الظالمين، والصلاة والسلام على رسولنا الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد.

ادارہ النّازعات: آج سے ڈیڑھ ماہ قبل، ہمارے معزز مجاہدین بھائیوں نے ملکِ شام کے علاقوں کو نصیری حکومت کے قبضے سے آزاد کروایا اور حلب، حماہ اور حمص سے لے کر دمشق، طرطوس، لاذقیہ اور ساحلِ سمندر تک کے اسلامی مراکز کو بشار الاسد کے ظالمانہ نظام سے آزادی دلائی۔

اس مہینے میں شام میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات اور پیچیدہ تغیرات دیکھنے کو ملے، جنہیں دیکھ کر اکثر مجاہدین اور شام کے محاذ پر برسرِپیکار آزادی کے متوالے حیرت زدہ رہ گئے اور اس مرحلے کو سمجھنے میں الجھن اور تذبذب کا شکار ہو گئے جس کے نتیجے میں جہادی و اسلامی فکر و عمل کے میدان میں الجھے ہوئے سوالات کی ایک لہر اٹھی اور انقلابی بحثیں شروع ہو گئیں۔ اور پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جو لوگ علم، ایمان، جہاد اور دعوت الی اللہ جیسی صفات کے حامل ہیں وہ مومنین کے دلوں میں یقین کو پختہ کرنے اور ابطالِ اسلام کے دلوں سے مایوسی اور بے چینی کی شدت کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ وہ شام کی پوری سرزمین پر دینِ اسلام کی حمایت اور معزز اہلِ شام کی عزت اور ان کے تحفظ کے لیے معطل کیے گئے اقدامات کو دوبارہ منظم کر سکیں اور یہاں شام سے ہماری مراد شام کی عظیم تر سرزمین ہے: یعنی دمشق سے مسجدِ اقصیٰ اور پورے فلسطین تک۔

ان واقعات کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے ہم اپنے ایک معزز بھائی استاذ عبد العزیز الحلاق حفظہ اللہ کی میزبانی کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ استاذ عبد العزیز الحلاق حفظہ اللہ جہادی، دعوتی اور سیاستِ شرعیہ کے معاملات میں مہارت رکھتے ہیں، انہوں نے اس مکالمے کے انعقاد کے لیے ہماری دعوت کو قبول کیا جس میں ہم بالعموم شام میں اور بالخصوص سوریہ میں جہاد اور دعوت کے مستقبل پر تبادلہ خیال کریں گے۔ اس دوران ہم ان اہم ترین موضوعات پر بھی روشنی ڈالیں گے جن میں آج کل مرابطین مجاہدین کے درمیان اور مجالس میں عام لوگوں کے درمیان گرما گرم بحث جاری ہے۔ یہ مکالمہ عموماً دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے معاملات میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے مفید ہو گا اور خاص طور پر مجاہدین اور داعیانِ اسلام کے لئے نافع اور متاثر کن ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہی سے ہم مدد و توفیق حاصل کرتے ہیں۔

ہم اپنی بات کا آغاز کلمۂ خیر سے کرتے ہیں: محترم ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہم آپ کو اس ملاقات میں خوش آمدید کہتے ہیں، جس میں ہم شام کے دعوتی و جہادی میدان سے متعلق اہم ترین علمی، فکری اور منہجی سوالات کا جائزہ لیں گے اور سب سے پہلے ہم آپ کو اس فیصلہ کن فتح پر مبارکباد دے کر آپ کے ساتھ مکالمے کا آغاز کرتے ہیں۔ پس اے ابو اسامہ ہم آپ کو اس عظیم فتح پر مبارک باد پیش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور ہماری امتِ مسلمہ کو جہاد کی برکت سے عطا فرمائی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں مسجدِ اقصیٰ اور پورے فلسطین کی فتح سے نوازے اور اسے غاصب صہیونیوں کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے، آمین۔

استاذ عبد العزیز الحلاق: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرے پیارے بھائی! اللہ آپ کو برکت دے اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو اس نیک دعوت، مہمان نوازی اور حسنِ ظن کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور میں تو صرف اتنا دیکھتا ہوں کہ آپ نے میرے بارے میں بہت زیادہ حسنِ ظن سے کام لیا ہے، پس مجھے آپ کے بارے میں متنبی کا یہ شعر کہنے کا حق ہے:

میں صدقِ دل سے یہ سب تعریفیں آپ کی طرف لوٹاتا ہوں
تعریف کے حق دار وہی لوگ ہیں جن میں حقیقتاً ایسی صفات پائی جاتی ہیں

میں آپ کو اس خیرِ عظیم پر مبارکباد پیش کرتا ہوں جو اللہ نے ظالم بشار الاسد کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ شام کے مسلمانوں اور ہماری پوری امتِ مسلمہ کو عطا فرمائی ہے، پس تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس کے فضل و کرم سے اچھے کام انجام پاتے ہیں اور ہم اللہ کریم، عظیم عرش کے رب سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے مجاہدین بھائیوں کے ہاتھوں قابض طواغیت سے پورے خطۂ شام کو آزادی عطا فرمائے اور سوریہ کی تمام سرزمینوں پر مکمل اور جامع فتح کے ساتھ ہماری خوشی کو پورا فرمائے۔

مدیر انٹرویو: استاذِ محترم، براہِ کرم ہمیں سوریہ (شام) کی آزادی اور فتح کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کیجیے، جس نے ہمارے سامنے فاتح اموی قائدین کی عظمت کی یادیں تازہ کر دیں، آپ اس فتحِ عظیم کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ ہمارے ماضی کی شان کو کس حد تک شاندار حال سے جوڑتی ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرے پیارے بھائی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اس مجرم نصیری حکومت کے خاتمے پر خوش نہیں ہے اس کے دل میں ایمان کا ذرّہ بھی نہیں ہے اور اس

میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ 'ردع العدوان' کے بابرکت معرکہ کے دوران، ظالموں کی جیلوں سے ہمارے بھائیوں اور بہنوں کی آزادی اور ظالم نصیری طاغوت کی حکمرانی سے ملک کی آزادی اور سوریہ (شام) کی سرزمین پر اللہ کے کلمے کی سربلندی اور شرک و کفر کی شکست اور لوگوں کا آزادی و انصاف کی فضا میں سکھ کا سانس لینا اور دعوتِ الی اللہ اور نورِ ہدایت کے دروازے کھلنا، ان سب نعمتوں پر ہم اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتے ہیں اور تمام مسلمان اس پر دل کی گہرائیوں سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ سب جہاد فی سبیل اللہ کے بڑے مطالب و مقاصد میں سے ایک ہے جو صرف اللہ کے فضل سے حاصل کیا گیا ہے اور یہ تمام نعمتیں اور برکتیں امتِ مسلمہ کے لئے جہاد کے عظیم فوائد سے شمار ہوتی ہیں۔ پس اس منزل تک پہنچنے میں دنیا کے مختلف ممالک سے امتِ مسلمہ کے بہت سے فرزندوں نے حصہ لیا، چنانچہ مالداروں نے اپنے مال سے، علماء و داعیانِ دین نے اپنی دعوت سے، مجاہدین نے اپنی جانوں اور خون سے اور مظلوم امت کے عام افراد نے اللہ تعالیٰ سے اپنی دعاؤں اور آہ وزاری کے ساتھ اس مقام تک پہنچنے میں حصہ ڈالا۔ یہاں ہمیں غزہ کے مجاہدین بھائیوں اور ہمارے سروں کے تاج، 'کتائب القسام' کے ابطال کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کیونکہ، اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق کے بعد، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے 'طوفان الاقصیٰ' کا بابرکت معرکہ برپا کر کے وہ مؤثر ترین عامل پیدا کیا جس کے نتیجے میں سوریہ کے ادارۂ عسکری عملیات کے رہنماؤں کی قیادت میں 'ردع العدوان' کا طوفان آیا، اللہ انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ اس عظیم فتح کی تیاری میں حصہ لینے والے ہر شخص کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اپنے وفادار بندوں کے لیے ان عظیم فتوحات کے ثمرات محفوظ رکھنا آسان بنائے اور ملک و قوم کو ظالموں کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے جہادِ فی سبیل اللہ اور شامی انقلاب کے منصوبے کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاں تک ۸ دسمبر کو پیش آنے والے واقعے (یعنی دمشق کی فتح) کے بارے میں میری ذاتی رائے کا تعلق ہے تو میرے پیارے بھائی، مجھے فتحِ دمشق کے متعلق لوگوں کی مبالغہ آمیز باتوں سے کچھ اختلاف کے اظہار کی اجازت دیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ مبالغہ آرائیاں اہلِ سوریہ کے شعور اور بیداری کو کم کر دیں گی اور فتحِ دمشق کو اس کے واقعی اور حقیقت پسندانہ حجم سے بہت زیادہ بڑھانے کا ذریعہ بنیں گی۔ اس میں کسی مسلمان کو کوئی شک نہیں ہے کہ نصیری طاغوت کے تسلط سے دمشق کی آزادی اہلِ اسلام کے لئے ایک عظیم فتح اور ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن یقینی طور پر یہ اس شکل و صورت کی فتحِ عزیز نہیں ہے جس کی قائدینِ اسلام ہر وقت اور ہر جگہ امید رکھتے ہیں۔ پس یہ کہنا درست ہو گا کہ سوریہ (شام) کی سرزمین آج بھی عالمی تسلط اور بین الاقوامی غلامی کے بوجھ تلے کراہ رہی ہے، وہ اب بھی بین الاقوامی برادری کے بدمعاشوں اور عالمی نظام کے وحشیوں کے رحم و کرم پر ہے اور سابق نصیری حکومت کے عالمی آقاؤں کے زیرِ قبضہ ہے۔ پس یہی عالمی قابضین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہم پر نصیری طاغوت مسلط کیا تھا اور نصف صدی تک اسے نصب کیے رکھا اور اس کی حفاظت کرتے رہے۔

سچ تو یہ ہے میرے پیارے بھائی کہ یہ فتح ایک جزوی فتح ہے اور یہ ایک ایسی مکمل اور جامع فتح نہیں ہے جس سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہو سکتی جیسا کہ لوگ سمجھ بیٹھے ہیں۔ منظر نامے کا ہر مبصر گواہی دیتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ فتح جہادی قوت کی طرف سے منظر عام پر نہیں آئی اور نہ ہی تمام شامی قابضین اور خطے کے کھلاڑیوں پر جہادی منصوبہ نافذ کرنے سے آئی ہے بلکہ یہ فتح تو (محض اتفاق سے) صلیبی-صہیونی استعماری منصوبے اور شرعی جہادی منصوبے کے ہم آہنگ ہو جانے کے تناظر میں سامنے آئی ہے۔ پس انہوں نے اپنے رحم و کرم پر اور اپنی بالادستی کے تحت مجاہدین کے لیے ان کا مقصد حاصل کرنا آسان بنا دیا اور انہیں وہ موٹی چھڑی بننے کا موقع فراہم کیا جس کے ساتھ وہ خطے کے اُن کھلاڑیوں کو نظم وضبط سکھاتے اور سزا دیتے ہیں جو ان کی سرخ لکیروں کا خیال نہیں رکھتے۔ عالمی کفر نے تو بس مجاہدین کے لیے محل و کرسی پر قبضہ کرنے اور ان زمینوں کو قابو کرنے کی راہ ہموار کی جو انہوں نے پہلے اپنے ایجنٹوں کو دی ہوئی تھیں جب وہ طے شدہ شرائط پر کاربند تھے۔ پس جب مجاہدین محل اور تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو مغرب نے اپنے گندے اور بوسیدہ طریقوں سے مجاہدین کو قابو کرنا شروع کر دیا اور دھمکیوں اور لالچ کے ذریعے ان کے عقیدے کو کچل ڈالا۔ پھر انہوں نے ان کے زیادہ تر عسکری و سٹریٹیجک سازوسامان اور مالِ غنیمت کو تباہ کر کے انہیں حیران کر دیا جو اصل میں شامی عوام کی ملکیت تھا اور مجاہدین کے افعال کی نگرانی کے لیے اور ان کے اقدامات پر قابو پانے کے لیے اپنی سرپرستی میں جائیداد کے مالک کا کردار ادا کیا اور مطلوبہ رعایتوں کی سطح کا اندازہ لگایا۔ کاش وہ اس حد پر ہی رک جاتے، لیکن وہ مجاہدین کی تذلیل کرتے رہے، ان کی عزت، غیرت اور نخوت کی توہین کرتے رہے اور انہیں اپنے اصولوں اور منہج کو ترک کرنے پر مجبور کرتے رہے، چنانچہ انہوں نے ان کے پاس ایک جرمن ہم جنس پرست طوائف بھیجی، جو مجاہدین کے قائد کو اس کے عقیدے اور اصولوں سے دستبردار کرنے کے لیے ورغلانے لگی۔ پس جب وہ مجاہدین کی عملداری میں آئی تو انہیں ان کے اصولوں کو ترک کرنے پر مائل کرنے لگی اور ان پر معاشی دروازے بند کر دیے اور دھمکی دی کہ جب تک وہ اس کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے اور اس کے مطالبات کی تعمیل نہیں کرتے، وہ انہیں خیرات نہیں دے گی۔ تو کون سی فیصلہ کن فتحِ عظیم سے ہم خود کو دھوکا دے رہے ہیں؟

میں بالکل واضح طور پر کہتا ہوں کہ سوریہ کے مجاہدین جو دمشق میں حکمرانی کے منظر نامے کی قیادت کر رہے ہیں اور وہ طے شدہ صہیونی-صلیبی مفاہمتی تسلط کے تابع ہیں، جس نے انہیں یہ فتح حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اور دمشق کی حکمران قیادت کا خود کو امارت اسلامیہ افغانستان پر قیاس کرنا، نہ صرف غلط ہے بلکہ محض دھوکا دہی ہے۔ پس افغانستان میں جو کچھ حاصل کیا گیا وہ ایک انقلابی جہادی فتح تھی جس کے نتیجے میں ایک آزاد طاقت پیدا ہوئی ہے جسے

ہتھکڑیاں نہیں لگائی گئیں تھیں، کیونکہ اس نے اس عالمی نظام پر، افغان دلدل میں طویل تھکن کے بعد، پوری طاقت کے ساتھ اپنی مرضی مسلط کر دی تھی۔ میرے پیارے بھائی! میں اس بات کو رد نہیں کروں گا کہ صہیونی-صلیبی مغرب شام کے مجاہدین کو دہشت گردی سے لڑنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے امتحان میں آزمانے کے لئے انہیں وقت دے گا اور اسی لیے انہوں نے ان کے پاس طاقت کا یہ حاشیہ چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ سکیں کہ وہ کیا کرتے ہیں، اور انہوں نے یہ بات مجاہدین سے صاف صاف کہی: ’’ہم آپ کی اچھی اور عمدہ باتیں سنتے ہیں، لیکن ہم آپ کے افعال کو دیکھیں گے۔‘‘ اور یہاں مجاہدین کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہی بات ان کے رب کی طرف سے بھی ان سے کہی گئی ہے:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙۚ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ۧ

’’موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین تو اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام تو پرہیز گاروں ہی کا بھلا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچتی رہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا: قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔‘‘

مجاہدین کی جماعت مغرب کی آزمائشوں اور امتحانات میں یقیناً ناکام ہو جائے گی اگر وہ اپنے دین کی بنیادوں اور اسلام کے اصولوں پر قائم رہیں گے اور پھر مغرب مجاہدین کے لیے وہ لال بتی جلا دے گا جو پہلے اس نے مجاہدین کے دشمنوں کو دکھا رکھی تھی اور ان کے دشمنوں کو ایک بار پھر گرین سگنل دے گا تاکہ وہ اسی فرقہ وارانہ جنگ کے محور پر واپس آ جائیں جس میں وہ ایک دہائی پہلے ان کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ اس طرح صہیونی - صلیبی اتحاد ہماری امتِ مسلمہ کو فرقہ واریت کے بھنور میں داخل کرنا چاہے گا تاکہ ان کے لیے ہماری سرزمین پر اپنے تفرقہ انگیز استعماری منصوبوں کو انجام دینا اور ہماری صلاحیتوں کو تباہ کرنا آسان ہو جائے، اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

مدیر انٹرویو: تو شاید آپ سمجھتے ہیں کہ یہ فتح، غزہ میں موجود ’مزاحمت کے محور‘ پر حملہ کرنے کے لیے ایک ڈرامے کی طرح ہے اور یہ شامی نوجوان فاتح مجاہدین خطے میں صہیونی - صلیبی منصوبے کو مضبوط کرنے کے لئے بین الاقوامی کرائے کے میدان میں کام کر رہے ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: نہیں میرے پیارے بھائی! معاذ اللہ، خدا نہ کرے کہ میں اپنے مجاہدین مرابطین بھائیوں کی حیثیت وشان کو کم کروں یا ان کے دین اور نیتوں پر شک کروں کیونکہ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔ میں نے معرکۂ ’ردع العدوان‘ کے مجاہدین میں جو کچھ دیکھا ہے وہ صرف اور صرف صدق ووفا ہے اور دین پر فدا ہونا ہے، لیکن میں نے آپ کے سامنے فتح کی تصویر اس کی حقیقت کے مطابق بیان کی ہے، نوعمر لڑکوں کی مبالغہ آرائی اور جذباتی بھائیوں کی بسیار گوئی کے بغیر اور چالاک، دھوکے باز لوگوں کی من گھڑت باتوں سے ہٹ کر، جو ہماری بیداری اور شعور کو مٹانا چاہتے ہیں، ہمارے خیالات کو موڑنا چاہتے ہیں اور ہمیں وہم اور خوابوں میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ حقائق اور اصل حالات ہمارے سامنے ظاہر نہ ہوں۔

میرے پیارے بھائی! دمشق پر مجاہدین کی حکمرانی اور سوریہ کے تقریباً نصف علاقے پر ان کے اختیار کے باوجود ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ درحقیقت وہ اب بھی قابضین کے تسلط کے تابع ہیں اور یہ کہ شام میں مجاہدین پر اور شامی عوام پر ایک سیاسی، ثقافتی اور معاشی قبضہ اب بھی مسلط ہے اور اس کے لاتعداد شواہد موجود ہیں۔ سچ کہوں تو اموی فتوحات جن کا آپ نے ذکر کیا اور فتح دمشق سے تشبیہ دی، وہ اسلامی بالا دستی اور تفوق کے دور میں تھیں۔ وہ فتوحات نہ تو عالمی کفر کے سرغنوں کی اجازت، رضامندی اور ان کی طرف سے موقع فراہم کرنے سے ہوئیں تھیں اور نہ ہی مجاہدین کے قابل تعریف شرعی ارادے اور کفار کے نفرت انگیز، ملعون ارادے کے ملاپ سے۔

آپ مجھے اپنے رب کی قسم کھا کر بتائیں کہ کیا تاریخ میں کسی اموی خلیفہ یا وزیر کے بارے میں ایسا کوئی واقعہ لکھا ہے کہ اس نے روم کے بادشاہ ہرقل کو طاقت اور خوشحالی کی خواہش کے ساتھ مبارکباد اور برکتوں کا پیغام بھیجا ہو؟

مزید برآں بنو امیہ کی طرف لوٹنے اور انہیں اسلامی تاریخ میں اعلیٰ ترین مثال اور بہترین نمونہ قرار دینے کا نعرہ جمہور مسلم علماء کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ ہمیں تو خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کی طرف لوٹنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ اموی خلفاء کی سنت کی طرف، جیسا کہ ہم سے منہاج النبوۃ کی طرف لوٹائے جانے کا وعدہ اور مطالبہ کیا گیا ہے نہ کہ منہاج بنی امیہ کی طرف۔

مدیر انٹرویو: درست، لیکن ابو اسامہ، آپ کے جن الفاظ نے مجھے حیران کیا ہے وہ یہ ہیں کہ آپ کو اس فتح یا اس کے طریقے اور انداز کے بارے میں کچھ تحفظات ہیں، آپ کے الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے ساتھ شام کی نئی انتظامیہ کا جو رویہ ہے اس سے آپ کچھ غیر مطمئن ہیں یا پھر بات اس کے برعکس ہے؟ آپ کو نئی شامی انتظامیہ کے بارے میں کیا تحفظات ہیں اور آپ اس پر کیا نقد کرتے ہیں؟ وہ ان بڑے ممالک کے سامنے کیا کر سکتے ہیں جو شام میں اپنے مفادات کے حصول کے خواہاں ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: دیکھیے میرے پیارے بھائی! جب ہم سوریہ کے موجودہ منظر نامے، اس کی حقیقت اور سنہ ۲۰۲۴ء کے آخر میں پیش آنے والے واقعات کے نتائج کا جائزہ لیتے ہیں، تو سوریہ میں جو کچھ ہوا وہ اس کے چند اہم تاریخی شہروں کی آزادی کے سوا کچھ نہیں ہے، جن میں

سب سے اہم دارالحکومت دمشق ہے، جس پر مجاہدینِ اسلام کے دھڑوں کا اسلامی اقتدار ہے۔ اس قدر آزادی کو فیصلہ کن فتح اور حقیقی ظفر مندی قرار دینا، میری ذاتی رائے میں، ایک پُر امید استعاراتی نام کے طور پر تو جائز ہو سکتا ہے جسے ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ امتِ مسلمہ اور اہلِ شام کے لیے مکمل کرے گا۔ تاہم جس حقیقت کو درست الفاظ میں مرتب کیا جانا چاہیے اور اس کی شرعی موافقت کو علمی، فقہی، شرعی اور منطقی انداز میں بیان کیا جانا چاہیے وہ یہ ہے کہ شام (سوریہ) ابھی تک فتح نہیں ہوا ہے اور جو کچھ بھی ہوا ہے وہ صرف اس کے چند اہم شہروں کی آزادی زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اور یہ مجاہدین اور انقلابیوں پر عائد تمام فرائض میں سے کچھ فرائض کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اہلِ علم و دانش کو عالمی کفر کے ائمہ کی طرف سے مسلط کردہ داخلی ایجنٹ (بشار الاسد) سے دمشق کو آزاد کرانے کی خوشی میں اندھا نہیں ہونا چاہیے، انہیں وقت سے پہلے کسی چیز پر جلدی نہیں کرنی چاہیے اور انہیں چاہیے کہ وہ انقلاب کے خاتمے، شامی جہاد کے دور کے اختتام اور ریاست کی تعمیر کے دور کے آغاز کا اعلان کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ کیونکہ یہ جہاد اور انقلاب کے جلتے ہوئے انگاروں پر ٹھنڈا پانی ڈالنے کے مترادف ہے اور ایک منصف مزاج سمجھدار شخص کو احساس ہے کہ سوریہ کی فقہی اور حقیقت پسندانہ سچائی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اس پر اب بھی قبضہ ہے اور یہ کہ حملہ آور دشمن کو ابھی تک اس سے بے دخل نہیں کیا گیا ہے اور صہیونی-صلیبی قبضہ اب بھی شام کے بیشتر علاقوں پر مسلط ہے۔

مزید بر آں، باشعور اور دیانت دار قیادت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے انقلابی عوام اور اپنے مجاہدین سپاہیوں کے سامنے صحیح تصویر پیش کرے جو حقیقت سے مطابقت رکھتی ہو اور ان سب کو بتاتی ہو کہ شام کی سرزمین پر آپس میں گتھم گتھا بیرونی قابضین کا ایک پیچیدہ قبضہ تھا جنہوں نے پہلے شام کی سرزمین کی دولت و وسائل بانٹنے کے لئے ایک اندرونی ایجنٹ بشار الاسد کو قبول کرنے پر اتفاق کیا تھا اور جب انقلابیوں نے سنہ ۲۰۱۱ء میں بغاوت کی تو ان قابضین نے اپنی صہیونی-صلیبی امریکی-روسی جنگ کا آغاز کر دیا اور ان میں سے ہر ایک اپنے اتحادیوں کو جنگ میں لے آیا تاکہ وہ آپس میں شامی اثر و رسوخ اور اس کے وسائل کی تقسیم کا انتظام کر سکیں۔ پھر جب یوکرین میں ان بڑے ممالک کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں میں پھوٹ ڈال دی یہاں تک کہ ان کا اختلاف پوری زمین میں اپنی آخری حد تک پہنچ گیا، خاص طور پر شامی سرزمین پر۔ اس کے بعد سات اکتوبر کو ان پر علاقے ویران کرنے والی بڑی مصیبت آئی یعنی طوفان الاقصیٰ کا بابرکت آپریشن، جس نے ان میں سے بیشتر معاہدوں اور سمجھوتوں کو اکھاڑ پھینکا جن پر پہلے وہ متفق تھے، اس کے بعد سلامتی کونسل میں دنیا کو کنٹرول کرنے والے ان پانچ دیوتاؤں کے درمیان ان اختلافات، تنازعات اور جنگوں کے تناظر میں 'ردع العدوان' کا بابرکت معرکہ شروع ہوا، تب شامی مجاہدین نے سب سے چھوٹے طاغوت بشار الاسد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، اگرچہ وہ ہمارے سوریہ کے مسلمان بھائیوں کے خلاف سب سے زیادہ ظالم اور جابر تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہلِ شام اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے صرف بشار الاسد سب سے بڑا مجرم اور سب سے بڑا خطرہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ سوریہ کو بیرونی قابضین میں سے بھی سب سے کمزور قابض یعنی صرف ایران سے ہی آزاد کرایا گیا ہے جبکہ بڑے بڑے بیرونی قابضین ابھی بھی شام کی سرزمین پر اپنا قبضہ باقی رکھے ہوئے ہیں اور شام پر اثر و رسوخ آپس میں بانٹے بیٹھے ہیں۔ اس لیے ایک دیانتدار قیادت اپنے عوام اور سپاہیوں کو تمام معاملات صحیح تناظر میں دکھاتی ہے، حالات اور انجام کی حقیقت کو واضح طور پر بیان کرتی ہے اور غاصبوں سے بلاخوف و خطر ملکِ شام کو درپیش خطرات اپنے عوام کے سامنے ظاہر کرتی ہے، چاہے وہ غاصب معاصر صہیونی-صلیبی جنگ کے آقا ہوں یا ان کے مقامی ایجنٹ۔

جہاں تک آپ کے دوسرے سوال کا تعلق ہے تو میں جو دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجاہدین کی قیادت، شام کی سرزمین کی طمع اور لالچ رکھنے والے صہیونی-صلیبی ممالک کا مقابلہ کرنے کے لئے، بہت سے اقدامات کر سکتی ہے۔ اسے سب سے پہلے اپنے عوام، سپاہیوں اور امت کے ساتھ ایماندار ہونا چاہیے، انہیں صاف صاف بتانا چاہیے کہ ہمیں اب بھی سوریہ کی سرزمین پر ایک عظیم قبضے کا سامنا ہے اور یہ کہ انہیں سوریہ کی اسلامی حکومت کا تختہ الٹے جانے کی اندرونی اور بیرونی سازشوں کا سامنا ہے اور یہ کہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو مجاہدین کے ہاتھوں حاصل کردہ جہادی کامیابیوں کو چوری کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور یہ کہ جہادی انقلاب ابھی زندہ ہے اور تپ رہا ہے اس کے شعلے اور انگارے اس وقت تک جلتے رہیں گے جب تک کہ سوریہ کا تمام علاقہ صہیونی-صلیبی جنگ کے آخری بیرونی قابض اور اندرونی ایجنٹ سے آزاد نہیں ہو جاتا۔ نئی شامی انتظامیہ کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے عوام، سپاہیوں اور عرب و اسلامی امت کے سامنے حقائق بیان کرے اور کھل کر اور صاف صاف کہے کہ ابھی تک ہم نے ظلم کا پہلا خول ہی اکھاڑ پھینکا ہے جو در حقیقت سب سے بڑی بیماری کی علامت ہے لیکن شام کے خطے میں سب سے بڑا جھگڑا، اس سرزمین پر صہیونی-صلیبی قبضہ ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ایجنٹوں کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ انہیں شامی عوام کے سینے پر بٹھا سکیں، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

مدیر انٹرویو: درست! میں نے سوریہ کی حقیقت کے بارے میں آپ کے مایوس کن نقطہ نظر سے جو سمجھا وہ یہ ہے کہ انقلاب کو ختم کرنے کا فیصلہ ایک انقلابی غلطی اور شامی عوام کے لئے ایک گمراہ کن فیصلہ تھا۔ لیکن کیا آپ کو نہیں لگتا کہ نئی قیادت اس مشکل حقیقت سے آگاہ ہے لیکن خطے کے ان متکبر اور قابض ممالک کے خطرات کو شامی عوام سے زیادہ سے زیادہ بے اثر کرنے کی کوشش کر رہی ہے؟ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس کمزوری کے سائے میں اور ان پیچیدہ رکاوٹوں اور شدید دباؤ کے تحت جن کا ہماری امت کو سامنا ہے، نئی انتظامیہ کو بہترین طریقے

سے منظم کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ خطے کو کنٹرول کرنے والی بڑی طاقتوں کو دھوکا دینا ایک دانشمندانہ اور سیاسی طور پر معقول فیصلہ ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میں بالکل بھی مایوسی کا شکار نہیں ہوں میرے پیارے بھائی! بلکہ میں تو، خدا کی قسم، ایک محتاط شخص کی طرح پُر امید ہوں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں اور نئی قیادت میں میرے بھائی، اپنے آپ کے ساتھ، اپنے عوام کے ساتھ اور اپنے وفادار مجاہد سپاہیوں کے ساتھ مخلص اور سچے رہیں۔ سو آپ انقلاب کے خاتمے کا اعلان کیوں کرتے ہیں جبکہ اس کے تقاضوں کی تکمیل نہیں ہوئی اور آپ جہاد کے خاتمے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں جبکہ اس کی ذمہ داریاں اور تقاضے موجود ہیں۔ یہ شرعی، فقہی، انقلابی اور سیاسی میزان میں ایک بہت بڑی غلطی اور خطا ہے۔ میرے پیارے بھائی! اس طرح وہ بابرکت انقلاب کے جلتے ہوئے شعلے پر ٹھنڈا پانی ڈال رہے ہیں اور جہادی غصے کی آگ کو اپنے ہاتھوں سے بجھا رہے ہیں، حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انہوں نے جو رعایتیں دی ہیں (اور اپنے مقاصد سے تنازل اختیار کیا ہے) ان سے مغرب خوش ہو رہا ہے اور ان کی تعریف کر رہا ہے!

یہ کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے اور انہیں کبھی بھی ایسے طریقوں سے ان ممالک کے خطرے کو بے اثر کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے جو سیاسی و شرعی دونوں لحاظ سے غلط ہوں، ایسے طریقے انہیں، مجاہدین کو اور پورے انقلاب کو تباہی کی کھائی تک لے جا سکتے ہیں۔

میرے پیارے بھائی! اگر وہ ایک زبردست اور فیصلہ کن فتح چاہتے ہیں تو انہیں اپنے منہ سے ظالموں کو ''نہیں'' کہنا چاہئے اور انہیں بتانا چاہئے کہ آپ ہماری سرزمین اور مٹی پر قابض ہیں اور یہ کہ ہمارے لوگ اس غاصبانہ قبضے اور اس متکبرانہ سرپرستی کو قبول نہیں کریں گے۔

اور ہاں، وہ باقی مقبوضہ شامی سرزمین کو آزاد کرانے کے لئے اپنی جہادی اور انقلابی تحریک کو اس وقت تک مؤخر کر سکتے ہیں جب تک کہ وہ اپنی سانسیں نہ پکڑ لیں اور اپنی صفوں کی تنظیم نو نہ کر لیں، تاہم اس کے باوجود انہیں اپنے عوام، سپاہیوں اور امت کے ساتھ ایماندار ہونا چاہیے۔ اس کے بعد موجودہ کمزوری کے سائے میں ان بڑے ممالک کو اس بیان کے ساتھ سنبھالنا ٹھیک ہے کہ ہمیں شامی سرزمین پر تمہارے قبضے کا سامنا ہے۔ اب یا تو قابضین سفارتی ذرائع اور سیاسی مذاکرات کے ذریعے شامی سرزمین چھوڑ دیں گے یا پھر مجاہدین کی قیادت قابضین کے سامنے اعلان کرے گی کہ وہ آسمانی اور زمینی قوانین میں بیان کیے گئے ہر جائز طریقے سے ان کے خلاف مزاحمت کریں گے اور یہ کہ چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے، وہ لامحالہ اپنی انقلابی اور جہادی تحریک دوبارہ شروع کریں گے تاکہ اپنی سرزمین کے آخری ذرّے کو ہر قابض اور ایجنٹ سے آزاد کرایا جا سکے۔

جہاں تک ہماری اسلامی دنیا پر قابض ان ممالک کو دھوکا دینے کے امکانات کے بارے میں آپ کا سوال ہے تو میری حقیر سی رائے میں یہ تصور ہمارے متکبر دشمنوں کی حقیقت کے بارے میں پائے جانے والے سادہ اسلامی تصورات میں سرفہرست ہے۔ میرے بھائی! یہ ممالک کوئی خیراتی ادارے یا دعوتی گروہ نہیں ہیں جنہیں اہل اسلام دھوکا دے سکیں اور ان کو اس طرح چکما دے سکیں جس طرح کچھ لوگ خواب دیکھتے ہیں اور وہم و گمان رکھتے ہیں۔ یہ وہ بڑے بڑے ظالم ممالک ہیں جو ہمارا گوشت کھا کر، ہمارا خون پی کر اور ہمارے بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بڑے ہوئے ہیں اور اب بھی بڑھ رہے ہیں اور جی رہے ہیں۔ یہ ممالک جنگجو ممالک ہیں جو جارحیت اور جنگوں کو پسند کرتے ہیں۔ وہ تباہی پھیلانے میں ماہر ہیں، اور ان کی خونی تاریخ ان بات کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ استعماری ممالک ہیں جو اپنے دشمنوں کو شکست دینے اور کچلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ سابقتی انسانی تہذیبوں کو تباہ کرنے میں بھی مہارت رکھتے ہیں اور جو کوئی بھی ان کے بارے میں ایسا سادہ سا تصور رکھتا ہے، آخر کار اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے غلاموں کا غلام، ان کے ایجنٹوں کا ایجنٹ اور ان کے گماشتوں کا گماشتہ بن جاتا ہے۔

میرے پیارے بھائی! ہمیں ایسی سلطنتوں کا سامنا ہے جنہوں نے لاکھوں لوگوں کا قتل کیا ہے۔ جب ہم میں سے کوئی مسلمان، ان کے رحم و کرم پر اور خود پر مسلط بین الاقوامی برادری کے احسان سے، اقتدار میں آئے گا، تو وہ ہمیں اپنی سانسیں بحال کرنے یا اپنی صفوں کو دوبارہ منظم کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی اقتدار میں رہنے نہیں دیں گے، بلکہ وہ تو ہمارے لیے سازشیں اور کھیل تیار کر رہے ہیں، اور ہم اس دائرے کی طرف بڑھ رہے ہیں جس میں بشار الاسد نصف صدی تک جیتا رہا، اور بدقسمتی سے پھر اس کے بعد ہم مجاہدین کے قائدین کو تلاش کریں گے جو اسے رغبت اور خوف سے پکاریں اور اس کے تئیں عاجزی کا مظاہرہ کریں۔

مدیر انٹرویو: محترم استاذ عبد العزیز الحلاق! آیئے اس موضوع کی گہرائی میں جاتے ہیں۔ آپ کی رائے میں دمشق کی آزادی کے تقریباً دو ماہ بعد پورے خطے میں بالعموم اور خاص طور پر سوریہ میں ہونے والے اثرات کی روشنی میں آپ شام میں کیا خطرہ دیکھتے ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: پورے خطے میں بالعموم اور خاص طور پر سوریہ میں صہیونی - صلیبی خطرے سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں ہے اور اس خطرے کا موازنہ نصیری خطرے سے بالکل بھی نہیں کیا جا سکتا جس کی نمائندگی پہلے بشار الاسد کر رہا تھا، جبکہ شامی انقلابی یہ سوچ کر بغاوت کر رہے تھے کہ سوریہ میں ان کو درپیش واحد خطرہ مقامی نصیری حکومت اور اس کے اتحادی ہیں، لیکن اب ان پر واضح ہو گیا کہ صہیونی - صلیبی دشمن نے ان پر ہر طرف سے پنجوں کی طرح اپنا محاصرہ سخت کر دیا ہے۔

ا. سب سے پہلا خطرہ اسرائیلی - صہیونی خطرہ ہے جسے 'خطے کا آقا' سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس نے جنوبی سوریہ کے علاقوں سمیت عظیم تر شام کی سرزمین کے اہم حصوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ قبضہ اب بھی جنوب سے پھیل رہا ہے اور ہمیں یہ نہیں

بھولنا چاہیے کہ درعا، قنیطرہ اور سویدا میں غداروں کے بہت سے حامی اور مددگار ہیں، جن میں کچھ سنی گروہ، دروز وغیرہ کے فرقوں سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں۔ یہ خطرہ پورے عظیم تر شام کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے عزائم اور آرزوؤں کی وضاحت کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اس نے اپنے لیے دستیاب تمام طریقوں اور ذرائع سے ان عزائم کا کھلا اظہار کیا ہے۔ اسرائیل کی عظیم ریاست کے وہ نقشے جو صہیونی فوجی اپنے کندھوں پر لٹکائے ہوئے ہیں، ان اشتعال انگیز ذرائع کے سمندر میں صرف ایک قطرہ ہیں۔ اور اس خطرے کا سب سے خطرناک پہلو 'احمد العودۃ' کی قیادت میں عرب-صہیونی افواج کا خطرہ ہے، جو دمشق میں داخل ہونے والا اور اس کا تختہ الٹنے والا پہلا شخص تھا۔ تب تک ہیئۃ تحریر الشام حمص کو بھی مکمل طور پر آزاد نہیں کرا پائی تھی۔ اور پھر وہ کمانڈر احمد الشرع (سابقہ جولانی) کے ساتھ فور سیزن ہوٹل میں اپنی عجیب وغریب ملاقات کے بعد دمشق کے منظر نامے سے غائب ہو گیا اور پھر بعد میں وہ سوریہ کے منظر نامے میں سب سے آگے نکل گیا۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم نے جو خطرہ لیبیا میں حفتر اور سوڈان میں حمیدتی سے دیکھا ہے یہ خطرہ اس کے متوازی ہے، پس احمد العودہ 'شام کا حمیدتی' ہے اور 'سوریہ کا حفتر' ہے کیونکہ اسے متحدہ عرب امارات، اردن اور خطے کے دیگر انقلاب مخالف ممالک کی بھرپور حمایت حاصل ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اسے ایک ہی وقت میں روس اور امریکہ کی حمایت بھی حاصل ہے جو کہ ایک عجیب وغریب بات ہے۔ ہمسایہ ممالک نے دمشق کی آزادی کے فوراً بعد ان کے لیے تربیت، بھرتی اور اسلحے کے دروازے کھول دیے ہیں۔ پس کیا ہم جنوب کی طرف سے ردِ انقلاب کے دہانے پر ہیں؟

۲. دوسرا خطرہ امریکی-صہیونی-صلیبی خطرہ ہے جو اپنے عرب اور کرد ایجنٹوں کے ذریعے شامی سرزمین کے کچھ حصوں پر قابض ہے۔ 'سالم ترکی العنتری' کی قیادت میں فری سیرین آرمی، امریکی-صہیونی-صلیبی جنگ کے عرب ایجنٹوں میں سے ہے، اور ان کا کیمپ عراق اور اردن سے متصل شامی مثلث میں واقع امریکی اڈے 'التنف' پر ہے۔ اگرچہ وہ اس وقت نئی انتظامیہ اور نئی شامی فوج میں شامل ہیں، لیکن درحقیقت وہ سنہ ۲۰۰۸ء میں عراق میں امریکی جنرل پیٹریاس کی طرف سے تشکیل کردہ صحوات (نام نہاد امن لشکروں) میں سے ایک لشکر ہے۔ یہ خطے میں صحوات کے منصوبے کی توسیع ہے اور شام میں امریکی فوج کا ایک ہراول جنگی دستہ ہے جن کی تعداد دس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور ان کا اسلحہ اور مکمل تربیت امریکی محکمہ دفاع کی نگرانی میں کی جاتی ہے۔ جہاں تک امریکی-صہیونی-صلیبی جنگ کے کرد ایجنٹوں کا تعلق ہے، تو وہ سیرین ڈیموکریٹک فورسز ہیں جنہیں (SDF) یا (قسد) کے نام سے جانا جاتا ہے جس کی قیادت ظالم مجرم 'مظلوم عبدی' کر رہا ہے۔ یہ ملحد گروہ شام کے بدترین کافروں میں سے ایک ہے اور یہ لوگ اسلام اور اہلِ اسلام سے سب سے زیادہ نفرت کرنے والے ہیں، ان کے علاقوں میں قرآن کریم حفظ کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی اسلام کا رنگ رکھنے والے بہت سے شعائر کی اجازت ہے، ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آج بھی آگ، سورج اور چاند کی پوجا کرتے ہیں۔ شام میں اِن ملحد کُردوں اور نصیری رافضیوں سے زیادہ بڑا کوئی کافر نہیں ہے اور ان دونوں گروہوں سے زیادہ کوئی بھی اسلام اور مسلمانوں سے نفرت نہیں کرتا۔ یہ گروہ شام کے ان وسیع و عریض علاقوں پر قابض ہیں جو اسٹریٹیجک ہیں اور معاشی لحاظ سے اہم ہیں کیونکہ ان میں کالے سونے یعنی شامی تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ وہ اپنے علاقوں میں امریکی اڈوں کی حفاظت اس سے زیادہ کرتے ہیں جتنا کہ وہ اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ مجاہدین کی طرف سے دمشق کو آزاد کرانے کے بعد انہوں نے حال ہی میں امریکی اڈے نمبر ۲۹ اور ۳۰ تعمیر کیے ہیں جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ شام کی سرزمین کے بعض حصوں پر اپنا قبضہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور نئی شامی انتظامیہ کو بھی ایسا کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

۳. تیسرا خطرہ روسی-صلیبی اور اس کے روایتی اتحادیوں کا خطرہ ہے جو نصف صدی سے دمشق کے منظر نامے پر اور اس پر حکمرانی میں سب سے آگے رہے ہیں۔ یہ لوگ اس وقت لاذقیہ کے پہاڑوں اور ساحلی علاقوں میں فوجی اڈے اور قلعہ بند عمارتیں قائم کر رہے ہیں اور ان کے پاس ایک مقبول فرقہ وارانہ بیانیہ ہے جسے وہ پالتے ہیں، جس کی صلاحیتیں ادلب، عفرین اور شمالی شام کے ان لوگوں کی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ ہیں جنہوں نے انقلاب کے تیرہ سالوں کے دوران شامی انقلابیوں کو گلے لگایا۔ انہیں ایران، روس، لبنان، یمن وغیرہ کی طرف سے زبردست مالی امداد ملتی رہی ہے اور مستقبل قریب میں اس بات کا امکان ہے کہ ہم ان کی تخریبی کارروائیوں کے ایک بڑے پھیلاؤ کا مشاہدہ کریں، کیونکہ وہ اب اپنی صفوں کو ترتیب دینے اور انقلابی نصیری ڈھانچے کو دوبارہ تعمیر کرنے کے عمل میں ہیں اور طرطوس میں روسی حمیمیم اڈے کا باقی رہنا اور طرطوس کی بندرگاہیں، اس خطرے کو طاقت، بقاء اور استحکام فراہم کرنے کا سب سے بڑا سبب ہیں۔[1]

۴. چوتھا خطرہ داعشی-صہیونی خطرہ ہے جو پیدا کیا گیا اور اس وقت اس کی سرپرستی کی جا رہی ہے، اسے تحفظ دیا جا رہا ہے اور داعش کی افزائش کے فارموں اسے اُگایا جا رہا ہے۔ گزشتہ ایک دہائی سے داعش کے عسکریت پسندوں کو گمراہی کے دائرے سے نکال کر

[1] ایک ماہ سے بھی کم عرصہ گزرا کہ محترم استاذ کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا اور اب اس مکالمے کے اردو ترجمے کی اشاعت تک اس خطرے نے اپنی تخریبی کارروائیاں شروع کر دی ہیں۔

مزدوری کے دائرے میں منتقل کرنے کے لئے زبردست صہیونی-صلیبی کوششیں کی جا رہی ہیں اور جو داعشی صرف اپنی خارجیت کی گمراہی پر قائم رہنا چاہے اور مزدوری کے دائرے میں داخل ہونے سے انکار کرے تو اس کے سرپرست اور محافظ صحرائے شام (بادیہ) اور تدمر اور حمص کے مضافات میں اسے نشانہ بناتے ہیں تا کہ داعش کے مزدور محاذ کو گمراہی کے محاذ پر غالب رکھا جاسکے۔ شام کے اہلِ سنت کے منصوبے کے لیے یہ خطرہ زہر آلود خنجر کی مانند ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ خطرہ بھی اوپر بیان کیے گئے خطرات سے کسی صورت کم نہیں ہے بلکہ یہ جہادی صفوں میں موجود لوگوں میں زیادہ عداوت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اسی وجہ سے صہیونی-صلیبی مہم اب بھی اپنے کیمپوں میں ان کی مناسب دیکھ بھال کر رہی ہے جو اس نے ان کے لیے بنائے تھے تا کہ وہ اس کی آنکھوں کے نیچے پلتے بڑھتے رہیں اور ان میں امتِ مسلمہ کے خلاف نفرت کے عوامل پیدا کرتے رہیں اور ان میں اہلِ سنت کے خلاف رنجش و بغض کے اسباب کو مزید گہرا کرتے رہیں۔ جلد ہی ہم صہیونی-صلیبی جہنمیوں کو سیٹی بجاتے ہوئے دیکھیں گے اور سنیں گے کہ وہ اپنے داعشی کتوں کو سیٹی بجاتے ہیں تا کہ وہ شام کے اہل سنت مجاہدین کے گوشت کا شکار کرنے کے مناظر سے لطف اندوز ہو سکیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی اور عافیت کے طالب ہیں۔ عالمی صہیونی-صلیبی جنگ کے لئے داعش کی خدمات اور ایک فعال آلہ کار ہونے کی حقیقت پر مبنی سچی ترین مثال وہ ہے جس میں امتِ مسلمہ نے افغانستان میں ان کے افعال کا مشاہدہ کیا اور اب بھی کر رہی ہے۔ انہیں امریکہ اور خطے میں امریکی آلہ کاروں کی حمایت حاصل تھی اور آج بھی ہے۔ پس جب مجاہدین کسی علاقے سے انہیں ختم کرنے کے قریب پہنچتے تو کافر فوجیں فوری طور پر حرکت کرتیں، انہیں اپنے طیاروں سے امداد فراہم کرتیں اور انہیں ان کے لیے پیشگی تیار کردہ کیمپوں میں منتقل کرتیں، تا کہ ان کی افزائش کی دیکھ بھال کر سکیں، ان کی اولاد کی پرورش کریں اور انہیں مناسب فکری غذا فراہم کریں۔ اور اب افغانستان میں امارتِ اسلامیہ کی جانب سے داعش کے کیمپوں کا خاتمہ کرنے کے بعد پاکستان اور تاجکستان میں ان کی پرورش کا انتظام کیا گیا ہے اور کچھ پڑوسی ممالک کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے معسکرات کو اپنے یہاں منتقل کریں تا کہ انہیں ضرورت کے مطابق اسلامی شریعت کے منصوبے پر حملہ کرنے کے لیے ملازمت دی جا سکے اور اس طرح صہیونی - صلیبی منصوبے کو مکمل کیا جا سکے۔

۵. پانچواں خطرہ سیکولر ترکیا کا خطرہ ہے، جسے 'نیٹو میں ارتداد کا سربراہ' سمجھا جاتا ہے، ایک ایسا خطرہ جو اب بھی شمالی شام کے ساتھ اس کے اڈوں میں جڑا ہوا ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اب ظاہری طور پر سوریہ کا سرپرست ہاتھ اور اس کی پشت کا مالک بن چکا ہے اور شام کے لئے صہیونی-صلیبی پولیس اہلکار کا کردار ادا کر رہا ہے۔ شام پر اس کا اثر ورسوخ فکری، سماجی، سیاسی اور عسکری محاذ پر حد سے تجاوز کرے گا اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کے پاس 'آزاد شامی فوج' اور 'وطنی فوج' جیسے مختلف ناموں کے ساتھ ہزاروں شامی جنگجو ہیں۔ سیکولر ترکیا کے منصوبے کے خطرے کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اس دور میں مسلم ممالک کے خلاف صہیونی-صلیبی جنگوں میں نہ صرف ایک قابل اعتماد ایجنٹ ہے بلکہ صہیونی-صلیبی اتحاد یعنی 'نیٹو' کا ایک لازمی جزو اور مسلمانوں کی طرف سے سب سے مضبوط اور سب سے بُرا تیر ہے۔ اس منصوبے نے گزشتہ دو دہائیوں میں افغانستان کے قبضے کے دوران حملے اور دورے کیے ہیں۔ اس نے کمزور مسلمانوں کے خون اور گوشت کو اتنا کھایا کہ وہ سیراب ہو گیا، چاہے وہ افغانستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں کا خون اور گوشت ہو یا شامی حدود میں ترکیا کی سرحد پر ترکیا کی جندرما فوج کے ذریعے پناہ لینے کے خواہش مند ہمارے شامی بھائیوں اور بہنوں کا خون ہو۔ یا جیسا کہ آج ہم معمولی سی بھی انسانیت سے عاری ترکیا کو مالی، صومالیہ اور افریقی ساحل کے خطے میں غریب اور کمزور مسلمانوں کا خون بہاتے ہوئے دیکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک باشعور شخص مستقبل قریب میں شام میں مسلمانوں کے خون کی ضمانت دینے کے ترک منصوبے کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔[۲]

میری رائے میں یہ پانچ محاذ شام کے مستقبل کو درپیش خطرناک ترین محاذ ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اندرونی و بیرونی خطرات بھی ہیں لیکن فی الحال ان سخت ترین خطرات پر ہی بات کرنا کافی ہے۔

مدیر انٹرویو: آپ کی ان مفید باتوں پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کیونکہ آپ نے ہماری توجہ ان خطرات کی جانب مبذول کرائی ہے جن کے بارے میں ہم نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اتنے بڑے ہیں اور اتنے بڑے پیمانے پر آپس میں جڑے ہوئے اور الجھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ان کا خلاصہ اس طرح پیش کیا کہ مبصرین کو شام کی موجودہ حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

[۲] ایک ماہ سے بھی کم عرصہ گزرا کہ محترم استاذ کا یہ خدشہ بھی درست ثابت ہوا اور اب اس مکالمے کے اردو ترجمے کی اشاعت تک سوریہ کا تدمر فضائی اڈا (ٹی فور) ترکیا کے حوالے کیا جا چکا ہے۔

قسط ۶

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس
عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید
مترجم: جلال الدین حسن یوسف زئی

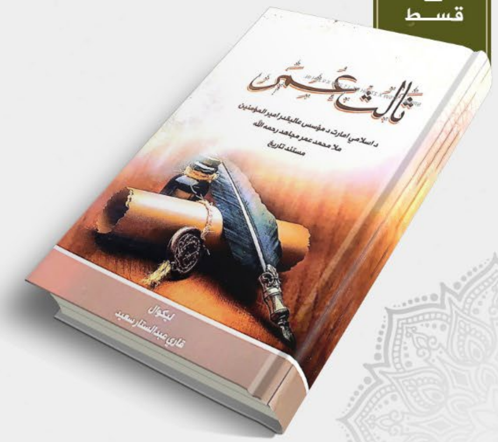

تیسری فصل

طالبان کے اسلامی تحریک کا قیام

انقلاب کا آغاز

ملا محمد عمر مجاہد کا جہادی اور رہائشی علاقہ (سنگ حصار) جو حالیہ حکومتی نظام میں قندھار کے ضلع ژڑی کے ساتھ مربوط ہے، جبکہ اُس دور میں ضلع میوند کے ساتھ منسلک تھا۔ سنگ حصار اور اس کے قریب پنجوائی کے قرب و جوار کے علاقے جیسے زنگاوت، تلوکان، مشان اور باقی علاقوں کا اختیار ملا محمد مجاہد، ملا محمد اخوند، ملا حاجی محمد، ملا محمد صادق اور دیگر گروپوں کے مجاہدین کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے حتی الامکان ان علاقوں کی سکیورٹی سنبھال لی تھی اور یہاں بندوق برداروں کو ان کی غلط سرگرمیوں کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ سنگ حصار کے مغرب میں واقع میوند کشک کا علاقہ کماندان حاجی بشر اور حاجی بر گیٹ کے قبضے میں تھا۔ یہ بھی اُن مجاہدین کے ساتھ ہم آہنگ تھے اس لیے ان کا علاقہ بھی بدامنی سے محفوظ تھا۔ تمام سابقہ دور کے مجاہدین نے اپنے علاقوں میں امن و امان برقرار رکھنے کی خاطر صوبہ قندھار کے سابقہ عمومی قاضی مولوی سید محمد (جو کہ مولوی پاسنی صاحب کے نام سے معروف تھے) کو قاضی کی حیثیت سے مقرر کیا تھا۔ آپ کی پنجوائی کے علاقے زنگاوت میں عدالت قائم کی گئی، اور تمام گروہوں کے مجاہدین اپنی باری پر شرعی عدالت کے امور کے لیے مجاہدین مہیا کرتے اور قاضی صاحب عدالتی کارروائیاں سرانجام دیتے۔

بندوق برداروں کی بدامنی کے دور میں اگرچہ ملا محمد عمر مجاہد کا مدرسہ اور سابقہ گروپ کے ارد گرد کے علاقے ناکوں، ڈاکہ زنی اور افراتفری سے محفوظ تھے لیکن دوسرے مقامات سے مسلسل ناخوشگوار خبریں آتی رہتی تھیں۔ عوام کے ساتھ ناخوشگوار واقعات اور بندوق برداروں کے ظلم و بربریت نے تمام اہلِ خیر مجاہدین اور طالبان کو فکر مند کر دیا تھا۔ بالآخر اس موضوع پر مشوروں اور مجالس کا آغاز ہوا کہ بندوق برداروں سے عوام کی حفاظت کیسے کی جائے۔

تحریکِ طالبان کے قیام سے قبل کئی بار اس موضوع پر سنگ حصار اور اس کے اطراف کے علاقوں کے طالبان اور سابقہ مجاہدین نے مجالس منعقد کیں۔ سید عبد اللہ (تورک آغا) کہتے ہیں کہ ایک بار ملا محمد عمر مجاہد کے مدرسے میں مجلس منعقد ہوئی تھی، جس میں ملا محمد عمر مجاہد، ملا برادر اخوند، ملا محمد اخوند سمیت چالیس طالبان نے شرکت کی۔ مجلس کا موضوع یہی تھا کہ ہم نے جہاد کیا، قربانی دی، صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، اس مقصد کی خاطر کہ ایک شرعی نظام قائم ہو جائے اور ہماری قوم خوشحال ہو جائے۔ لیکن آج ہماری عوام بدکردار بندوق برداروں کے مظالم کا شکار ہے۔ لہٰذا جہادی مقاصد حاصل کرنے اور عوام کو اس ظلم سے نجات دلانے کی خاطر کوشش کرنی چاہیے۔

ان جیسی مجالس کو جاری رکھتے ہوئے دوسرا اجتماع سنگ حصار کے جہادی کماندان حاجی غوث الدین آقا کی بیٹھک میں منعقد ہوا۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب جو کہ ملا محمد عمر مجاہد کے بہنوئی اور استاد تھے کہتے ہیں اس مجلس میں مَیں ملا صاحب کے ہمراہ چلا گیا۔ مجلس میں اکثر مساجد کے امام اور علاقے کے علمائے کرام جمع ہوئے تھے۔ ان کی مشاورت اسی بات پر ہو رہی تھی کہ کیسے فساد کا راستہ روکا جائے۔ مختلف آراء کے تبادلے کے بعد اکثریت کی رائے یہ رہی کہ طالبان اپنی اپنی باری پر علاقوں کے امن و امان کی حفاظت کریں گے اور اپنے علاقوں میں مولوی پاسنی صاحب کی شرعی عدالت کو مزید مضبوط کریں گے تاکہ مجرمین کو سزا مل سکے۔

ملا محمد عمر مجاہد مجلس کے آخری کونے میں دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے جب آپ کی رائے بیان کرنے کی باری آئی تو آپ نے کہا کہ بندوق برداروں کے جرائم کا راستہ روکنے کے لیے ان کے مثل اقدام کی ضرورت ہے۔ بندوق برداروں نے سب کچھ چھوڑ کر دن رات ایک کر دی ہے لیکن شیطان کے راستے پر چل نکلے ہیں اور فتنہ و فساد کو جاری رکھا ہوا ہے۔ ان جرائم کا سدِباب تبھی ممکن ہے جب ہم بھی سب کچھ چھوڑ کر اس فساد کا قلعہ قمع کرنا اپنی اولین ترجیح اور مسؤلیت سمجھ لیں اور اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے میدان میں ایسے کمربستہ ہو جائیں جیسا کہ بندوق بردار اس کے خلاف کھڑے ہیں۔ یہ مقابلہ اس طرح نہیں کیا جا سکتا کہ ہفتہ میں چند دن درس و تدریس کریں گے اور پھر ایک دن اپنی باری پر بندوق برداروں کا مقابلہ کریں گے۔

آخر میں یہ مجلس بھی سابقہ مجلسوں کی مانند بغیر کسی نتیجہ کے برخاست ہوگئی۔ مولوی عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجلس سے واپسی کے بعد ملا صاحب اس بات پر غمگین تھے کہ اجتماع کا کوئی نتیجہ نہیں نکالیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان مجلسوں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے خود اقدام کرتا ہوں۔

ملا صاحب نے اپنے پہلے اقدام اور توکل کے بارے میں اپنے ایک بیان میں کہا:

”میں ایک مدرسہ میں تھا، ایک چھوٹا سا مدرسہ ہم نے بنایا تھا۔ ہم پندرہ بیس ساتھی اس میں سبق پڑھتے تھے۔ زمین میں فساد پھیل گیا، قتل و غارت گری، چوری اور ڈاکہ زنی، الغرض ہمارے وطن پر فساق و فجار قابض ہوگئے۔ گزشتہ حالات تو آپ کے علم میں ہیں کہ لوگ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اصلاح کیسے آئے گی؟ تو میں علم حاصل کر رہا تھا اور ان حالات کے بارے میں فکر مند تھا۔ لیکن اگر محض میں فکر مند رہتا تو یہ دلیل میرے لیے کافی تھی کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کیونکہ حالات کے بارے میں فکر مند رہنے کے علاوہ میرے بس میں کچھ نہیں تھا۔ ایسے میں مَیں نے اللہ تعالیٰ پر توکل محض کیا، توکل محض کے لیے کافی قوت درکار ہوتی ہے لیکن توکل محض کا نتیجہ ناکامی نہیں۔“

شرعی فتویٰ

ملا محمد عمر مجاہد ایک مخلص مومن کی حیثیت سے احکامِ دین کے پابند شخص تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ شریعت کا نفاذ اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں، ہر چیز سے اہم سمجھتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دورِ حکومت میں حکومتی اقدامات کو پہلے شریعت کی نظر سے دیکھتے اور فقہ حنفی کے علمائے کرام اور مفتیان سے ان کے جائز و ناجائز کا حکم معلوم کرتے اور اس وقت تک اقدام نہ کرتے جب تک علماء کی جانب سے جواز کا فتویٰ نہ مل جاتا۔ جدید دور کے سیاسی افراد اور گروہوں کے اکثر فیصلے اپنی عقل، ہوس، ذاتی مفادات اور تحقیقاتی اداروں (تھنک ٹینکس) کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت کو معتبر نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن ملا صاحب شاید اس زمانے کے ایک منفرد حاکم تھے جو الٰہی شریعت کو ہر چیز پر مقدم اور معتبر سمجھتے تھے اور اپنے ہر اقدام کو پہلے شریعت کے ترازو سے تولتے تھے۔

ملا محمد عمر مجاہد اپنی تحریک کے قیام سے چند دن قبل پنجوائی زنگاوت چلے گئے تاکہ اس علاقے کے معروف عالمِ دین اور قاضی مولوی سید محمد صاحب سے اپنے اس اقدام کے بارے میں شرعی فتویٰ یا اجازت لیں۔ مولوی سید محمد (پاسنی مولوی صاحب) اصلاً صوبہ غزنی کے ضلع گیلان کے رہائشی تھے۔ آپ جید عالمِ دین اور سویت یونین کے خلاف جہاد کے دوران صوبہ قندھار کے عمومی قاضی تھے۔ اپنے سنجیدہ اقدامات کی وجہ سے سارے جنوبی صوبوں میں مشہور و معروف تھے۔ آپ نے اس وقت پنجوائی کے علاقے زنگاوت میں شرعی عدالت سنبھال رکھی تھی اور وہاں کی عوام اور مجاہدین ایک قاضی اور بزرگ عالمِ دین کی حیثیت سے آپ کا عزت و احترام کرتے تھے۔

ملا گل آغا اخوند اس سفر میں ملا صاحب کے ساتھ تھے۔ وہ کہتے ہیں ملا صاحب اور مولوی عبدالصمد مولوی پاسنی صاحب سے ملنے ان کی عدالت میں چلے گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی صاحب کے سامنے سارے حالات بیان کر دیئے کہ فساد عام ہوگیا ہے، آئے روز فتنے اور مظالم بڑھ رہے ہیں، مظلوم کی آہ سننے والا کوئی نہیں اور طرح طرح کے مظالم اور جرائم ہو رہے ہیں۔ ہم ان مظالم کو روکنے کی خاطر تحریک اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ہمیں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ مولوی پاسنی صاحب نے کہا یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے، میں کل مزید کچھ علماء کو بلاتا ہوں پھر اس کے بعد جواب دوں گا۔ اگلے دن مولوی عبدالخالق صاحب، مولوی شاہ محمد صاحب اور ایک تیسرے عالم کو بلایا گیا اور عصر تک ان علماء کی مشاورت چلتی رہی۔ عصر کے وقت ملا صاحب کے اقدام پر متفق ہوگئے اور فساد کے خلاف ان کی مزاحمت کو ایک اہم اقدام قرار دیا۔ ملا صاحب نے انہیں کہا آپ علمائے کرام بھی ہمارے ساتھ آغاز میں ساتھی بن جائیں، آپ کی وجہ سے ہماری صف مضبوط ہو جائے گی۔

مولوی پاسنی صاحب نے ملا صاحب کو کہا ہم آغاز میں آپ کے ساتھ اعلانیہ کھڑے نہیں ہوسکتے یہ اس لیے کہیں خدانخواستہ آپ کی حرکت ناکام ہوگئی تو ہم علماء غیر مسلح اور غیر محفوظ ہیں، پھر بندوق بردار ہر عالم کے گھر کے سامنے کھڑے ہوں گے، ان کی بے عزتی کریں گے اور انہیں ان کے عمل کی سزا دیں گے۔ لہٰذا بہتر یہی ہو گا کہ ہم اس وقت تک آپ کی حمایت کو خفیہ رکھیں، جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا نہ کر دیں، اس کے بعد ہم پوری قوت کے ساتھ آپ کی دعوت کی حمایت کریں گے اور عملاً آپ کے ساتھ اس کام میں شریک ہوں گے۔ مولوی پاسنی صاحب اور دیگر علماء نے اس کے بعد اسی وعدے کو نبھایا اور اسلامی تحریک کے ساتھ اخلاص کے ساتھ کھڑے رہے۔ مولوی پاسنی صاحب قندھار کی فتح کے بعد صوبہ قندھار کے محکمہ استغاثہ کے صدر مقرر ہوئے اور امریکی حملے تک اسی مسؤلیت پر رہے۔

ملا صاحب علماء سے رخصت ہونے کے بعد اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ قندھار کے عظیم مجاہد شہید لالا ملنگ کے ساتھیوں کے مرکز میں چلے گئے جس کی مسؤلیت اس وقت ملا محمد اخوند کے ذمہ تھی، اس مرکز میں ملا محمد اخوند، معلم فداء محمد اور قندھار کے چند دیگر مجاہدین کے ساتھ ملاقات کی اور انہیں اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ ان سب نے پر خلوص انداز میں ملا صاحب کو یقین دہانی کرائی کہ آپ کام کا آغاز کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہاں رات گزارنے کے بعد ملا صاحب واپس سنگ حصار کی طرف آ گئے۔ ادھر ان کے ایک ساتھی ملا گل آغا نے مدرسہ سے چھٹی لی اور میوند کے حاجی بشر سے گاڑی لے کر مولوی عبدالصمد کے ساتھ زنگاوت، تلوکان،

مشان اور پنجوائی کے گاؤں کے مدارس کی طرف روانہ ہوئے اور طلباء سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔

ظلم وفساد کے خلاف اٹھنے والی مزاحمت کی شرعی حیثیت

امارت اسلامیہ کے مخالفین طالبان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ایک جائز نظام کے خلاف بغاوت کی تھی اور ان کے قیام کی کوئی شرعی توجیہ نہیں تھی۔ اس دعوے میں ایک بات واضح ہے وہ یہ کہ تنظیمی دور کے دوران آپس کی لڑائیوں میں مصروف بندوق برداروں کو کسی بھی دلیل سے جائز نظام کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دور میں افغانستان میں ایسا کوئی نظام تھا ہی نہیں جو پورے ملک پر حاکم ہو، تاکہ فساد کو روکا جاتا اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جاتا۔ بلکہ ملک پر مکمل ملوک الطوائف کا قبضہ تھا جس میں ہر کماندان اپنے علاقے میں خودسر قابض تھا۔

ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں طالبان کے قیام کی شرعی حیثیت کیا تھی؟ اس بارے میں علماء کے شرعی فتویٰ کے چند نقاط پیش کرتا ہوں۔ یہ فتویٰ ۱۶ فروری ۱۹۹۵ء کو قندھار میں اس عنوان کے تحت جاری کیا گیا تھا: افتاء العلماء في جهاد الطلباء

یہ فتویٰ جو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو مطالعہ کرنے سے قبل یہ بات ذہن میں ہو کہ رفع ودفع، منکرات کا راستہ روکنا، ظلم اور لوٹ مار، جرائم، زنا، قتلِ ناحق، راستے میں پھاٹک لگانا اور لواطت جیسے غلط افعال کو کون ختم کر سکتا ہے؟ اس کی روک تھام کا تعلق حاکم کے ساتھ ہے یا نہیں؟ کیا کوئی گروہ یا جماعت جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کا اختیار ہو اور جس کا کوئی حاکم یا بڑا ہو، کیا وہ گروہ یا جماعت اس قسم کے مظالم اور جرائم جس میں اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی، خرابی، بے عزتی اور قرآنی احکام سے انکار شامل ہے اس کو روک سکتی ہے؟

> عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم:
>
> انصر اخاك ظالما او مظلوما. قالوا هذا ننصره مظلوما فكيف ننصره ظالما؟ قال تأخذ فوق يديه. رواه البخاري. وفي العينى كلمة فوق مقحمة او ذكرت اشارة الى الأ خذ بالا ستعلاء و القوة.. الخ عينى ۲۹۰/۱۲

مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ظالم کو ہاتھ سے پکڑا جائے یعنی زور، قوت اور طاقت کے ذریعے اسے ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کو ظالم کے ظلم سے آزاد کیا جائے۔ جس قسم کی بھی طاقت اور قوت سے ممکن ہو۔

فیض الباری میں فرماتے ہیں:

> ان الدنيا باسرها كالسفينة الواحدة جلس فيها كل مسلم و كافر، مطيع و عاص، فاذا فشت فيهم المعصية فلم يأخذه احد يد احد هلكوا جميعا لا محالة. فيض الباري ۳۴۴/۳

مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی حیثیت ایک کشتی کی مانند ہے۔ مسلمان اور کافر، نیک اور بد دونوں اس کشتی کے سوار ہیں۔ جب معصیت اور جرائم اوج تک پہنچ جائیں اور گناہ گار و مجرم کو کوئی روکنے والا نہ ہو تو ایسے میں یہ سب کے لیے ہلاکت ہے۔

> وهكلذا ابو حنيفة رضي الله عنه يقول (وكذالك الامر بالمعروف والنهى عن المنكر بواحد و انما يصلح بالسلطان او بمن كان على ذالك اعوان صالحون و رجل يرأس عليهم مأمون علي دين الله الخ) احكام القرآن لمولانا تهانو] رحمه الله ۵۳/۲

خلاصہ یہ کہ حضرت اما ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ظالموں اور مجرموں کو ظلم و جرائم سے روکنا اور معروف کی دعوت دینا، بزورِ قوت، جہاد اور اسلحے کے ذریعے، یہ کام ایک شخص نہیں کر سکتا بلکہ یہ کام سلطان کا ہے یا مسلمانوں کی اس جماعت کی ذمہ داری ہے جن کے افراد اور ساتھی نیک و صالح ہو اور اس جماعت کے امیر دیندار اور اللہ کے دین کے ساتھ مخلص ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آج اگر طالبان کے ہاتھ میں قوت اور طاقت ہے اور ان کا امیر و ساتھی بھی دیندار اور صالح ہے تو یہ اس کے پابند ہیں کہ اس عمل کو جاری رکھیں۔ واللہ اعلم

اس شرعی فتویٰ نے (جس میں مزید شرعی دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں) وقت کے جابروں اور بندوق برداروں کے مقابل طالبان کے اصلاحی مزاحمت کو نہ صرف یہ کہ مشروع ثابت کیا بلکہ مسلمانوں کے تحفظ کو ایک لازمی امر قرار دے دیا۔ اس فتویٰ کے آخر میں قندھار اور اس کے قرب جوار کے مشہور علمائے کرام، مولوی سید محمد (مولوی پاسنی)، مولوی عبد العلی دیوبندی، مولوی محمد شفیع، مولوی قاسم، مولوی محمد ہارون، مولوی عبد السلام، مولوی عبد اللطیف اخوندزادہ، مولوی محمد اسلم، مولوی عبد الرزاق، مولوی عبد الغنی اور دیگر علمائے کرام نے دستخط کیے۔ اس فتوے کی تائید ملا محمد عمر مجاہد نے بھی کی اور اس کے آخر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دستخط کیے۔ اس کے علاوہ اس شرعی فتوے کی بعد میں افغانستان کی سطح پر اکثر مشہور علمائے کرام نے تائید کیا اور فتنہ وفساد کے خلاف ملا محمد عمر مجاہد کی تحریک کے قیام کو وقت کی ضرورت اور ملک وملت کی نجات کے لیے ایک شرعی اور ضروری اقدام قرار دیا۔

یہ فتوی قندھار کی فتح کے بعد ریاستِ اطلاعات و فرہنگ کی جانب سے نشر کیا گیا اور آغازِ تحریک کے موضوع کے علاوہ، ہتھیاروں کا جمع کرنا، باغیوں کے ساتھ لڑائی اور ان جیسے دیگر موضوعات کے بارے میں بھی شرعی دلائل شامل کیے گئے۔

پہلا عملی اقدام

ملا محمد عمر مجاہد کی طرف سے طالبان کی اسلامی تحریک کے قیام میں پہلا اقدام گاؤں دیہاتوں کے مدارس میں طلبہ سے ملاقاتیں اور مزاحمت میں شامل ہونے والے طلبہ کے نام لکھنا تھا۔ اس موقع پر ملا صاحب نے ایک بیان دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

لوگ کہیں گے کہ یہ تحریک کب اور کیسے وجود میں آئی؟ کس کی طرف سے ان کو حمایت ملی؟ کس نے ان کو منظم کیا اور کس نے ان کو تربیت دی؟

اس تحریک کی ابتدا ایسے ہوئی کہ میں نے مدرسہ میں کتاب بند کر دی اور اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ، سنگ حصار سے پیدل دریا پار کر کے زنگاوات پہنچا، زنگاوات میں سرور نامی ایک شخص (تلوکان کا رہائشی) نے موٹر سائیکل دیا، وہاں سے ہم تلوکان چلے گئے۔ میں موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور مولوی صاحب (مولوی عبد الصمد) میرے پیچھے سوار تھے۔ تو ہم نے صبح سے ملاقاتوں کا آغاز کیا، ایک مدرسے چلے گئے، وہاں چودہ طالبان رہ رہے تھے، ان کو جمع کر کے انہیں عرض کیا کہ اللہ کا دین پامال ہو رہا ہے، فساق اور فجار سارے علاقے پر قابض ہو گئے ہیں، چوری وڈکیتی جاری ہے، عام راستوں پر لوگوں کی عزتوں کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے، لوگوں کے اموال لوٹے جا رہے ہیں۔ اس فساد کا مقابلہ صرف مردہ باد اور زندہ باد کہ ذریعے نہیں ہو سکتا۔ ہم اس کے مقابل اللہ کی رضا کے لیے اٹھنے والے ہیں، اگر کوئی نصرت کرنے کا خواہش مند ہو تو ہمارے ساتھ چلے لیکن یہ بات یاد رکھے کہ اس کے لیے حصول علم کو چھوڑنا پڑے گا اور دوسری بات یہ کہ ہمارے ساتھ کسی نے ایک افغانی پیسہ یا ایک روٹی دینے کا بھی وعدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وطن کے لوگوں سے، مسلمانوں سے مانگیں گے، اگر کسی نے دیا تو بہت اچھا نہ دیا تو ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ کام ایک دن یا ایک ہفتے یا ایک سال کا نہیں، دوسرا یہ کہ یہ فاسق و فاجر سخت گرمیوں کی دوپہر میں اپنے مورچوں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں تو ہم اور آپ جو اپنے آپ کو اللہ کے دین کا سپاہی سمجھتے ہیں، کیوں اللہ کے دین کا دفاع اعلانیہ نہیں کر سکتے؟ اتنی غفلت اور بے غیرتی بھی اچھی نہیں۔

دوسرا میں نے ان کو کہا کہ تعلیم چھوڑنی پڑے گی، نہ ہمارے پاس ایک افغانی پیسہ ہے اور نہ ہی اسلحہ، یہ چیزیں مانگنے سے پوری کریں گے۔ مرضی آپ سب کی ہے کہ اس حال میں ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں؟

ان چودہ افراد میں سے ایک بھی تیار نہیں ہوا، کہہ رہے تھے ہماری تو تعلیم متاثر ہو رہی ہے اگر شبِ جمعہ کو کام کیا جائے تو صحیح ورنہ ہم نہیں کر سکتے۔ میں نے انہیں کہا پھر جمعہ کے بعد آگے کام کون کرے گا؟ اللہ گواہ ہے کہ یہ بات اسی طرح تھی اور میں روزِ محشر بھی اس کی گواہی دوں گا۔

اگر میں اس ایک مدرسے میں دعوت دینے کو کافی سمجھتا تو دوسرے مدارس کا رُخ نہ کرتا اور اسی مدرسہ پر قیاس کرتا اور واپسی کی راہ لیتا۔ لیکن میں نے اللہ کے ساتھ وعدہ کیا تھا اور اس کو نبھایا، اس لیے اللہ نے میرے ساتھ خیر والا معاملہ فرمایا۔

میں طلبہ کے انکار کے بعد اس مدرسے سے دوسرے مدرسہ میں آگیا، ادھر سات طلبہ پڑھ رہے تھے۔ ان کے سامنے بھی وہی بات دہرائی اور ان سب نے میرے پاس اپنے نام لکھوا دیے۔ ایسی بات نہیں تھی کہ اس مدرسے کہ طلبہ بڑے اور دوسرے مدرسے والے چھوٹے تھے، یہ سب ایک امت ہے لیکن یہ ایک ایسا پُر حکمت کام اور ایک امتحانی دورہ تھا جس کے ساتھ میرا اسامنا زندگی میں پہلی بار ہو رہا تھا۔ اسی ترتیب کے ساتھ میں نے اپنی کوشش جاری رکھی اور عصر تک ۵۳ طالبان کو تیار کر سکا۔

ملا صاحب اور ان کے ساتھی مولوی عبد الصمد ہر مدرسہ جاتے اور طالبان کے سامنے موضوع کی اہمیت بتاتے اور انہیں کہتے کہ ہمارے ساتھ کون چلنے کے لیے تیار ہے تاکہ اللہ کے دین کا نفاذ اور فتنہ وفساد کو ختم کرنے کی خاطر ہمارے ساتھ مل کر جہاد کرے؟ جو ہمارے ساتھ چلنے پر راضی ہے تو ہمارے پاس نام لکھوائے۔ لیکن اس بات کو بھی سمجھے کہ یہ راستہ صرف قربانی کا راستہ ہے، ہم محض اللہ پر توکل کرتے ہوئے اٹھ رہے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اس راستے میں شہید اور زخمی ہو جائیں اور ظالم ہم پر غلبہ پالے، ہم ان سب خطرات کو اپنے ذہن میں رکھیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ درس و تدریس کو چھوڑنا ہو گا اور محض فتنہ وفساد کے ختم کرنا اپنی ذمہ داری سمجھنی ہو گی۔

اسی طرح انہوں نے گاؤں کے تمام مدارس کے دورے کیے اور دوسرے دن کی شام کو جب ملا صاحب واپس سنگ حصار میں اپنے مدرسہ لوٹے تو ۵۳ کی تعداد میں افراد کی فہرست مرتب ہو چکی تھی اور ان افراد نے وعدہ کیا تھا کہ کل ہم سنگ حصار میں ملا صاحب کے مدرسہ پہنچیں گے اور ادھر ہی سے تحریک کا باقاعدہ آغاز کریں گے۔

ملا صاحب نے اپنے مدرسہ پہنچتے ساتھ ہی اپنے ساتھیوں اور طالبان کو بھی یہ بات اور شرائط عرض کیں جس کے بعد چند چھوٹی عمر کے طلبہ کے علاوہ سبھی نے اس کام میں اپنے نام لکھوائے۔ ایسی حالت میں جب اگلے دن سب طالبان نے مدرسہ میں جمع ہو کر مسلح ہونا تھا، ملا صاحب کے پاس اپنے مرکز کے ڈپو میں دس بندوقوں سے بھی کم اسلحہ تھا۔ کماندان حاجی بشر، جو ایک جہادی کماندان تھے اور علاقے کے امیر ترین افراد میں شمار کیے جاتے تھے اور اس عرصے میں ضلع میوند ان کے زیر کنٹرول تھا، وہ بھی علاقے میں حالیہ فتنہ وفساد سے سخت نالاں تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۴۱ پر)

عالمی شپنگ کمپنی سے معاہدہ: پس پردہ محرکات کیا ہیں؟

اریب اطہر

وزیر اعظم شہباز شریف نے عالمی شپنگ کمپنی کی پاکستان میں ۲ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہدایت کی ہے کہ گزشتہ سال A. P Moller - Maersk کے ساتھ طے کی گئی یادداشتوں کو جلد از جلد معاہدوں کی شکل دی جائے۔ مرسک کمپنی اس سرمایہ کاری سے پورٹ قاسم اور کراچی پورٹ پر گہرے پانی کے کنٹینر ٹرمینلز تعمیر کرنے کے ساتھ ساتھ پورٹ انفراسٹرکچر کو اپگریڈ کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ اس سے قبل گزشتہ سال ستمبر کے مہینے میں مرسک شپنگ لائن نے سیکور لاجسٹک کو پاکستان میں اپنا پارٹنر مقرر کیا تھا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب پاکستان سے ہمدردی اور فقط تجارت کے فروغ کے لیے ہو رہا ہے یا پس پردہ دوسرے محرکات بھی ہیں۔ اگر یہ واقعی سرمایہ کاری ہے تو کیا یہ قرضے کی صورت میں ہے؟ اگر قرضے کی صورت میں نہیں ہے تو کیا اس سرمایہ کاری کے بدلے پورٹ جیسے قیمتی اثاثے کو کلی یا جزوی طور پر بیچا جا رہا ہے؟ پاکستان پر قابض فوجی اشرافیہ اپنے عمل سے بارہا یہ ثابت کر چکی ہے کہ غیر ملکی کمپنیوں اور حکومتوں سے معاہدوں کے وقت انہیں ملکی مفادات کی رتی برابر پرواہ نہیں ہوتی بلکہ ان کا مقصد فقط ذاتی فوائد سمیٹنا ہی ہوتا ہے۔ Confessions of an Economic Hitman کا مصنف جان پرکنز بھی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ بطور کنسلٹنٹ حکومتوں کو ایسے ترقیاتی منصوبوں کی رپورٹس بنا کر دیتے ہیں جن کی کلائنٹ ریاست کو قطعی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن ان کا مقصد کلائنٹ ریاست کو ایسے پروجیکٹس میں الجھانا ہوتا تھا جس کے لیے وہ قرض کے جال میں پھنس جاتے۔

گوگل کا آے آئی گہرے پانیوں کے کنٹینر ٹرمنلز کے متعلق کہتا ہے:

> "فوجی کارگو اکثر گہرے سمندر کے کنٹینر ٹرمینلز کو مؤثر نقل و حمل کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ٹرمینلز فوج کو درکار بڑے حجم اور متنوع قسم کے سامان کو سنبھالنے کے لیے ضروری بنیادی ڈھانچہ اور سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ فوجی کارگو میں سامان، رسد اور عملے کی ایک وسیع تعداد شامل ہوتی ہے، جس میں اکثر بڑے پیمانے پر، کنٹینرائزڈ شپنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ فوج اپنے لاجسٹکس آپریشنز کو سپورٹ کرنے کے لیے گہرے پانی تک رسائی اور اچھی طرح سے تیار کنٹینر ٹرمینل انفراسٹرکچر کے ساتھ اسٹریٹجک بندرگاہوں پر انحصار کرتی ہے۔ ملٹری سی لفٹ کمانڈ بحری جہاز، جو فوجی سامان کی نقل و حمل کرتے ہیں، کو اکثر کنٹینر ٹرمینلز کی گہرے پانی کی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ گہرے سمندر کے کنٹینر ٹرمینلز ضروری سہولیات فراہم کرتے ہیں، جیسا کہ کرینیں، بحری جہازوں کے اندر اور باہر کارگو کو مؤثر طریقے سے لوڈ اور اتارنے کے لیے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نام نہاد سرمایہ کاری کا محرک کوئی نئی جنگ ہے جس میں پاکستان کو کردار ملنا ہے یا پاکستان کی سرزمین ایک بار پھر سے استعمال ہونی ہے؟ کیا موجودہ سیاسی حکومت کو اس کا ادراک بھی ہے؟

واضح رہے کہ مرسک کمپنی اسرائیل کے ملٹری سازوسامان اور بم سے لے کر جہاز اور پارٹس تک کی شپمنٹس کا کنٹرول سنبھالے ہوئے ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب سپین جیسے یورپی ملک نے بھی مرسک کی شپمنٹس کو بلاک کیا اور اعلان کیا کہ وہ ان شپمنٹس کو جانے نہیں دے گا جو اسرائیل کے لیے اسلحہ وغیرہ لے جا رہی ہیں۔

یہ اہم پیشرفت ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مذہبی حلقوں کی جانب سے کہیں ڈھکے چھپے الفاظ میں تو کہیں براہ راست پاکستانی فوج کو مخاطب کر کے غزہ کے متعلق انہیں ان کا فرض یاد دلایا جا رہا ہے۔ جو یہ کام فوج سے امید لگاتے ہوئے کر رہے ہیں ان کے خلاف فوج نے کردار کشی کی مہم چلوا دی ہے۔ اور یہ بات تو طے ہے کہ فوج اور اس کے ماتحت ادارے ہر حربہ اور ہتھکنڈا اپنائیں گے تا کہ اس نئی سوچ اور فکر کو کچلا جا سکے۔ راولپنڈی میں ایک واقعے میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ کے ایف سی فرنچائز میں گھس کر جس انداز سے توڑ پھوڑ کی گئی، جو زبان استعمال کی گئی وہ حلیہ، طور طریقے اور زبان کسی بھی طرح سے کسی مذہبی جماعت کے کارکن کی نہیں لگتی تھی۔ مقصد شاید یہی تھا کہ ایسی تصویر پیش کی جائے کہ علماء کی جانب سے صہیونی مصنوعات کے بائیکاٹ کی اپیلیں معاشرے میں انتشار اور تخریب کا سبب بن رہی ہیں۔ اور یہ پہلی بار نہیں ہوا۔ سیکورٹی ادارے یہ ہتھکنڈے کئی بار مختلف سیاسی جماعتوں کے خلاف استعمال کر چکے ہیں۔ جہاں وہ کسی احتجاج کے اندر شامل ہو کر عوامی املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں اور پھر اس کا ذمہ دار اس احتجاج کرنے والی جماعت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہ ٹی ایل پی کے احتجاجوں میں بھی ہوا اور تحریک انصاف کے احتجاجوں میں بھی۔

بہر حال دینی سیاسی جماعتوں کی جانب سے پاکستانی فوج سے جو نرم گرم لہجوں میں غزہ کی مدد کے لیے استدعا کی جا رہی ہے، فوج اس سلسلے کو روکنے کے لیے کیا سازشیں گھڑے گی یہ شاید بہت جلد ہی سامنے آ جائے گا، البتہ چند حقائق ان تمام طبقات کے سامنے رکھنا بہت ضروری ہیں جو غزہ کے لیے پاکستانی فوج سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک پاکستانی فوجیوں نے اقوام متحدہ کی فوج میں شامل ہو کر ۲۳ ممالک میں خدمات فراہم کی ہیں۔

اس وقت بھی فوج و پولیس کے ۳ہزار کے قریب پیس کیپرز اقوام متحدہ کے تحت ڈیمو کریٹک ریپبلک آف کانگو، جنوبی سوڈان، وسطی افریقی جمہوریہ، قبرص، مغربی صحرائے کبریٰ اور صومالیہ کے نام نہاد امن مشنز میں خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ کے ماتحت ۲۷ افسران سمیت ۱۷۱ پاکستانی فوجیوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ کیا ان آپریشنز کے لیے کسی بھی سیاسی حکومت نے فیصلہ کیا کہ کہاں کہاں فوج کو جانا چاہیے اور کہاں نہیں؟

پھر امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بن کر پاکستان نے اپنے جتنے فوجیوں کی جانیں پیش کیں وہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ ساؤتھ ایشیا ٹیررازم پورٹل کی ویب سائٹ کے مطابق ۲۰۰۱ء سے 2019ء کے دوران مارے جانے والے پاکستانی سکیورٹی اہلکاروں کی تعداد سات ہزار ایک سو ستائیس (۷۱۲۷) ہے اور گزشتہ چند سالوں میں سکیورٹی فورسز کی ہلاکتوں میں جتنا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے وہ شاید فوج کی امریکہ کے لیے دی جانے والی بیس سالہ قربانیوں کو بھی پیچھے چھوڑ دے گا۔ پھر یہ پرفارمنس دیکھتے ہوئے بھی کسی کو ان کے متعلق شک ہونا چاہیے کہ یہ کس صف میں کھڑے ہیں؟ عالمی صلیبی و صہیونی استعمار سے ان کے اخلاص کی سطح کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ استعماری قوتیں اس خطے سے شکست کھا کر بھاگ چکی ہیں اور اب اپنے اس غلام کو جنگ کے نام پر اس طرح فنڈز نہیں دے رہیں جس طرح افغان جنگ کے دوران انہیں آنکھیں بند کر کے دیا جاتا رہا۔ عقلی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ممکن تھا کہ یہ فنڈز بند ہو جانے کے بعد اس جنگ سے توبہ تائب ہو جاتے۔ لیکن ان کی ڈھٹائی دیکھیے کہ انہیں جو کمی جنگ کے نام پر ملنے والی امداد کی بندش کے سبب پیش آئی وہ کمی انہوں نے اسی ملک کی عوام کا خون نچوڑ کر پوری کر لی لیکن اپنی صف بدلنا گوارا نہیں کیا۔ امریکی جنگ میں بیش بہا قربانیوں کے باوجود یہ امریکیوں سے جنگی ہیلی کاپٹر مانگتے ہیں لیکن وہ انہیں نہیں ملتے۔ یہ ترکی سے معاہدہ کرتے ہیں تو امریکہ ترکی کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ ان ترک ہیلی کاپٹروں کے لیے انجن کی سپلائی روک دے گا۔ مجبوراً یہ چینیوں کے پاس جاتے ہیں، مہنگے ترین ہیلی کاپٹرز خریدنے جن کا استعمال انہوں نے فقط بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں کرنا ہے۔ تاریخ نظر انداز کرنے والے ہمارے بعض احباب فوج کے سیاہ کارناموں کو مشرف اور چند جرنیلوں کی جھولی میں ڈالتے ہیں کہ سب کچھ ان کا ہی کیا دھرا ہے۔ جبکہ سچ یہ ہے کہ یہ فوج اپنی ابتدا اور پیدائش سے ایسی ہی تھی، ہاں نائن الیون اور بش کی دھمکی کے بعد انہیں یہ ظاہر کرنا پڑا تھا کہ یہ کس صف میں ہیں اور رہیں گے۔ ان کی مکروہ سیاہ تاریخ کی ابتدا قیام پاکستان نہیں بلکہ انگریزوں کی برصغیر میں آمد سے ہوئی۔ اگر پاکستان کے مذہبی طبقات کے سامنے فوج کی قیام پاکستان سے قبل کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو انکے نزدیک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور کے فوج کے مظالم کا الزام موجودہ پاکستانی فوج کو نہیں دیا جا سکتا۔ جبکہ آئی ایس پی آر کی اپنی دستاویزی فلموں میں قیام پاکستان سے قبل کی اپنی تاریخ کو فخریہ own کیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس دور میں لڑی جانے والی جنگوں میں برطانوی فوجیوں کی قبروں کو بطور یادگار سنبھالا جاتا ہے۔ چند سال قبل ایسی ہی ایک قبر کا دورہ کرنے کے لیے برطانوی فوجی آئے تو ٹیلی ویژن پر فخریہ نشر کیا گیا کہ یہاں باغیوں کے خلاف جنگ کی گئی تھی۔ اس خبر کے نشر ہونے کے بعد وہیں ایک پشتون ردّ عمل میں ایک تنقیدی ویڈیو بناتا ہے۔ جس پر سکیورٹی ادارے اسے اٹھا کر تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ بہر حال یہاں ہم قیام پاکستان کے بعد کے چند ایک تاریخی واقعات کا ذکر کرنا چاہیں گے جس سے یہ سمجھنے میں آسانی رہے گی کہ اس فوج کا مسئلہ چند جرنیلوں کا نہیں۔

قیوم نظامی اپنی کتاب 'جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں' میں لکھتے ہیں:

”برٹش انڈیا لائبریری لندن کے ریکارڈ کے مطابق برصغیر کی آزادی کے بعد برطانوی حکومت نے ان تمام سول اور فوجی ملازمین کو ریٹائر کر دیا جو ہندوستان میں فرائض سر انجام دیتے رہے تھے۔ جب جبری ریٹائر ہونے والے افسروں نے احتجاج کیا تو انہیں بتایا گیا کہ برطانیہ میں 'آقائی' ذہنیت کو سروسز میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ بھارت اور پاکستان انگریز دور میں خدمات انجام دینے والے سول اور ملٹری افسران کو برقرار رکھنے پر مجبور تھے کیونکہ انکے پاس متبادل سروس کیڈر موجود نہیں تھا۔“

میجر جنرل شاہد حامد اپنی تصنیف Disastrous Twilight میں لکھتے ہیں:

”آزادی سے چند روز پہلے دہلی میں فوجی افسروں سے ملاقات کی ایک تقریب منعقد کی گئی۔ فوجی افسران محمد علی جناح سے سوال کر رہے تھے اور جناح جواب دے رہے تھے۔ ایک افسر نے جب پاکستان میں پروموشن کے امکانات کے بارے میں سوال کیا تو میں قائد کے چہرے سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ انہوں نے اسے پسند نہیں کیا۔ اس فوجی افسر کے سوال سے یہ بات بخوبی عیاں تھی کہ انہیں پاکستان کی آزادی کی خوشی کم تھی مگر اپنی پروموشن (ترقی) کی فکر زیادہ تھی۔“

ڈاکٹر عائشہ جلال اپنی کتاب The State of Martial Rule میں لکھتی ہیں:

”مئی ۱۹۵۰ء میں امریکی دورے کے دوران لیاقت علی خان نے کہا کہ اگر امریکہ پاکستان کی سرحدوں کے دفاع کی ضمانت دے تو پاکستان کے لیے بڑی فوج کے دفاع کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

لیاقت علی خان کو ایک جلسے میں اس طرح قتل کیا جاتا ہے جس کے تمام انتظامات فوج کے ہاتھ میں تھے، قاتل سید اکبر کو موقع پر قتل کیا جاتا ہے۔ لیاقت علی خان قتل کیس کی تفتیش کرنے والے آئی جی سپیشل برانچ اعزاز الدین کے مطابق قاتل سید اکبر کو سی آئی ڈی اہلکار ایبٹ آباد سے راولپنڈی لایا تھا۔ دورانِ تفتیش موت سائے کی طرح ان کا پیچھا کرتی، روز ایکسیڈینٹ ہوتے بالآخر جہاز سمیت بم سے اڑا دیئے گئے۔ سید اکبر کو موقع پر ہی قتل کر کے کیس ختم/خراب کرنے والے ڈی ایس پی کو خانیوال میں مخدوم پور پہوڑاں روڈ پر ایک چک میں ۱۰ مربع زرعی اراضی سے نوازا گیا۔ اس کی اولادیں آج بھی عیش کر رہی ہیں۔ قاتل سید اکبر کی بیوہ کو بنگلہ الاٹ کیا گیا اور جدید سہولیات دی گئیں۔

مشاہد حسین، اکمل حسین Pakistan Problems of Governance میں لکھتے ہیں:

> ''جب بریگیڈیئر غلام جیلانی ملٹری اتاشی نامزد ہو کر امریکہ رخصت ہونے لگے تو کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان نے انہیں بلایا اور ہدایت دی کہ تمہاری بنیادی ذمہ داری پنٹاگون کے ساتھ ملٹری ایڈ کے تعلقات استوار کرنا ہے، تم ان (امریکیوں) سے براہ راست ڈیل کرنا اور پاکستانی سفیر کو اعتماد میں نہیں لینا، ہم اس قسم کے حساس معاملات میں سویلین پر اعتماد نہیں کر سکتے۔''

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان اور امریکہ کے تعلقات سنہ ۱۹۵۳ء سے تیزی سے بہتر ہونا شروع ہوئے۔ جہاں سنہ اکاون تک پاکستان کو چند کروڑ ڈالرز امریکی امداد ملتی تھی، سنہ ۱۹۵۳ء میں پچاس کروڑ سالانہ سے زیادہ ہوئی، سنہ ۱۹۵۵ء تک دو ارب ڈالرز اور سنہ ۱۹۶۳ء میں تین ارب ڈالرز کے قریب تھی۔ جب جنرل ایوب کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی تو اس نے امریکی سی آئی اے کے ایک خفیہ منصوبے میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ یو-۲ جاسوس جہازوں کی پروازیں تھیں جن کا مقصد سویت یونین سے فوجی معلومات جمع کرنا تھا۔

ڈینس ککس جو ۱۹۵۷ء تا ۱۹۵۹ء اور پھر ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۱ء پاکستان میں امریکی سفارت خانے میں تعینات رہا اپنی کتاب United States and Pakistan (۱۹۴۷ء-۲۰۰۰ء) میں لکھتا ہے:

> ''امریکی تعاون حاصل کرنے کے لیے ایوب خان اس حد تک آگے چلا گیا کہ اس نے ایک امریکی اہلکار کو کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ہماری آرمی آپ کی آرمی بن سکتی ہے۔''

قارئین کو یہ سن کر بھی حیرانگی ہو گی کہ سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ بھی پہلی دفعہ مشرف نے نہیں بلکہ سکندر مرزا نے امریکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہی لگایا تھا۔

سکندر مرزا نے ۷ فروری ۱۹۵۵ء کو نیویارک ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

> We cannot run wild on Islam, it is Pakistan "
> ".first and Pakistan last

> ''ہم اسلام کے بارے میں بے لگام نہیں ہو سکتے۔ سب سے پہلے پاکستان ہے اور سب سے آخر میں بھی پاکستان ہے۔''

ایف ایس اعجاز الدین The White House and Pakistan میں لکھتے ہیں:

> ''جنرل یحییٰ نے یکم اگست ۱۹۶۹ء کو لاہور میں امریکہ کے صدر نکسن سے علیحدگی میں ملاقات کی اور وزارت خارجہ کو اعتماد میں نہ لیا۔ اس طرح جنرل یحییٰ نے جنرل ایوب کی روایت کو جاری رکھا۔ جنرل ایوب اقتدار کے دوران بڑی طاقتوں سے ذاتی تعلقات استوار کرنے میں ذاتی دلچسپی لیتے رہے اور اداروں کو منظم اور مستحکم نہ ہونے دیا۔''

آج بھی چاہے دفاع کا معاملہ ہو، خارجہ پالیسی ہو یا تجارت، پاکستان کی فوجی اشرافیہ کے تمام فیصلے فقط ذاتی فوائد سمیٹنے تک ہی محدود رہتے ہیں۔ ایسے میں ان سے یہ امید لگانا کہ یہ غزہ کے لیے کچھ کر پائیں گے دیوانے کا خواب ہی ہے اور کچھ نہیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اسلام مخالف بھارتی حربے اور کشمیری نوجوانوں کی ذمہ داری

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ (سورۃ فصلت: ۳۰)

> ''بیشک وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ 'ہمارا رب اللہ ہے' اور پھر سیدھے راستے پر قائم رہتے ہیں، فرشتے ان پر نازل ہوں گے، [یہ کہتے ہوئے کہ]، 'نہ ڈرو اور نہ غم کرو بلکہ جنت کی خوشخبری سنو، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا'۔''

یہ وقت آزمائش کا ہے، لیکن اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کے لیے یہی وقت کامیابی کا بھی ہے۔ آئیے ہم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کریں، اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ ہماری کامیابی ہمارے اتحاد، ہمارے ایمان، اور اللہ پر ہمارے توکل میں ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام مخالف بھارتی حربے اور کشمیری نوجوانوں کی ذمہ داری

محمد ثاقب بٹ سوپوری

اے میرے کشمیر کے نوجوانو! تم ان مجاہدین کے وارث ہو جنھوں نے کبھی سر نہیں جھکایا، جنھوں نے ظلم کے سامنے سینہ سپر کیا، جنھوں نے جہاد کی شمع روشن رکھی۔ کیا تم اپنے ان بزرگوں کو بھول گئے جنھوں نے تمہارے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا؟

ذرا سوچو، عبد اللہ بنگرو، ندیم خطیب، محمد اشرف ڈار، ان بہادر مجاہدوں کے نام تمہارے دلوں میں کیسی آگ بھڑکاتے ہیں؟ انہوں نے امت کے الگ الگ محاذوں پر جہاد کیا، کیا تم ان کے وارث نہیں؟

کیا تم افضل گورو کو بھول سکتے ہو، جس نے پھانسی کے پھندے کو ترجیح دی مگر اپنے اصولوں سے سمجھوتہ نہیں کیا؟ اس کی آواز آج بھی تمہارے کانوں میں گونج رہی ہوگی: ''اس مقام کا احترام کرنا!''

برہان وانی، وہ نوجوان کمانڈر، جس نے جہادِ کشمیر کو ایک نئی زندگی دی، کیا تم اسے بھول گئے؟

ذاکر موسیٰ، وہ انقلابی رہنما، جس نے جہادِ کشمیر کو از سرِ نو زندگی بخشی، کیا تم اسے بھول گئے؟ اس نے حق کی آواز بلند کی اور ظالموں اور منافقین کے خلاف ڈٹ گیا، کیا تم اسے بھول گئے ہو؟

اور وہ لاکھوں شہداء، جنھوں نے اپنا خون بہا کر اس وادی کو سیراب کیا، کیا تم انہیں بھول گئے؟ ان کی مائیں، ان کی بہنیں، ان کے بچے، آج بھی ان کے انتظار میں ہیں۔ کیا تم ان کے خون سے غداری کرو گے؟

تمہاری بہنوں کی چیخیں، جنہیں ظالموں نے بے دردی سے شہید کیا، کیا وہ تمہیں نہیں سنتیں؟ کیا کُنّن پوش پورہ یاد نہیں، جن کا بدلہ آج بھی ہم پر قرض ہے۔

مبینہ، آسیہ، نیلوفر، آصفہ، کیا یہ نام تمہارے دلوں کو چیر نہیں رہے؟ یہ معصوم بہنیں ظلم کی بھینٹ چڑھ گئیں، کیا تم ان کا بدلہ نہیں لوگے؟

اے کشمیر کے نوجوانو! تمہارے کندھوں پر ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ تمہیں ان شہیدوں کے خوابوں کو پورا کرنا ہے۔ تمہیں اس وادی کو آزاد کرانا ہے اور اسلامی نظام کو قائم کرنا ہے۔ تمہیں ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی ہے۔ اٹھو! جاگو! اور اس وقت تک نہ رکو جب تک تمہارا مقصد حاصل نہ ہو جائے!

وہ ہمارے ایمان کی بنیادوں کو ہی مسمار کرنا چاہتے ہیں، ہمارا اپنے رب سے تعلق توڑنا چاہتے ہیں۔ ان کے طریقے مکارانہ ہیں، جو بتدریج ہم کو عقائد و سیاسی طور پر کمزور کر رہے ہیں:

- ہماری عبادت گاہیں ان کے لیے مقدس نہیں ہیں۔ وہ ان کے معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں، نگرانی کرتے ہیں، اور پابندیاں لگاتے ہیں۔ اذان، جو کبھی طاقت اور اتحاد کا ذریعہ تھی، اب ان کی جاسوسی کا نشانہ ہے۔ وہ ہماری آوازوں کو دبا رہے ہیں، ہمارے رہنماؤں کو کچل رہے ہیں، اور ان اداروں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے ایمان کو پروان چڑھانے میں کوشاں ہیں۔
- وہ ہماری تاریخ کو مسخ کر رہے ہیں، ہمارے بیانیے کو مٹا رہے ہیں، اور اس کی جگہ اپنا بیانیہ پیش کرتے ہیں۔ ہمارے بچوں کو ماضی کا ایک جھوٹا ورژن پڑھایا جا رہا ہے، جو ہماری میراث کو کمزور کر رہا ہے اور ان کی شان و شوکت کو بڑھا رہا ہے۔ یہ منظم ہیرا پھیری ایک ایسی نسل پیدا کرنے کے لیے ہے جو اپنی جڑوں سے کٹی ہوئی ہو اور ان کے اثر و رسوخ کا شکار ہو۔
- وہ اپنی ثقافت، اپنے اقدار، اپنے تفریحی ذرائع متعارف کرا رہے ہیں، جو سب ہمارے نوجوانوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کے لیے ہیں۔ وہ حقیقی آزادی کے متبادل کے طور پر عارضی لذتیں اور سطحی آزادیاں پیش کر رہے ہیں۔ یہ منظم مہم ہماری روایات کو ختم کرنے، ہمارے خاندانوں کو کمزور کرنے اور ہمارے معاشرے کے اخلاقی ڈھانچے کو نقصان پہنچانے کے لیے ہے۔ یہ ایک نوآبادیاتی حربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ جو لوگ اپنے اقدار سے منقطع ہو جاتے ہیں ان پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے۔
- وہ ہم کو مصروف اور خاموش رکھنے کے لیے تفریح، کھیل، اور مقابلوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ یہ حرکتیں ہم کو حقیقی مسائل، ہمارے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور ہماری آزادی کی جدوجہد سے دور رکھنے کے لیے ہیں۔ ہم کو تفریح میں مصروف رکھ کر، وہ ہم کو قابو میں رکھنا چاہتے ہیں۔

وہ خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ ان کے طریقے مکاری سے بھرپور ہیں، جو نوجوانوں کو ان کی دینی میراث سے کاٹنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔

- وہ ہمارے دین کی حدود سے باہر تعلقات کو فروغ دے رہے ہیں، انہیں پرکشش اور جدید کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ میڈیا، تفریح اور تعلیم کا استعمال کرتے ہوئے ان رشتوں کو عام بنا رہے ہیں جو ہمارے دین میں بیان کردہ شادی اور خاندان کی پاکیزگی کو کمزور کر رہے ہیں اور نوجوان نسل کو دین سے دور کر رہے ہیں۔
- وہ مادی چیزوں اور سرمایہ دارانہ طرز زندگی تمہیں پیش کر رہے ہیں، روحانی ترقی کے بجائے دنیاوی اشیاء پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ یہ انفرادیت اور

مقابلے کا احساس پیدا کرتا ہے، جو ہمارے ایمان کے لیے مرکزی حیثیت رکھنے والے اجتماعی اور مشترکہ ذمہ داری کے اقدار کو ختم کر رہا ہے۔

- وہ شراب اور منشیات کے استعمال کو آزادی اور ماڈرنزم کی علامت کے طور پر پیش کر رہے ہیں، انہیں ایک دلکش اور پرجوش طرزِ زندگی سے جوڑتے ہیں۔ یہ ہدف بنائی گئی مہم نوجوانوں کی اخلاقی قوت کو کمزور کرنے اور انہیں لت اور دیگر نقصان دہ عادات کا شکار بنانے کے لیے ہے۔
- وہ ہمارے مذہبی رہنماؤں اور علماء کو آہستہ آہستہ بدنام کر رہے ہیں، انہیں پرانے زمانے کا اور جدید معاشرے سے ناواقف ظاہر کر رہے ہیں۔ وہ متبادل آوازیں اور نظریات کو فروغ دے رہے ہیں، نوجوانوں میں شک اور الجھن کے بیج بوتے ہیں۔ وہ تنقیدی سوچ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، لیکن صرف اس طرح کہ آپ کے قائم شدہ عقائد پر سوال اٹھائے جائیں۔
- وہ نوجوان ذہنوں پر اثر انداز ہونے کے لیے سوشل میڈیا کی طاقت کو سمجھ چکے ہیں۔ وہ ان پلیٹ فارمز کو اپنے پیغامات پھیلانے، اپنی اقدار کو فروغ دینے کے لئے استعمال کر رہے ہیں، معلومات کا یہ مسلسل سیلاب نوجوانوں کے لیے بہت زیادہ ہے، جس سے ان کے لیے حق اور باطل میں فرق کرنا مشکل ہو چکا ہے۔
- وہ ایک ایسا ماحول پیدا کر رہے ہیں جہاں دین کا کھل کر اظہار کرنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یہ پوشیدہ دباؤ نوجوانوں کو اپنے عقائد پر سوال اٹھانے اور اپنی مذہبی شناخت پر شرمندہ ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ اس سے بتدریج ایمان میں کمی اور کھلے عام عمل کرنے میں ہچکچاہٹ پیدا ہوتی ہے۔

یہ تمام حربے آنے والی نسل سے اسلام کو ختم کرنے کی ایک بڑی حکمت عملی کا حصہ ہیں، جس سے ایسی آبادی پیدا ہو گی جن سے ان کے ظلم کے خلاف مزاحمت کرنے کا امکان کم ہو گا۔ ان کا مقصد ایک ایسی نسل پیدا کرنا ہے جو دینی اور روحانی طور پر اپنی میراث سے منقطع ہو۔

آج ہمارا ایمان اور ہماری شناخت ایک خفیہ جنگ کا شکار ہے۔ ایک ایسی جنگ جو خاموشی سے ہمارے عقائد کو کمزور کرنے، نوجوانوں کو دین سے دور کرنے اور ہمارے معاشرے کے اخلاقی ڈھانچے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن مایوسی کے اندھیرے میں، امید کی کرن موجود ہے۔ ہمارے پاس ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہر سازش کو ناکام بنا سکتا ہے، ہر حملے کو روک سکتا ہے، اور ہمیں اس طوفان سے باہر نکال سکتا ہے۔ وہ ہتھیار اللہ کی رسی ہے، قرآن و سنت کی تعلیمات ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

”اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تقسیم نہ ہو۔“

یہ اتحاد، یہ باہمی تعاون، یہ اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہنا ہی ہمیں اس فتنے سے بچا سکتا ہے۔ آیئے ہم مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، آپس میں اختلافات بھلا کر ایک دوسرے کا ساتھ دیں، اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔

نماز ہمارا سب سے بڑا سہارا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (سورۃ العنکبوت: ۴۵)

”بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“

نماز ہمیں اللہ سے جوڑتی ہے، ہمیں گناہوں سے بچاتی ہے، اور ہمارے دلوں میں ایمان کی شمع روشن رکھتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت، اس پر غور و فکر، اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہمیں گمراہی سے بچاتا ہے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○(سورۃ البقرۃ: ۲)

”یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی سنت ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم ان پر قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری سنت۔“

سنت ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے، ہمیں بتاتی ہے کہ کیسے ایک سچا مسلمان بننا ہے، کیسے اللہ کی رضا حاصل کرنی ہے، اور کیسے اس دنیا کے فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے۔

اسلامی تعلیم حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہمیں خود بھی سیکھنا ہے اور اپنے بچوں کو بھی سکھانا ہے۔ علم ہی وہ ہتھیار ہے جو جہالت کے اندھیرے کو دور کر سکتا ہے اور ہمیں سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی صلاحیت دے سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

ہمیں ثابت قدم رہنا ہو گا، اللہ پر بھروسہ رکھنا ہو گا، اور کبھی مایوس نہیں ہونا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۹ پر)

اس سیکولرزم اور سنودھان نے ہمیں کیا دیا؟

مولانا ابن عمر عمرانی گجراتی

سوزشِ یگانہ یوں ہی سرد ہو جاتی تو کیا تھا
شورشِ زمانہ یوں ہی گرد ہو جاتی تو کیا تھا

وہ سرزمینِ ہند جو کبھی ایک خوبصورت پھلتا پھولتا دار الاسلام ہوا کرتی تھی آج اسی اسلام کے لیے دشتِ دہشت اور احساسِ وحشت کا سنگین مظہر بنتی جا رہی ہے، جس زمانے میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم نے ہندوستان کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنا مشہور زمانہ شعر کہا تھا کہ:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

اس وقت تو حالات قدرے غنیمت تھے، ہندوستان علمی و عملی میدان میں ایک نوعیت کی مرکزیت و قیادت کا حامل تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج کے موجودہ حالات کو اگر علامہ اور ان جیسے غیور دانشور دیکھ لیتے تو کیا نقشہ کھینچتے؟ کیونکہ اب تو مُلّا سے واقعتاً سجدے کی بھی اجازت سلب کی جانے کی کوشش جاری ہے۔

یوپی اترپردیش کا ڈی ایس پی افسر کہتا ہے:

”عید کے دن جو لوگ 'اپنے گھر کی چھت پر' نماز ادا کریں گے ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔“

اترپردیش کی سرکاری انتظامیہ نے مزید اس رمضان میں اول تو ہولی کے تہوار پر، جو جمعہ کے دن کے ساتھ ٹکرا رہا تھا، جمعہ کی نماز گھر پر پڑھنے کی تجویز کی ورنہ آخری درجے میں وقتِ مقررہ سے مؤخر کرنے کا فرمان جاری کیا تاکہ ہندو اطمینان کے ساتھ سڑکوں پر ہولی کا تہوار منا سکیں، لیکن اسی انتظامیہ کو جب مسلمانوں کی نمازِ عید سڑکوں پر پڑھنے کی بھنک لگتی ہے تو کہتی ہے سڑک پر نماز پڑھنے والوں کے خلاف کڑی کاروائی ہو گی، ان کے پاسپورٹ ضبط کر لیے جائیں گے لائسنس سلب کر لیے جائیں گے، اس کے علاوہ اذانوں پر پابندی کی سختی میں دن بدن اضافہ و زیادتی، یہاں تک کہ سحری و افطار کے وقت ختم ہونے کا اعلان کرنے پر ۶ مارچ ۲۰۲۵ء کو ضلع رامپور میں مسجد کے امام سمیت ۹ لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اور حالیہ دنوں وقف ترمیمی بل کا تازہ المیہ یہ بات چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ مُلا کو ایک زمانے تک ہند میں سجدے کی اجازت تو تھی لیکن اب وہ بھی سلب کی جا رہی ہے، نہ نمازی کو چھوڑا جا رہا ہے نہ جائے نماز (مساجد) برداشت کیا رہا ہے اور نہ خود نماز کو، وقف ترمیمی بل کا قانون لا کر حکومتِ ہند نے نام نہاد حقوق بردار جمہوری آئینی اصولوں کو بھی پس پشت ڈالتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ اب یہ کسی زمانے میں بہترین دار الاسلام کہلانے والا خطہ بدترین دار الحرب ہوتا جا رہا ہے، دن بدن حالات بخارا و سمرقند، اندلس و قرطبہ کے نقشۂ تخریب کے مطابق چلتے جا رہے ہیں، جس طرح بخارا و سمرقند میں اوقاف کی زمینوں کو اپنے قبضے میں لے کر کمیونسٹ پارٹی نے نذرِ کھنڈر کر دیا اسی طرح ہندی سنگھی حکومتِ وقت تہ خاک کرنا چاہتی ہے، اس قانون کے تحت نہ مسلمانوں کے مدارس محفوظ ہیں نہ قبرستان، نہ خانقاہیں نہ مساجد، اوقاف کے متعلق قواعد و ضوابط کی ترتیب بندی اب ہندوتوا و آر ایس ایس کے اسلام و مسلمان دشمن نجس افسران کریں گے جو کہ شرمناک، ہیبت ناک اور حد درجہ حیران کن بات ہے حساس طبیعتوں کے لیے۔

یہ قضیہ کوئی یکبارگی و یکایک حادثاتی طور پیش آ جانے والا معاملہ نہیں ہے، بلکہ ۱۰۰ سالہ مضبوط منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے جو ہندو دہشت گرد تنظیم آر ایس ایس نے کی تھی، جس منصوبے کا اصل الاصول مقصد تھا اسلام و مسلمانوں کا جنوبی ایشیا سے مکمل خاتمہ کرنا، پھر دیکھا جائے تو اس آر ایس ایس کی بھی اصل آج سے تقریباً چار سو قبل پڑ چکی تھی، جس وقت 'شیواجی' ابھرا تھا علاقہ مہاراشٹر سے ہندوستان کے نظامِ اسلام کو الٹنے کے لیے، سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو زیر کرنے کے لیے، لیکن دال نہ گل سکی، عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اپنا ناپاک ارادہ اپنے سینے میں رکھ کر مر گیا اور حضرت عالمگیر کی زندگی کا طویل زمانہ اس کے خلاف جدوجہد میں گزر گیا، پھر ان کی وفات کے بعد دوبارہ اسی مہاراشٹر کے علاقے سے اسی 'شیواجی' کی قوم 'مراٹھا' کھڑی ہوئی اور اپنے غلیظ جالوں اور چالوں کو ملک کے طول و عرض میں اچھے خاصے پیمانے پر پھیلانے میں کامیاب ہوتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ جب اسلام کا تختہ الٹنا ایک معمولی سے اقدام کا ثمرہ نظر آنے لگا تھا کہ امام زمانہ علامۃ الدہر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیدار مغزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قلم کو تحریکِ جہاد کے قصد سے جنبش دی، نواب نجیب الدولہ کو متوجہ کیا اور فوجی اتحاد قائم کر کے احمد شاہ ابدالی کو فریضۂ جہاد کا سبق سنا کر مدعو الی القتال کیا جس کے نتیجے میں وہ مراٹھا جو لال قلعے تک قابض ہو کر اپنی فتح کا خواب دیکھ رہے تھے تار تار ہو کر ڈھیر ہو گئے۔ (بنصر اللہ، ینصر من یشاء)۔

اب دوبارہ پھر سے وہی خطہ ہے، وہی سرزمین ہے جہاں سے شیواجی ابھرا تھا، جہاں سے مراٹھا نکلے تھے وہی مہاراشٹر کا علاقہ ہے جہاں آر ایس ایس پنپ رہی ہے، بلکہ اپنی دولت وحاکمیت کا خواب سجا چکی ہے اور مسلمانان ہند کے خلاف ان کے خاتمے کے لیے تاریخی صف بندی کر چکی ہے، کیا مرد کیا عورت، کیا بچے کیا بوڑھے، قریب ہر ایک کے ذہن و دماغ میں مسلمانوں کو دہشت گرد منوا کر بدترین زہر بھر دیا گیا ہے، جس کی بناء پر آج وہ مسلمانوں کے خون کے ایسے پیاسے ہو چکے ہیں کہ فلسطین پر اسرائیل کی انسانیت سوز عدیم المثال بربریت کی کھلے عام طرف داری کرتے دکھائی دے رہے ہیں، معصوم بچوں کے قتل عام پر ”اسرائیل زندہ آباد“ کے نعرے بلا جھجک لگاتے پھر رہے ہیں، حتیٰ کہ ان بچوں کی دل سوز تصاویر پر ہنستے اور میمز بناتے ہیں جو محض ابلیسی عداوت کے علاوہ اور کچھ نہیں، دہلی سے تعلق رکھنے والا ملک کا مشہور سائنسدان ڈاکٹر آنند رگنا تھ کہتا ہے: "We need an Israel like solution for Kashmir". (ہمیں کشمیر کے لیے اسرائیل جیسا حل درکار ہے)۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس بار کے ان مراٹھا ظالموں کی نسل بی جے پی، آر ایس ایس کے شیطانوں کے تئیں مسلمانانِ ہند سر تسلیم خم کر دیں گے؟ اپنی اسلامی تاریخ کو مٹتا دیکھنا گوارہ کر لیں گے؟ ہندوستان کا اندلس و بخارہ کی طرح کا اجڑنا برداشت کر لیں گے؟

اگر نہیں تو پھر اس حال کا حل کیا ہے؟

کیا وہ دجالی طاغوتی ادارے حل ہیں جن کے یہاں الحادی نظریہ رکھنے والی لبرل ملالہ کو عالمی اقدار سے نوازا جاتا ہے اور اسلامی اصولوں کی پابند ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے؟

یا وہ جمہوری نظم جس میں اکثریت کے ووٹ کی بناء پر ہر اسلام مخالف بل جو خود اپنے آپ میں غیر آئینی قرار پاتے ہیں آسانی سے پاس ہو جاتے ہیں؟

یا وہ سپریم کورٹ اور اس کے ججز جو بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کے جواز کا فیصلہ کرتے ہوئے کہتے اور اقرار کرتے ہوئے کہ ”مسجد کے مقام پر مندر کے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں بس یہ ملک کی اکثریت عوام کے جذبات کی رعایت میں فیصلہ ہے۔“؟

یا وہ سنودھان جو اپنی بعض دفعات میں تو اسلام کو حقوق فراہم کرتا ہے اور بعض دفعات میں اسلام کے دشمنوں کو اسلام سے دشمنی کا حق دیتا ہے؟

کیا یہ پر تعصب سسٹم جو بابو بجرنگی جیسے ناہنجار غنڈے کو ضمانت فراہم کرتا ہے، جس نے گجرات میں ۳۶ مسلم خواتین کی عزت و آبرو کو تار تار کیا اور بعض خواتین کا پیٹ چیر کر رحم مادر میں موجود حمل کو باہر نکال پھینکا اور پھر فخر سے کہتا ہے کہ اس وقت میں نے اپنے آپ کو راجہ مہارانا پرتاب محسوس کیا (اس کے اس فخریہ اقرار کی ویڈیو آج تک یوٹیوب پر موجود ہے)، اور دوسری طرف یہ سسٹم مولانا کلیم صدیقی صاحب جیسے بزرگ و بے قصور عالم دین کو تبلیغ اسلام کی بناء پر عمر قید کی سزا سناتا ہے؟

صاحبو!

آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے:

لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين

”مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔“ (متفق علیہ)

ہندی مسلمانو!

تم ایک سوراخ سے کب تک ڈسے جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟

رام مندر فیصلہ، تین طلاق بل، یکساں سول کوڈ، شہریت ترمیمی بل اور اب وقف قانون اور نہ جانے آگے کیا کیا۔

میر کیا سادہ ہیں، بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

تقسیم ہند کے بعد مرتب کیے گئے بھارتی قانون کی فقہی اور مذہبی حیثیت بقولِ علمائے وقت ایک معاہدے سے بڑھ کر کچھ نہیں، جس طرح صلح حدیبیہ کے وقت طے کی گئی قرار دادیں ایک عقدی معاہدہ تھیں بالکل اسی طرح۔

پھر ان معاہدوں کا انداز یہ تھا کہ ان میں سے کوئی ایک شق بھی ٹوٹے گی تو اہل کفر کو خود کو مامون سمجھنے کا حق نہیں ہو گا، جیسا کہ فتح مکہ کا سبب بننے والی غداری اور عہد شکنی کے موقع پر رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے عمل سے ظاہر فرمایا، جب قریش مکہ کے ماتحت قبیلہ بنو بکر نے اہل مدینہ مسلمانوں کے ماتحت قبیلہ بنو خزاعہ پر اچانک ایک شب خون مارا تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسی وقت نقض عہد کا اعلان کر دیا اور فتح مکہ لیے لشکر و عسکر کی تشکیل شروع فرما دی اور یہی حکم خداوندی ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ (سورۃ التوبۃ: ۱۲، ۱۳)

”اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں، اور تمہارے دِین کو طعنے دیے ہوں، تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آ جائیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی

قسموں کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا، اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں) پہل کی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اُس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔"

اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوال کریں کیا ہندوستان کے موجودہ حالات میں قرآن کریم کی یہ آیات مسلمانانِ ہند کی طرف متوجہ نہیں ہو رہیں، کیا عہد توڑ نہیں دیے گئے؟ کیا شہریت ترمیمی بل کے ذریعے ملک بدر کرنے کے منصوبے پاس نہیں کر دیے گئے؟ کیا دین اسلام کے خلاف پروپیگنڈے اور پیغمبر ﷺ کی ارفع و اعلیٰ شان میں گستاخی کا چلن عام ہونا شروع نہیں ہوا؟ اگر ہاں تو کیا یہ احکام اہل ہند کے لیے اعلان نسخ لے کر اترے ہیں؟

الغرض جب معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے اور قانونی ہتھکنڈے اسلام و مسلمانوں کے خلاف اپنے بازو آزمانا شروع کر دیتے ہیں تو "القول قول الصوارم" لاتوں کے بھوتوں کے سامنے پھر باتیں نہیں چلتیں۔

اے ملت ہندیہ کے قائدین وراہنما! کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ہندوستان کو دار الامن کی فہرست سے نکال کر دار الحرب کی فہرست میں شامل کیا جائے؟ کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت و سیاست کو اصل حل اور منہج شہیدین کو اصل منہج جانا جائے؟ کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ شیخ الہند کے وارثین دوبارہ ان کے عزائم وافکار لے کر کھڑے ہوں اور تحریک ریشمی رومال کو اپنے موقوف کردہ مقام سے آگے بڑھاتے ہوئے احیائے خلافت کے ساتھ ہندوستان میں غلبۂ اسلام کی جدوجہد شروع کریں؟

شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے پاس اقتدار اعلیٰ کے عہدے ہونے کے باوجود اور انگریزوں کے ایوان پر ناقص دست اقتدار کے باوجود دار الحرب کا فتویٰ دیا تھا اور آج نمازوں پر مساجد پر پابندیاں عائد ہونا شروع ہو گئیں، ہندو بلوائی سر عام مساجد پر حملہ آور ہونا شروع ہو گئے، تلواروں سمیت جلوس نکال کر مساجد کے سامنے آکر اسلام کے خاتمے کی دھمکی دینے پر اتر آئے اور ان کے ساتھ حکومتی پشت پناہی کسی سے ڈھکی چھپی نہ رہی پھر بھی یہ ملک دار الامن ہے؟

تاریخ ہو یا عقلی، فلسفہ، سیرت ہو یا فقہ بقاء وغلبۂ اسلام کے لیے علاوہ جہاد فی سبیل اللہ کے کوئی حل نہیں ملتا اگر انصاف کی نظر سے دیکھنے والا دیکھے تو۔

قرآن تو واضح حقیقت بیان کرتا ہے کہ:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ (سورۃ الحج: ۴۰)

"اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔"

چنانچہ دفاعی عزم کے علاوہ کوئی اور حکمت عملی کار است ہوتا تو قرآن کیوں نہ تجویز کرتا، اللہ تو خود کہتے ہیں:

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ۙ (سورۃ طٰہٰ: ۲)

"ہم نے قرآن اس لیے نہیں کہ تم (بے جا) مشقت میں پڑ جاؤ۔"

لیکن جو چیز اپنی فطرت میں ہی مشقت لیے ہوئے ہے تو اس کے بغیر چارہ بھی نہیں، تو وجود کی بقاء، ظلم کا خاتمہ، یہ اس مبنی بر مشقت دفاع کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتا۔

نبی ﷺ نے قرب قیامت مختلف قوموں کے غلبے اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کو دعوت دینے کی جو پیش گوئی فرمائی اس میں اور کیا وجہ بتائی سوائے اس کے کہ تم میں وہن (بزدلی آجائے گی) دنیا کی محبت اور شہادت سے کراہت کے نتیجے میں؟ (رواہ أحمد و أبو داود)

چنانچہ یہی حلِّ حال ہے، اسی میں اصلاح مآل ہے۔

قرب قیامت ہونے والے غزوہ ہند کی جو بشارت ہے اس میں سوائے مسلح جدوجہد کے اور کون سے حل کا اشارہ ہے؟ (رواہ النسائی باسناد صحیح)

بہر حال، اب صاحبِ فکر و اثر قاری کے ذہن میں یہی سوال آتا ہے کہ ہم کیا کریں اور کیسے کریں؟ ہمارے پاس کوئی قائد نہیں، کوئی تحریک نہیں، نیز علماء و صالحین کی طرف سے اشارہ و اجازت بھی نہیں؟

تو گراں قدر بھائی! اول تو یہ یاد رکھیں کہ اپنے دفاع کی تیاری کے لیے آپ کو نہ کسی قائد کی ضرورت ہے نہ تنظیم و تحریک کی نہ کسی فتوے کی، یہ بات نقلاً (قرآن و سنت سے) بھی ثابت ہے اور عقل و حکمت کے اعتبار سے بھی مسلم ہے اور دنیا کا کوئی قانون اجازتِ دفاع سے مانع نہیں بن سکتا۔

آپ کو اگر پتہ چلے کہ کوئی چور آپ کی دکان پر لوٹ مار کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا آپ اس کے لیے قائد یا تحریک یا فتویٰ تلاش کریں گے یا اپنے دفاع کا نظم و بندوبست اپنے طور پر کریں گے؟

بس اسی طرح اپنی اسلامی املاک، علاقے اور دیگر منتسبات کا معاملہ سمجھ لیں، جیسے وہاں آپ اپنی بساط کے بقدر جو کوشش کر سکیں گے کریں گے ایسے ہی یہاں فرمان باری ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (سورۃ الانفال: ۶۰)

”اپنی کوشش وبساط کے بقدر جو طاقت و نظم تیار کر سکتے ہو کرو۔“

اپنے پاس چھوٹے چھوٹے معمولی اوزار کا بندوبست کر سکتے ہو تو کرو، اسکریو ڈرائیور، ہتھوڑی، تالا باندھنے والی زنجیریں، کیلیں، کڑک کرکٹ بال، اسی طرح کرکٹ بیٹ، اسٹمپ کی ڈنڈیاں وغیرہ جیسے کئی طرح کے اوزار وادوات ہیں جس سے آپ خود کو غیر مشکوک انداز میں مسلح کر سکتے ہیں تو یہ اختیار کریں بطور ’مَّا اسْتَطَعْتُمْ‘ کے۔

اگر ہندوتوا فسادی بلوائی حملہ آور ہوں تو اپنے گھریلو سامان میں کافی چیزیں آپ پائیں گے جس سے اپنا دفاع کر سکیں گے، تدبیر کریں اپنے اور اسلام و مسلمانوں کے تحفظ کے طور جہادِ دفاع کی نیت سے، جس کے لیے ایسی صورت میں خود قرآن نے فتوائے جواز دیا ہے، ارشاد باری ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ؀ (سورۃ الحج: ۳۹)

”جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔“

لہٰذا مذکورہ ہنگامی دفاعی صورت میں کسی فتوے کی ضرورت نہیں۔

پس اپنی ذات سے ترتیب کا آغاز کریں اور موقع محل کو سامنے رکھتے ہوئے ترغیب کا، مناسب معلوم ہونے پر موقع و محل کے اعتبار سے اس فکر کو دوسروں میں بھی عام کر کے ماحول بنانے کی ممکن کوشش کریں، نصرت باری کی دعا و امید کے ساتھ، بعید نہیں کہ آپ اکیلے ہی چلیں اور پھر لوگ پیچھے آتے جائیں، کارواں بنتا چلا جائے، یہی نوعیت ہر تنظیم و تحریک کی ہوتی ہے، ابتداء میں، کوئی جماعت و تنظیم ابتداءً افراد و اسباب سے لیث تھوڑے ہی ہوتی ہے، خود اسلام کی غرابت بھی اسی داستان سے تو گزری ہے۔

کم از کم اس نوعیت سے چلنا شروع کریں، ان شاء اللہ رب کریم آگے کی راہیں خود فراہم کرتے جائیں گے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ؀ (سورۃ النسآء: ۸۴)

”لہٰذا تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو، تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے، ہاں مومنوں کو ترغیب دیتے رہو، کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت۔“

☆☆☆☆☆

اسلامی معاشرت محض ظاہری اصولوں کا نام نہیں!

”اسلامی معاشرت محض کچھ ظاہری اصولوں کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا مکمل اخلاقی نظام ہے جو ہر فرد کو اس کے خاندانی، سماجی، معاشی اور دینی فرائض کا احساس دلاتا ہے۔

اگر صرف عبادات ادا کر لی جائیں اور معاملات میں جھوٹ، دھوکہ، ظلم، حسد، حق تلفی اور بد اخلاقی باقی رہے تو ایسی زندگی اسلامی معاشرت نہیں کہلائی جا سکتی۔ اسلامی معاشرت کی اصل غرض یہ ہے کہ افرادِ امت میں محبت، رواداری، تعاون، انصاف اور قربانی کا جذبہ پیدا ہو۔

اسلام نے انسان کو ’مدنی الطبع‘ یعنی معاشرتی فطرت رکھنے والا بنایا ہے، اور اسی فطری ضرورت کو سامنے رکھ کر اس نے انسانوں کے درمیان تعلقات کو منظم کیا۔ سلام کرنا، بیمار کی عیادت، جنازے میں شرکت، ہمسایوں کا خیال رکھنا، حتیٰ کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا بھی اسلامی معاشرت کے لازمی اجزاء ہیں۔

اگر کوئی شخص کثرتِ عبادت کے باوجود لوگوں کے ساتھ بدتمیزی کرے، جھوٹ بولے یا حقوق العباد کو نظر انداز کرے، تو اس کی دینداری مکمل نہیں۔“

مولانا قاری محمد طیب قاسمی نوّر اللہ مرقدہ

(خطباتِ طیب، جلد ۲)

مُجاهد جهاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البـــراء الإبّـي

وجه نمبر: بتّیس (32)

یہ تحریر تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب سے وابستہ یمن کے ایک مجاہد لکھاری ابو البراء الإبی کی تالیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

بتیسویں وجہ: شادی بیاہ

اس وجہ سے اکثر ایسے جوان جہاد چھوڑ جاتے ہیں جن کی شادیاں جلدی نہیں ہوتیں۔ اس راستہ پر چلنے والے ایسی حالت سے ہمیشہ دوچار رہتے ہیں۔ اسی لیے جب کوئی جوان مجاہدین کے ساتھ مل جاتا ہے تب اس کا خاندان اسے جہاد سے روکنے کے لیے کہتا ہے: چلو آؤ تمہاری شادی کراتے ہیں۔ اس طرح وہ لذتِ شہوت کے پیچھے لگ کر جہاد سے دور ہو جاتا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ جہاد پر نکلنے سے پہلے یہ جوان سالہا سال شادی کا مطالبہ کرتا رہا ہو لیکن اس وقت اس کی سنی ان سنی کر دی جاتی ہو۔ اور اب جیسے ہی اس نے جہاد کے راستے پر قدم رکھا تو اس کے لیے یہ دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا۔ تاکہ اس راستہ پر چلنے کے لیے اس کے عزم اور ارادہ کو توڑ دیں اور ہمتیں پست کر دیں۔

اور کتنے ہی ہمارے جوان اس دلدل میں پھنس کر رہ گئے!

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ

”دنیا میٹھی اور سرسبز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ و نائب بنانے والا ہے پس وہ دیکھے گا کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی ڈرتے رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔“ (متفق علیہ)

امام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”(دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی ڈرتے رہو) کا مطلب یہ ہے کہ: دنیا اور عورتوں کے دلدادہ نہ ہو جانا۔ عورتوں سے یہاں مراد بیویاں بھی ہیں اور دیگر عورتیں بھی۔ لیکن فتنے میں مبتلا کرنے والی اکثر بیویاں ہی ہوتی ہیں۔ کیونکہ اکثر مرد شادی شدہ ہوتے ہیں اور ان کی بیویوں کا فتنہ ان کے ساتھ لگاتار اور مسلسل رہتا ہے۔“

نیز اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورة التغابن: ۱۴)

”اے ایمان والو تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو (اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو)۔ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ (تمہارے گناہوں کا) بخشنے والا ہے (اور تمہارے حال پر) رحم کرنے والا ہے۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ (فتح القدیر) میں فرماتے ہیں:

”یعنی کہ وہ تم سے دشمنی برتتے ہیں اور خیر سے پھیر کر تمہیں دیگر کاموں میں مصروف کر دیتے ہیں۔ اس آیت کے مفہوم میں اس کے سببِ نزول کا واقعہ تو بطریقِ اولیٰ داخل ہے۔ ہوا یہ تھا کہ مکہ کے چند افراد نے اسلام قبول کر کے ہجرت کا ارادہ کر رکھا تھا۔ لیکن نہ ان کی بیویوں نے چھوڑا اور نہ ان کے بچوں نے۔ اس پر اللہ جل جلالہ نے انہیں بیویوں بچوں سے احتیاط برتنے کا کہا۔ اور منع فرمایا کہ وہ بیویوں بچوں کی کوئی ایسی بات نہ مانیں، جو وہ چاہتے ہیں، جبکہ وہ بات اُس کے خلاف ہو جو اللہ چاہتا ہے۔ (ان سے احتیاط برتو) میں ضمیر دشمن کی طرف لوٹتا ہے اور یا پھر بیویوں بچوں کی طرف۔ لیکن تمام بیویوں بچوں کی طرف نہیں بلکہ ان میں سے وہ جو دشمنی سے متصف ہوں۔“

حضرت بشر الحافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”علم شہوتِ زن کے بیچ گم ہو کر رہ گیا۔“

ایک مقولہ ہے کہ:

”جسے گھوڑوں کی زینت پسند ہوں، وہ کامیاب ہے۔ اور جسے عورتوں کی شہوت پسند ہوں، وہ ناکام ہے۔“

حافظ ابو بکر الخطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع میں لکھا ہے:

”علمِ حدیث کے طالب کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ جب تک بغیر شادی کے رہ سکتا ہے، رہے۔ تاکہ اسے بیوی کے حقوق کی ادائیگی اور فکرِ روزگار میں مشغول رہنا طلبِ علم سے نہ روک دے۔“

پھر انہوں نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ:

”شہوتِ زن کے پیچھے لگنے والا کبھی کامیاب نہ ہوا۔“

(إیضاح البیان) کے مصنف شیخ شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بعض دوستوں نے شادی کرنے کا کہا۔ تو انہوں نے اس بارے میں اور حصول علم پر تحریض دیتے ہوئے یہ شعر پڑھے [جن کا مطلب کچھ یوں ہے کہ:

مجھے بعض مخلصوں نے نصیحت کی کہ کسی حسن و جمال کے پیکر سے شادی کر لوں۔ میں نے ان سے کہا: چھوڑو مجھے! میرا دل آج ایک مشکل کام کے سبب بے خواب ہے۔ تم نہیں جانتے کہ میں ایسے اوراق کے حسن میں مشغول ہوں، جن کے رموز و اسرار پر پڑے پردے کو ہٹا کر میں ان کے حسن و جمال سے محظوظ ہوتا ہوں۔ رات بھر میں ان میں محو رہتا ہوں اور صبح ہوتے ہی مجھ پر سب منکشف ہو جاتا ہے۔ میں ان اوراق کا پردہ زبردستی چاک کر دیتا ہوں جبکہ خواتین کا حسن دیکھنا مجھ پر حرام ہے]۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں شادی کرنے سے لوگوں کو منع کر رہا ہوں۔ لیکن مقصود یہ ہے کہ بسا اوقات شادی مردوں کے پھسل کر الٹ جانے کا سبب بن جاتی ہے۔ ورنہ میں مجاہدین کو صرف ایک شادی کی ہی نہیں بلکہ ایک سے زائد شادیوں کی ترغیب دیتا ہوں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء علوم الدین میں نکاح کے مقاصد اور فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”نکاح دینداری میں مددگار ہوتا ہے۔ شیطان کو رسوا کرتا ہے۔ اللہ کے دشمن کے مقابلے میں مضبوط قلعہ ہے۔ نکاح تکثیرِ امت کا سبب بنتا ہے جس پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء پر فخر کریں گے۔ تو کتنا ہی اہم ہے کہ شادی کی ضروریات پوری کرنے کی تگ و دو کی جائے۔ اور شادی کے مقاصد اور آداب واضح واضح بیان کیے جائیں۔“

پھر آگے فرمایا:

”شادی کے ۵ فائدے ہیں: اولاد حاصل کرنا، شہوت کو لگام دینا، گھرداری کا انتظام کرنا، رشتہ داروں کو بڑھانا، اور ان چاروں کا بندوبست کرنے کے لیے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا۔“

پھر یہ بھی ذکر کیا کہ اگر شادی سے مقصد نسل کی افزائش ہے تو یہ، نیت درست ہونے کی شرط پر، ایسی عبادت ہے جس پر اسے پورا اجر ملے گا۔ اس نکتے کو انہوں نے کئی پہلوؤں سے سمجھایا:

”اولا: نوع انسان کے بقاء کی خاطر اولاد کے حصول سے بندہ اللہ تعالی کی پسندیدہ کام پر اللہ کا موافق ہو جاتا ہے۔
ثانیا: جس کثرت پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم فخر کریں گے اسے پورا کرنے سے بندہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خواست گار بن جاتا ہے۔

ثالثا: مرنے کے بعد نیک اولاد کی دعا کے سبب برکت کے حصول، اجر کی زیادتی اور گناہوں کی مغفرت کا طلب گار بن جاتا ہے۔“

اس کے بعد امام غزالی نے تاکیداً کہا کہ: ”صاحب عقل و فہم کے لیے پہلی وجہ ہی سب سے قوی اور واضح ہے۔“ اور اس کے لیے انہوں نے ایک مثال پیش کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”ایک آقا نے بیج، کھیتی باڑی کا سامان، اور زرخیز زمین اپنے غلام کو سپرد کی۔ اور اس غلام پر ایک نگران مقرر کیا جو اسے کام پر ابھارتا رہے۔ اب اگر یہ غلام کاشت کاری میں سستی کرے اور اس پر جو نگران مقرر ہے اس کی پرواہ نہ کرے تو وہ اپنے آپ کو آقا کے غیظ و غضب کا حقدار ٹھہرائے گا۔ جس پر آقا اسے برطرف کر دے گا۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے مرد اور عورت کی جوڑی پیدا کی۔ اور ہر ایک کو اس کی اپنی اپنی خاصیتوں سے نوازا۔ پھر نسل کی افزائش اور اولاد کی پیدائش میں حکمتِ خداوندی واضح کرنے کے لیے شہوت کو ایک قوی محرک بنایا۔ اب جو شخص اس مقصد سے انحراف کرتا ہے یا اس کی مخالفت کرتا ہے تو گویا وہ کائنات میں سننِ الٰہی کو چیلنج کر رہا ہے جس پر وہ اللہ تعالی کے غضب اور ناراضگی کا مستحق ٹھہرے گا۔“

☆☆☆☆☆

سورۃ الانفال

خواطر، نصائح اور تفسیر

شہید عالم ربانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين محمد و على آله و صحبه و ذريته اجمعين اما بعد

فقد قال الله سبحانه وتعالىٰ فی كتابه المجيد بعد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمان الرحيم

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○﴾ (سورۃ الانفال: ۳۱ تا ۳۴)

صدق الله مولانا العظيم

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي، وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي، يَفْقَهُوا قَوْلِي

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا اور جب ان کے اوپر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، یعنی اللہ کی کتاب کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں کافروں کے سامنے، قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا تو وہ کہتے ہیں یا وہ کہنے لگے کہ ہم نے سن لیا، لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا اگر ہم چاہتے یا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی باتیں کر سکتے ہیں یعنی ہم بھی (نعوذ باللہ) ایسا ہی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں، إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ یہ کچھ نہیں ہے سوائے گزرے ہوئے وقتوں کی کہانیوں کے یا گزرے ہوئے وقتوں کے افسانوں کے یا پرانی فرسودہ باتوں کے۔

اس آیت میں اور اس سے اگلی آیات میں اللہ رب العزت کفار کے رد عمل کو یعنی اہل ایمان کی جانب سے دعوت ملنے کے جواب میں کفار کا جو رد عمل ہوتا ہے اس کو بیان فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کفار کی نفسیات ہمیں سمجھاتے ہیں۔

اپنے دشمن کو پہچانیں!

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی کتاب میں کفار کی مختلف اصناف کے ظاہری اعمال کا تفصیل سے بیان کیا وہیں ان کی داخلی نفسیات، ان کے سوچنے کے طریقے، ان سب کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے کھول کر بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ ایک انسان کی زندگی میں اپنے دشمن کی پہچان اور اس کو سمجھنا زندگی کے اندر کامیاب ہونے کے لیے، درست فیصلے کرنے کے لیے اساسی چیز ہوتی ہے۔ تو مسلمانوں کے لیے، جو ان کی خارجہ پالیسی ہے اور مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ جو تعامل کرنا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک مسلمان پہلے اللہ کی کتاب کی طرف لوٹے اور جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں مختلف تفاصیل بیان کی ہیں، ان کے درمیان جو مشترک نکات ہیں وہ بیان کیے ہیں، ان کے آپس میں جن امور پر اختلاف ہیں وہ بیان کیے ہیں، ان کے جن اوصاف میں فرق پایا جاتا ہے وہ بیان کیے ہیں، ان کے سوچنے کا طریقہ، ان کے دلوں میں آنے والے خیالات، ان کی حجتیں اور دلائل، ان سب کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کے اندر کھول کھول کر ہمارے سامنے بیان فرمایا ہے۔ تو جب تک یہ سامنے نہ ہو تب تک ان لوگوں کے ساتھ ہمارا تعامل ویسا نہیں ہو سکتا جیسا ہونا چاہیے، جیسا اللہ کو مطلوب ہے، جیسا شریعت کو مطلوب ہے اور جس میں ہمارا اپنا نفع اور ہماری بھلائی ہے۔ تو یہاں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کافروں کے اوصاف بیان کیے۔

کیا باطل پر چلنے والے محض جہالت یا تاویل کی بنا پر ایسا کرتے ہیں؟

بہت سے بھائی جن کی آنکھ اس جدید تہذیب سے رنگے ہوئے معاشرے میں کھلی ہو تو وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ جب ان کے سامنے کافروں کا بیان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ان بے چاروں کے ذہن میں بھی کوئی نہ کوئی تاویل ہو گی یا وہ بھی کوئی نہ کوئی اچھی نیت رکھ کر ہی یہ کام کر رہا ہو گا۔ فوج کی بات آئے کہ جس کے ہاتھ سے سالہا سال سے مسلمانوں کا خون ان علاقوں میں بہتا رہا تو ان کے بارے میں بھی کہیں گے کہ وہ بھی بے چارے ہیں، یا وہ جاہل ہو گا یا اس کے ذہن میں بھی کوئی اور بات ہو گی۔ تو یہ سادہ لوحی پر مبنی تصور ہے کہ لوگوں کے کفر پہ چلنے یا اللہ کے دین سے منہ پھیرنے کی واحد وجہ ان کی جہالت، لاعلمی یا ان کا کوئی تاویل کرنا ہوتا ہے۔ ایک آدھ وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے لیکن اس کے علاوہ ایسا گروہ بھی پایا جاتا ہے کفار میں اور اللہ کے دین سے منہ پھیرنے والوں میں جو باطل کو باطل جانتے ہوئے اس کا ساتھ دیتا ہے اور حق کو حق جانتے ہوئے اس سے منہ پھیرتا ہے۔ تو تکبر اور عناد و سرکشی پر مبنی یہ رویے قرآن میں جابجا بیان کیے گئے ہیں۔ اور جو قرآن پہ نگاہ رکھتا ہو وہ کبھی بھی یہ عمومی بات اس طرح سے نہیں کر سکتا کہ جو بھی کفر پہ کھڑا ہوا ہے لامحالہ اس کے پاس بھی کوئی نہ کوئی اچھی نیت یا کوئی وجہ ہو گی یا وہ کسی جہالت کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو گا، نہیں! شیطان کے ایسے پیروکار بھی ہوتے ہیں جیسا کہ شیطان خود تھا کہ اس نے، جب اللہ رب العزت نے اسے دھتکارا تو جرأت کرتے ہوئے کہا کہ ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي ...... لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ اے میرے رب! جس طرح تو

نے مجھے گمراہ کیا، (نعوذ باللہ) جس طرح تو نے مجھے رستے سے ہٹایا اسی طرح میں تیرے بندوں کو رستے سے ہٹاتا رہوں گا، اور پھر مہلت مانگی کہ ﴿قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾، اے میرے رب! جس دن لوگوں کو دوبارہ اٹھایا جانا ہے اس دن تک مجھے مہلت دے دے تاکہ میں لوگوں کو گمراہ کرسکوں، اور پھر کھل کے بیان کیا کہ ﴿وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ ......﴾ میں انہیں گمراہ کروں گا اور ان کے دلوں میں تمنائیں ڈالوں گا اور کیسی کیسی بدعات و شرکیات میں ان کو سجھاؤں گا، تو وہ ایک ایک چیز اس نے کھل کر وہاں کہی۔ پس وہ باطل کو جانتا تھا اور وہ حق کو بھی جانتا تھا، رب کو 'ربی' کہہ کر پکار رہا تھا، اس کے باوجود رب کے ساتھ دشمنی بھی لگا رہا تھا اور رب کے بندوں کو رستے سے ہٹانے کا چیلنج بھی دے رہا تھا۔ اسی شیطان کے ایسے پیروکار انسانوں میں بھی ہوتے ہیں کہ جو باطل کو خوب پہچانتے ہیں، جیسے اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَآءَهُمْ﴾، اللہ کے نبی ﷺ کو وہ اس طرح بخوبی پہچانتے ہیں جس طرح اپنی سگی اولاد کو پہچانتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انکار کرتے ہیں اور اس کے باوجود حق سے منہ پھیرتے ہیں، تو ایسی ہی کچھ نفسیات کا ذکر یہاں پر بھی فرمایا۔

اللہ فرماتے ہیں:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا جب ان کافروں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، قَالُوا تو وہ کہتے ہیں قَدْ سَمِعْنَا کہ بس ہم نے سن لیا، لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی بات کرسکتے ہیں......

یہ سراسر جھوٹ، عناد اور تکبر پر مبنی بات ہے، حالانکہ قرآن ان کو چیلنج بھی دے چکا ہے کہ اس قرآن جیسی کتاب لے آؤ، اس جیسی دس سورتیں لے آؤ، اس جیسی ایک سورت لے آؤ، لیکن وہ نہیں لا سکے، وہ عاجز ہوئے، وہ کوشش کرنے کے باوجود عاجز ہوئے۔ انہوں نے اپنے میں سے لوگوں کو فارغ کیا اس کام کے لیے کہ کچھ لوگ بیٹھیں اور قرآن کے مقابلے کے لیے کچھ آیتیں اور کچھ سورتیں بنا کر لائیں۔ نہیں لا سکے وہ اس کے مقابلے میں۔ اس کے باوجود جب اللہ کی آیتیں پڑھی جاتیں تو تکبر میں یہ بات کہتے کہ یہ تو ہم بھی کرسکتے ہیں مگر ہم خود ہی نہیں کر رہے۔ ہم چاہیں تو ہم بھی کرسکتے ہیں اس کا مقابلہ لیکن ہم خود نہیں کر رہے، یہ کون سا مشکل کام ہے۔ تو یہ کبر پر مبنی رویہ ہے کہ کافروں کی ایک صنف ایسی ہوتی ہے کہ جو حق کو پہچانتی ہے خوب اور اپنا باطل پہ ہونا جانتی ہے لیکن رویہ ایسا متکبرانہ اختیار کرتی ہے۔

اور کیا کہا کہ إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ یہ کچھ بھی نہیں ہے سوائے گزرے وقتوں کی کہانیوں کے۔ پرانے افسانے ہیں، پہلے سے باتیں چلی آ رہی ہیں، اور اسی بات کا دیگر جگہوں پر بھی قرآن نے ذکر کیا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ رسول اکرم ﷺ نے جا کر، اللہ تعالیٰ جس کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ ﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ...﴾، کہ یہ جس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جو شام کے سفر پر گئے تو وہاں انہوں نے اہل کتاب سے اور دیگر لوگوں سے کہانیاں سنیں ان کی اور ان کو اکٹھا کرکے ایک اور انداز میں ہمارے سامنے پیش کر دیا۔ تو یہ بھی ایک الزام تھا جو رسول اکرم ﷺ پر وہ جھوٹ بول رہے تھے، ان کو خود بھی بخوبی یہ بات پتا تھی لیکن یہ جھوٹا الزام لگاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جو کتاب لے کر آئے ہیں وہ کتاب ادھر ادھر سے آپ نے جمع کی ہے نعوذ باللہ اور دیگر لوگوں سے وہ پرانے وقتوں کی باتیں سنیں اور ان کو ہمارے سامنے نقل کر دیا۔ اور پھر اپنی اس دلیل میں بھی وہ جھوٹے تھے اس لیے کہ کسی جگہ پہ یہ کہتے تھے کہ إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اور کیا کہتے تھے ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ...﴾ کہ ہم نے تو یہ بات پہلے کبھی سنی ہی نہیں ہے۔ صرف مقصود یہ تھا کہ جہاں بھی اللہ کے دین کی دعوت آئے تو اس وقت کوئی بھی بات پھینک کے، خواہ وہ کتنی ہی بے سروپا ہو، اللہ کے دین کی دعوت سے منہ پھیرا جائے۔ تو یہ وہ رویہ ہے جس کو آج آپ کفر کے میڈیا میں یا عالمی اور مقامی میڈیا میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے حق کا انکار کرنا ہی کرنا ہے، حق بات کو کسی طرح نیچا دکھانے کی کوشش کرنی ہے چاہے کوئی بھی بات پھینک کے۔ ایک ہی بندے کے ایک ہی ٹاک شو میں بیٹھ کر وہ ایک بات کر رہا ہو گا اور کسی دوسرے سوال میں پھنس کر کوئی دوسری بات کر رہا ہو گا، مقصد بس ایک ہو گا کہ حق سے منہ پھیرا جائے اور حق سے جی چرایا جائے اور کوئی نہ کوئی حجت، خواہ وہ کتنی ہی بودی کیوں نہ ہو، پیش کرکے حق سے جان چھڑائی جائے۔ تو یہ ان کا رویہ تھا جو یہ کہتے تھے کہ یہ پچھلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔ اور نعوذ باللہ اللہ کے نبی نے دوسروں سے سن کے اسی کو نئے انداز میں پیش کر دیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اُمی ہیں اور جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی ساری زندگی جھوٹ نہیں بولا۔ چھوٹے چھوٹے ذاتی امور میں نہیں بولا تو وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹ باندھ سکتے ہیں۔ تو یہ ساری باتیں جاننے کے باوجود وہ یہ جانتے تھے کہ جو کلام وہ لائے ہیں اس کا مقابلہ کرنے سے وہ عاجز رہے ہیں، سارے مل کر ایک اُمی کے پیش کردہ کلام سے، جو قطعی دلیل ہے اس بات کی کہ ایسا معجزانہ کلام اللہ کے سوا کسی کی طرف سے نہیں ہو سکتا، اس کے باوجود اس سے انکار کرتے تھے اور پھر یہیں پہ نہیں رکے بلکہ:

وَإِذْ قَالُوا اور جب انہوں نے کہا کہ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے، یعنی جو دعوت نبی کریم ﷺ لائے، جو کتاب آپ لائے، اگر یہی حق ہے اور رسول اللہ ﷺ خود برحق ہیں تو دعا کیا ہونی چاہیے؟ یعنی یہاں پر آیت روکیں تو اصولاً کوئی جو اس حق اور خیر کا طالب ہو اور واقعتاً وہ جاہل ہو اور حق کو جاننا چاہتا ہو تو اس کی دعا تو یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ! ہمیں اس کی اتباع کی توفیق دے، لیکن ان کی دعا کیا ہوتی تھی کہ اے اللہ! اگر یہ حق ہے تو فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ جرأت اللہ کی شان میں دیکھیے، کہ پھر آسمان پر سے ہمارے اوپر پتھر برسا دے۔ یہ دعا کرنے کے لیے اللہ کے سامنے جس درجے کا تکبر چاہیے اور جس درجے کا عناد چاہیے وہ اس جملے سے واضح ہے کہ اے اللہ! اگر یہ حق ہے تو

ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسادے اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اور یا ہمیں دردناک عذاب دے دے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

یہاں تک ان کا اللہ کے دین سے منہ پھیرنا پہنچا کہ انہوں نے جانتے بوجھتے اللہ کے دربار میں ایسی جرأت کی اور کہا کہ اے اللہ! ہم پر آسمان سے پتھر برسادے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے والے نہیں جب کہ تو ان کے اندر موجود ہے، یعنی اے محمد ﷺ! جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں اور اپنی نبوت کی ذمہ داریاں نبھارہے ہیں، دعوت دے رہے ہیں۔ یہ اللہ کی سنت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے کام کرنے کی مہلت پوری ہونے سے قبل اور حجت تمام ہونے سے قبل عذاب اتار دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی ان کے درمیان موجودگی کے سبب ان پہ سے عذاب کو ٹالا اور وہ بدبخت اس کو نہیں پہچان سکے کہ ان سے جو عذاب رکا ہوا ہے وہ عین اسی ہستی کی وجہ سے رکا ہوا ہے جس کے وہ سب سے زیادہ مخالف ہیں، جس پہ وہ تھوکتے ہیں، جس کو وہ گالیاں دیتے ہیں، جس کی راہوں میں کانٹے بچھاتے ہیں، جس کو پتھر مارتے ہیں، وَاَنْتَ فِيْهِمْ، کہ جب تک وہ موجود ہے ان کے درمیان تب تک اللہ کا عذاب ان سے رکا ہوا اور ٹلا ہوا ہے۔

استغفار کا ثمرہ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دینے والے جب کہ یہ لوگ استغفار کر رہے ہیں۔

اس حوالے سے میری نگاہ سے مفسرین کے دو اقوال گزرے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ استغفار کر رہے ہیں سے مراد یا تو یہ ہے کہ یہ لوگ خود بھی دل میں جانتے تھے، اتنے متکبرانہ، جری اور کفریہ جملے بولنے کے بعد کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں، اور یہ جانتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے تو واقعی عذاب اتار دیں گے۔ تو سامنے سامنے اکڑ اپنی برقرار رکھتے اور ناک اونچی رکھنے کے لیے اس قسم کے جملے کہتے تھے گویا وہ سو فیصد حق پہ کھڑے ہوئے ہیں اور گویا ان سے زیادہ کوئی برحق ہے ہی نہیں تبھی اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں کہ عذاب اتر آئے آسمان سے اور پیچھے لوٹ کے استغفار کیا کرتے تھے اور اللہ سے معافی مانگا کرتے تھے اپنے اس قول پہ۔ تو ایک یہ تفسیر مفسرین نے بیان کی اور ایک تفسیر یہ بیان کی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب دینے والا نہیں جب تک کہ ان کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو استغفار کر رہے ہیں اور یہ اشارہ ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف کہ وہ اپنی قوم کی ان حرکتوں کو دیکھ کے اللہ سے استغفار کیا کرتے تھے اور اللہ کے عذاب سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ تو اللہ نے ان صالحین کی موجودگی اور ان اصحاب ایمان کی موجودگی کی وجہ سے اس قوم کے اوپر عمومی عذاب مسلط نہیں کیا۔ تو صالحین کی موجودگی کسی اجتماعیت کے اندر، کسی معاشرے کے اندر عذاب کے ٹلنے کا سبب ہوتی ہے۔ عموماً یہی ہوتا ہے کہ معاشرے کی اکثریت گمراہی کے رستے پر جارہی ہوتی ہے اور ان کو برا بھلا کہہ رہی ہوتی ہے، ان کو طعنوں سے نواز رہی ہوتی ہے لیکن معاشرہ نہیں جانتا کہ انہی صالحین کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان پر سے عذاب کو روکے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر ہلاکت اور بربادی نہیں مسلط کرتے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، ان میں ایسی کیا خوبی ہے یا ان میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں جب کہ یہ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ یہ آیات مدینہ میں نازل ہو رہی ہیں، اس وقت تک نبی کریم ﷺ مکہ والوں کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لا چکے تھے، جبکہ مخاطب آیات میں بنیادی طور پر ذکر مکہ والوں کا ہو رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اب کیونکر اللہ تعالیٰ ان سے عذاب روکے رکھے، اب کیوں نہ ان کے اوپر عذاب اترے جب کہ اللہ کے نبی بھی وہاں سے نکل آئے اور صحابہ بھی وہاں سے نکل آئے اور دوسری یہ بات کہ ان کے اپنے اندر تو پہلے بھی کوئی ایسی صفت تھی ہی نہیں کہ جس کی وجہ سے یہ عذاب سے بچتے۔ عذاب رکا ہوا تھا تو اس کی وجہ ان کے سوا تھی، وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی وجہ سے رکا ہوا تھا، اب جب نکل آئے ان میں سے وہ صالحین تو اب ان میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ اب انہیں اللہ تعالیٰ عذاب نہ دیں جب کہ یہ مسجد حرام سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو روک رہے ہیں اور مسلمانوں کو اس میں داخل نہیں ہونے دے رہے، وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ، اور یہ اس کے جائز متولی بھی نہیں ہیں، اس کے حق دار بھی نہیں ہیں کہ یہ مسجد حرام کی تولیت سنبھالیں اور یہ مسجد حرام کا انتظام کریں۔ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اس کے اولیا یا اس کے متولی یا اس کی ولایت کے مستحق تو صرف متقی لوگ ہیں۔ اللہ کی جو محترم ترین عبادت گاہ دنیا کے اندر موجود ہے اس کی تولیت کا کوئی حق دار بنتا ہے تو وہ متقی ہیں، وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن ان کی اکثریت اس بات کا علم نہیں رکھتی۔

تو پیارے بھائیو! اس دور میں بھی مسجد حرام کی تولیت ایک طویل عرصے تک، یعنی تقریباً بیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہے کہ جس میں دین موجود تھا، اللہ کے نبی موجود تھے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے لیکن مسجد حرام اللہ کے دشمنوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور آج ایک دفعہ پھر ایک اعتبار سے اس سے مشابہ صورت ہے۔ یعنی بعینہ وہ صورت تو نہیں لیکن اس سے مشابہ صورت موجود ہے کہ جو اپنے آپ کو خادم حرمین شریفین کہتا ہے وہ اللہ کے دین کا سب سے بڑا دشمن ہے، اس خطے کے اندر وہ سب سے بڑا طاغوت ہے اس سرزمین کے اوپر جس نے اللہ کے نبی ﷺ کی وصیت کی صریح مخالفت کرتے ہوئے اللہ کے دشمنوں کو، یہود و

نصاریٰ کی فوجوں کو وہاں گھسنے کا موقع دیا اور ان کو وہاں مراکز قائم کرنے کا موقع دیا۔ بلکہ دہائیوں سے جس خاندان نے یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے کہ امت کا تیل انتہائی سستے داموں، عملاً مفت بیچا جا رہا ہے اپنی ذاتی ملکیت کے طور پہ اللہ کے دشمنوں کو اور پورا مغربی اقتصاد، جس کے بل پہ وہ آج ہمیں دبا رہے ہیں، وہ اسی تیل کے سہارے چل رہا ہے یا کھڑا ہوا ہے۔ اور انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کی اس سرزمین کے اوپر یہود و نصاریٰ کی عورتوں کو ساحلی علاقوں میں فحش کاریاں کرنے کی اجازت دی ہے، بدکاری کے اڈے کھولنے کی اجازت دی اور عین اسی حرم کے اندر جہاں ایک جانور تک کے شکار سے منع کر دیا گیا وہاں اللہ کے محبوب بندوں کا، اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والوں کا ڈھونڈ ڈھونڈ کہ شکار کیا گیا، ان کا خون بہایا گیا، ان کے قتل کے فتاویٰ جاری کیے گئے علمائے سلاطین کی طرف سے۔

مسجد حرام کی تولیت حاصل کر لینا تقویٰ کا معیار نہیں

تو عزیز بھائیو! آج بھی جو لوگ واقعتاً اس کی تولیت کے حق دار ہیں وہی شاید وہاں نہیں جا سکتے، باقی دنیا کا ہر مجرم وہاں جا سکتا ہے، پرویز مشرف اس میں داخل ہو سکتا ہے اور قذافی جیسا بڑے سے بڑا طاغوت وہاں جا سکتا تھا لیکن اللہ سے ڈرنے والے اور اللہ کے رستے میں لڑنے والے، اللہ کے دین کی خاطر اپنی جانیں لگانے والے نہیں جا سکتے۔ یہ کوئی فضیلت کی چیز اس وقت مشرکین کے لیے نہیں تھی جب وہ اس دور میں قابض تھے، فضل سارے کا سارا اللہ کا اپنے نبی ﷺ کی جماعت سے جڑے رہنے کے اوپر تھا اور جو ان سے جڑا رہا، چاہے وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکا سالوں تک، چاہے مسجد حرام کی تولیت اس کے ہاتھوں میں نہیں آ سکی، اس کی افضلیت اپنی جگہ برقرار رہی۔ اسی طرح آج بھی یہی کیفیت ہے کہ وہ خود کو خادم حرمین شریفین کہلوائے اور قرآن کے نسخے پرنٹ کروا کروا کر اس کے اوپر اپنا نام لکھے، اس سے اس کا کفر وارتداد درست نہیں ہو سکتا اور اس سے اللہ کے ہاں اس کی بخشش نہیں ہو سکتی، الا یہ کہ وہ توبہ کرے اور جس باب سے دین سے خارج ہوا ہے اسی باب سے دین میں دوبارہ داخل ہو۔ اور نہ یہ مجاہدین کی اللہ کے یہاں قبولیت میں کوئی کمی ہونے کی نشانی ہے کہ مجاہدین اس سرزمین کا آزادانہ رخ نہیں کر سکتے۔ ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں کہ جس طرح فتح مکہ کے دن مسلمان داخل ہوئے اور کوئی ان کو نہیں روک سکا مکہ میں داخل ہونے سے اور انہوں نے اللہ کے گھر کو آزاد کروایا تو اسی طرح وہ دن دور نہیں ہے کہ ایک دفعہ پھر اللہ کے صالح بندے جو ہیں وہ اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے وہاں عزت کے ساتھ داخل ہوں گے اور اللہ کے دشمن وہاں ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ وہ دن اور قریب لے آئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی آنکھوں سے وہ سعادت دیکھنے کی توفیق دے۔

سبحانک اللھم و بحمدک ونشھد ان لا الہ الا انت نستغفرک و نتوب الیک و صلی اللہ علی النبی

☆☆☆☆☆

ماہِ شوال و ذوالقعدہ میں پیش آنے والے تاریخی واقعات

- شوال ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا۔
- شوال ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔
- شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین ہوا۔
- ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔
- شوال میں حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ شہید ہوئے۔
- ذوالقعدہ ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔
- ۸ ذوالقعدہ کو مسلمانوں پر حج فرض ہوا۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں پانچ عمرے ادا کیے، جن میں سے چار ماہِ ذوالقعدہ میں تھے۔
- ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ میں معرکہ بالاکوٹ پیش آیا۔ جس میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقاء سمیت شہید ہو گئے۔
- ذوالقعدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینے کے لیے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔
- ذوالقعدہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے بیت اللہ کی بنیاد رکھی۔

مسلم روح

عمارہ رشید

غنڈہ ٹائپ لڑکوں نے عبد اللہ اور اس کے چھوٹے بچوں کو گھیر لیا۔ عبد اللہ نہتا بھی تھا اور کمزور بھی۔ بے بس بھی تھا اور تہی دامن بھی۔ ان غنڈوں کی تعداد اتنی زیادہ تو نہیں تھی، مگر ان کے پاس اسلحہ تھا۔ انہوں نے عبد اللہ اور اس کے بچوں کو بہت مارا۔ ایک ننھے سے بچے نے عبد اللہ کے ہاتھوں میں آخری سسکیاں لیں، وہ رو دیا اور چیخ پڑا:

”میرے بھائیو! میری مدد کو آؤ، کیا میرے بچے تمہارے بچے نہیں ہیں؟ میرے بھائیو! کیا تم تعداد میں ان غنڈوں سے زیادہ نہیں ہو؟ دیکھو! میرے بچے زخموں سے چور ہیں، دم توڑ رہے ہیں۔“

وہ کہتا رہا۔ مگر اس کے بھائیوں سے کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آیا، حالانکہ عبد اللہ کے سب بھائیوں کے گھر قریب تھے۔ بیشتر کے گھروں میں انٹرنیٹ تھا، لہٰذا دروازے بند رہتے اور وہ دن رات اسی میں غرق اور مست رہتے۔ انہیں اس سے زیادہ کسی کا ہوش نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ کہیں کسی بھائی کو ہماری مدد کی ضرورت تو نہیں، کہیں کسی پر کوئی افتاد تو نہیں، اس سے کسی بھائی کو کوئی مطلب نہیں تھا۔

عبد اللہ روتا ہوا اپنے بچوں کے ساتھ اپنے گھر کو لوٹ گیا۔ اس حال میں کہ ایک مردہ بچہ اس نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں تھی۔ اکثر ہی یہ ہونے لگا تھا۔ وہ غنڈے اسی گلی میں رہتے تھے اور جب چاہتے، جسے چاہتے، مار پیٹ کرتے۔ باقی لوگ اپنے ناچ گانوں میں اتنے بدمست ہوتے کہ ہاتھ سے روکنا تو دور کی بات، احتجاج کرنے والوں کو بھی منع کر دیتے۔

اس روز عبد اللہ سے چھوٹا بھائی یوسف اپنے گھر سے نکلا۔ غنڈے اسے دیکھ کر مسکرائے، پھر اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یوسف مدد کے لیے پکارتا رہا مگر کوئی نہ آیا۔ انہوں نے یوسف کو مار کر وہیں پھینک دیا اور قہقہے لگاتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

عبد اللہ اور یوسف کے بڑے بھائی اتفاق سے اس وقت کھڑکی میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل میں ایک لمحہ کے لیے مدد کا جذبہ جاگا مگر اگلے ہی لمحے انہیں حال ہی میں ریلیز ہونے والی فلم کا خیال آگیا جو وہ دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا وہ مدد کو نہ پہنچ پائے۔

اور پھر آئے دن یہی ہونے لگا۔ عبد اللہ لہولہان ہو گیا، اس کے معصوم بچے آئے دن ظلم و ستم کا شکار ہونے لگے، وہ روتا رہا، گڑگڑاتا رہا، اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرنے لگا۔

ایک دن روتے روتے اسے اونگھ سی آگئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی آہستہ کھڑکی کے راستے داخل ہوا ہو، کوئی بزرگ آدمی۔

”آپ کون ہیں بابا جی؟“

اس نے پوچھا: ”کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟ میں بہت ستم رسیدہ ہوں بابا!“

بزرگ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے:

”میرے بچے اس وقت تمہاری مثال ایسی ہے جیسے فلسطین۔ فلسطینی اپنے ننھے ننھے بچوں کی لاشیں سمیٹ رہے ہیں، فلسطین کے بہت سارے مسلمان بہن بھائی ہیں۔ جیسا کہ تمہارے ہیں مگر کوئی آگے بڑھنے کو تیار نہیں۔ غزہ میں قتل عام پر ۵۷ مسلم ممالک کے سربراہ خاموش ہیں۔

زندگی سے محبت اور موت کا خوف، اسی کو ہمارے نبی ﷺ نے ’وہن‘ کی بیماری کہا ہے کہ جب یہ بیماری مسلمانوں میں پھیل جائے گی تو تعداد میں کثیر ہونے کے باوجود ان کی حیثیت سمندر کی جھاگ کی طرح ہوگی۔ کفار ان پر اس طرح ٹوٹ پڑیں جیسے بھوکے دستر خوان پر۔ آج پورے عالمِ اسلام میں یہی صورتِ حال ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے، لیکن کافر ان پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، ہر ایک نوچ رہا ہے، بھنبھوڑ رہا ہے، خون چوس رہا ہے۔“

عبد اللہ خاموشی سے سنتا رہا۔

”تمہارے بھائی بھی ان غنڈوں کے مقابلے میں تمہاری یا یوسف کی مدد پر قادر ہیں۔ مگر سب اپنی زندگی میں، عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ غنڈے صلیبی لشکر کی طرح دندناتے پھرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ آج بھی ہر ایک تسلیم کرتا ہے کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، موت آکے رہے گی، مگر پھر بھی زندہ رہنے کی آرزو میں مرے جاتے ہیں۔ چند روزہ زندگی کے لیے ایمان کا سودا کر بیٹھے ہیں۔“ بابا کہہ رہے تھے۔

”میرے! مم میرے تو بہت سارے بھائی ہیں، مم مگر!“ عبد اللہ کہہ نہ پایا۔

”ہاں! تمہارے بہت سارے بھائی ہیں۔ مگر ان میں سے ایک بھی بہادر نہیں۔“

”کیا میرا ہمیشہ یہی حال رہے گا بابا؟“

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۷ پر)

الشوک والقرنفل

کانٹے اور پھول ۴

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تا کہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

ساتویں فصل

میرے بھائی محمود کے میٹرک کے امتحانات سے چند ہفتے قبل گھر میں ہنگامی حالت کا اعلان کیا گیا تھا، جب بھی ہم میں سے کوئی اپنی آواز بلند کرتا، میری ماں چلا کر کہتیں کہ شور نہ مچاؤ اور اپنے بھائی محمود کے لیے سکون فراہم کرو، کیونکہ چند دنوں بعد اس کا میٹرک کا امتحان ہے، اگر ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتا، تو میری ماں چیختیں، اگر ہم میں سے کسی کی کوئی چیز گر جاتی، اگر ہم میں سے کوئی دوسرے کو دھکا دیتا یا چھیڑتا، جیسے کہ ہماری عادت تھی، جب ہم رات کو کپڑے دھونے کے طشت کے ارد گرد بیٹھ کر پڑھتے تھے، تو اسے اپنی حصے کی چپت یا کان مروڑنے کی سزا ملتی، ہم سب کو محمود کی پڑھائی کے لیے سکون فراہم کرنا ہوتا تھا اور اگر ہم میں سے کوئی دوسرے کو پھنسانا چاہتا تا کہ ماں سے مار کھائے، تو وہ چپکے چپکے اس کے سامنے مضحکہ خیز چہرے بناتا اور اکثر میری بہن اس میں پھنس جاتی کیونکہ وہ ہنسے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، وہ اپنی ہنسی کو روکتی جتنی ممکن ہوتی، لیکن جب ہم ان مضحکہ خیز حرکات کو جاری رکھتے تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑتی اور ماں سے کئی چپتیں کھاتی، جو عام طور پر وجہ کی گہرائی میں نہیں جاتی تھیں اور اصل ذمہ دار کو نہیں پکڑتی تھیں۔

ہم نے اپنے سالانہ امتحانات مکمل کر لیے، لیکن محمود پڑھتا رہا کیونکہ میٹرک کے امتحانات ہمارے امتحانات کے تقریباً ایک ماہ بعد ہوتے تھے اور ہمارے امتحانات ختم ہونے کے باوجود ہنگامی حالت برقرار رہی، ہم محمود کے امتحانات کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے، جیسے ہم قبضے کے خاتمے کا انتظار کر رہے ہوں، میٹرک کے امتحانات کے آخری دن جب محمود اسکول سے واپس آیا، تو ہم نے اس کا استقبال ایک زبردست پارٹی سے کیا، جو ایک بھائی کو اس کی واپسی پر دی جا سکتی ہے، ہم نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی جو تقریباً دو ماہ تک ہم نے دبائے رکھی تھی، گھر شور اور چیخوں سے بھر گیا، ہم سب لڑکے اور لڑکیاں محمود پر ٹوٹ پڑے، اسے مارنے، لاتیں مارنے اور چٹکی کاٹنے لگے، میری ماں ہمیں دیکھ رہی تھیں، کوشش کر رہی تھیں کہ سنجیدہ رہیں اور چلا رہی تھیں کہ اپنے بھائی کو چھوڑ دو، لیکن وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ چھپانے میں ناکام رہیں، جب ہم نے محمود کو چھوڑا تو ہم سب، محمود سمیت، ماں پر ٹوٹ پڑے، ان کے سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے، جبکہ وہ غیر سنجیدگی سے ہم سے بچنے کی کوشش کر رہی تھیں اور اپنی ہنسی کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

ہمارے نتائج کا اعلان ہوا اور ہم سب پاس ہو گئے، سوائے میرے چچازاد حسن کے، جو دسویں جماعت میں ناکام ہو گیا، ہمیں اب محمود کے میٹرک کے نتائج کا انتظار کرنا تھا، نتائج کے اعلان کے دن، ہنگامی حالت کا دوبارہ اعلان کیا گیا، ایک اور شدید ہنگامی صورتحال اس دن تک جاری رہی جب تک محمود واپس نہ آیا، اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، دروازہ کھولتے ہی اس نے پہلی بات کہی: ''امی ۹۲''۔ میری ماں کے گال پر ایک آنسو تیزی سے بہہ گیا اور پھر ان کی خوشی سے چیخ نکل گئی، ہم نے دوبارہ پرجوش جشن منایا کیونکہ محمود کی کامیابی ہم سب کی کامیابی تھی، جس میں ہم سب نے اپنا حصہ ڈالا تھا، میری ماں کچن میں گئیں، حلبہ ابالنے لگیں، اور اس کے پانی کے ساتھ آٹا اور چینی ملا کر حلبہ کی مٹھائی تیار کرنے لگیں تا کہ محمود اسے محلے کی بھٹی میں لے جا کر پکا سکے، جب وہ واپس آیا، تو ہم نے انتظار نہیں کیا کہ ماں اسے باورچی خانے سے لائے ہوئے برتنوں میں ڈالیں، ہم نے ہر طرف سے اسے لقمہ لقمہ کیا، وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھیں جیسے کہ کسی کو مارنے والی ہو، مگر کسی کو نہیں مارا پھر بھی، وہ پھر بھی کئی پلیٹیں اٹھانے میں کامیاب ہو گئیں اور جو ملنے اور مبارکباد دینے آتے، ان کو پیش کرتیں۔

میرے دادا شدید بیمار ہو گئے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ہمیں چھوڑنے والے ہیں، وہ کم ہی اپنے کمرے سے باہر نکلتے تھے، جمعہ کے علاوہ مسجد نہیں جاتے تھے، اور محلے کے معروف میدان میں روزانہ ہونے والے اجلاس میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ حسن کے فیل ہونے سے ان کی فکر اور بیماری میں اضافہ ہوا اور وہ ہماری تقریبات میں شامل ہونے کی خواہش نہیں رکھتے تھے، پھر بھی ہم سب ان کے پاس جمع ہوئے اور پہلی رات ان کے ساتھ گزارنے کی کوشش کی، انہیں ہنسانے اور ان کا دل بہلانے کی کوشش کی، محمود کو اپنی ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پورے سال کی چھٹی کا انتظار کرنا تھا تا کہ وہ مصری یونیورسٹیوں میں داخلہ لے سکے۔ یہ وقت اس کے لیے پیسے جمع کرنے کا بہترین موقع تھا، جو اس کے مصر جانے پر کام آنے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں مقبوضہ زمین میں کام کرنے کا خیال بالکل مسترد کر دیا گیا تھا، اس لیے اسے اپنے ماموں کے

کارخانے میں کام جاری رکھنا تھا اور کوئی اضافی کام تلاش کرنا تھا تا کہ وہ یہاں وہاں سے کچھ پیسے جمع کر سکے، محمود اور میری ماں نے طویل غور و فکر کیا، اور آخر کار انہوں نے فیصلہ کیا کہ محمود ماموں کے کارخانے میں کام چھوڑ دے اور اس کی جگہ میرا بھائی محمد لے لے، تا کہ میرے بھائی حسن اور محمد دونوں ماموں کے کارخانے میں کام کریں اور محمود زیادہ سنجیدہ اور بہتر کمائی والے کام میں مصروف ہو جائے۔

انہوں نے ایسا کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا جس میں زیادہ سرمایہ نہ لگے، محمود نے اپنے علاقے میں سبزیوں کا ایک سٹال لگانے کا فیصلہ کیا، جس میں صرف چند لیرات کی ضرورت تھی اور وہ تھوڑی سی کمائی کر سکتا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بچت کر کے معقول رقم جمع کر سکتا تھا۔ میری ماں صبح سویرے محمود کو بیدار کرتیں اور کرفیو ختم ہونے کا اعلان ہوتے ہی وہ شہر کے ہول سیل بازار کی طرف جاتا، جہاں وہ تین یا چار لیرات کے ساتھ دستیاب سبزیاں خریدتا، وہ اپنی ریڑھی پر سبزیاں سجاتا اور بیچنے لگتا، دوپہر کے وقت، جو سبزیاں بچ جاتیں، وہ گھر لے آتا اور والدہ ان کا استعمال گھر میں کرتی، ہر روز وہ اپنی کمائی میں سے بیس پیسے یا چوتھائی لیرہ بچا کر رکھتا، دن کے وقت کرفیو کا نفاذ بار بار ہوتا رہتا، لیکن چونکہ محلے والوں کو محمود کی سبزیوں کی ضرورت ہوتی تھی، کرفیو کے باوجود بھی اس کی کوئی سبزی خراب نہیں ہوتی تھی، وہ اپنی ریڑھی گھر لے آتا اور محلے کی گلیوں میں جا کر جو بھی سبزی درکار ہوتی، وہ پہنچا دیتا، قابض فوج کے سپاہی محلے میں داخل ہونے سے ڈرتے تھے کیونکہ وہاں مزاحمتی لوگوں کے حملوں کا خوف ہوتا تھا۔

مزاحمت اور فدائی کارروائیوں کی وجہ سے فوجی کمانڈروں کو احساس ہونے لگا کہ کیمپوں کی تنگ گلیوں میں کارروائی کرنا مشکل ہے، اسی لیے انہوں نے سوچا کہ کیمپوں کو چوڑی سڑکوں سے تقسیم کیا جائے تا کہ ان کا کنٹرول اور تلاشی آسان ہو سکے، ایک دن کرفیو نافذ ہوا اور بڑی تعداد میں فوجی جیسے نیا قبضہ کرنے آ گئے ہوں، کچھ فوجیوں کے پاس لال رنگ کے پینٹ کی بالٹیاں اور برش تھے وہ کچھ گھروں کی دیواروں پر بڑے لال کراس کے نشان بناتے، کچھ دیواروں پر عمودی لکیریں کھینچتے اور پھر کچھ گھروں پر چھوٹے کراس کے نشان بناتے، ہر نشان کے بعد متعلقہ گھر کے مالک کو نوٹس دیا جاتا کہ جن گھروں پر بڑے کراس ہیں، انہیں مکمل طور پر گرا دیا جائے گا، جن گھروں پر عمودی لکیریں اور چھوٹے کراس ہیں، ان کے کچھ حصے گرائے جائیں گے، ہر نوٹس کے بعد چیخ و پکار اور گالیاں شروع ہو جاتیں۔ یہ لوگ اپنے بچوں، بیٹیوں اور بیویوں کو لے کر کہاں جائیں گے؟ وہ دوبارہ سڑک پر آ جائیں گے۔

خوش قسمتی سے ہمارے گھر پر کوئی نشان نہیں لگا، اس لیے ہمارا گھر بچ گیا، اب ہمارا گھر تنگ گلی کے بجائے چوڑی سڑک پر ہوگا، ہمارے پڑوسی کا گھر مکمل طور پر گرایا جائے گا، یہ خاص طور پر میرے بھائی محمود کے لیے خوش قسمتی تھی، کیونکہ اگر ہمارا گھر یا اس کا کوئی حصہ منہدم ہو جاتا تو مصر میں تعلیم کے لیے محمود کی ساری جمع پونجی صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے کافی نہ ہوتی اور اس کے لیے ممکن نہ ہوتا کہ وہ غزہ چھوڑ کر ہمیں سڑک پر چھوڑ دے، لیکن اللہ اسے اور میری غریب ماں کو پسند کرتا ہے جیسا کہ میں نے ان دونوں کو بات کرتے ہوئے سنا، چند دن بعد بلڈوزر اور بڑی فوج آئی اور انہوں نے اعلان کیا کہ ان گھروں کو خالی کر دیا جائے جو منہدم کیے جائیں گے۔ بلڈوزر نے گھروں کو اس طرح پیسا جیسے کوئی دیو اپنے شکار کی ہڈیاں پیستا ہے، اور اس سے سینکڑوں مردوں، عورتوں اور بچوں کے دل ٹوٹ گئے جو ایک بار پھر خود کو سڑک پر بے یار و مددگار پاتے تھے۔

بلڈوزر کیمپ میں آتا جاتا رہا اور ہر بار کسی نہ کسی مرد کا دل ٹوٹ جاتا یا کوئی عورت اپنے بال نوچنے اور اپنے گالوں پر تھپڑ مارنے کے بعد گر جاتی، یا کسی مرد کو فوجیوں نے بری طرح مارا پیٹا جب اس نے اپنے جسم کو بلڈوزر کے سامنے رکھ کر اسے اپنے بچوں اور بیٹیوں کو پناہ دینے والی چھت کو منہدم کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ شام تک سینکڑوں ایسے دوبارہ کھل گئے تھے اور لوگوں نے اپنے زخموں کو بھرنا تھا، میرے چچا کا گھر شادی کے بعد سے خالی تھا کیونکہ میرے چچا کے بیٹے حسن اور ابراہیم میرے دادا کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہتے تھے، لہٰذا میری ماں نے ہمارے دو پڑوسی خاندانوں کو عارضی طور پر وہاں رہنے کی اجازت دی جب تک کہ وہ اپنے معاملات کو ٹھیک نہ کر لیں اور شکر گزاری اور تعریف کے الفاظ کی کوئی کمی نہ رہی جو ہمیں موصول ہوئے۔ اگلے دن ریڈ کراس کے نمائندے آئے تا کہ حالات کا جائزہ لیں اور حقائق کو ریکارڈ کریں، اس کے اگلے دن UNRWA کے ہاؤسنگ سیکشن کے اہلکار آئے، انہوں نے معلومات جمع کیں اور لوگوں کو بتایا کہ انہیں نئے گھروں میں آباد کیا جائے گا جو ایجنسی دوسرے علاقوں میں بنا رہی ہے۔ یہ خبر لوگوں کے لیے آسمان سے نازل ہونے والی ایک کشادگی تھی، لوگوں نے بہت سے سوالات پوچھنے شروع کر دیے کہ کب ہم منتقل ہوں گے؟ کہاں؟ کیسے؟ وغیرہ اور ملازمین کے پاس واضح جوابات نہیں تھے۔ لیکن پہلے مہینے کے دوران ہی خاندانوں نے اپنے نئے گھروں میں منتقل ہونا شروع کر دیا جو غزہ کے علاقے میں یا العریش شہر میں تعمیر کیے گئے تھے، جہاں اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں پورے سینا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس دوران وہ دونوں خاندان بھی چلے گئے جو میرے چچا کے گھر میں رہ رہے تھے اور ہر خاندان کو ایک نیا گھر ملا۔ ۱۹۴۸ء میں مقبوضہ ہونے والے علاقوں میں کام کے مواقع نے لوگوں میں بڑی ہلچل مچا دی، لیکن اپنے بچوں کی بھوک مٹانے اور ان کی عزت کی حفاظت کے لیے معقول گھروں میں رہائش کی اشد ضرورت نے لوگوں کو ان علاقوں میں کام کرنے پر مجبور کر دیا۔

تعلیم، دوا اور مہنگائی کی ضروریات اس کام کی مخالفت کرنے والے تمام اعتراضات سے زیادہ مضبوط تھیں، لہٰذا زندگی کی روانی نے زندگی کو جاری رکھنے اور اس کی سطح کو بہتر بنانے کی خواہش کو زندہ کر دیا اور والدین کی کوشش کہ اپنے بچوں کی زندگی اور مستقبل کو یقینی بنائیں، اس روانی کو تدریجاً بڑھنے دیا یہاں تک کہ یہ ایک معمول بن گیا، اور فدائیوں کے لیے اسے روکنا یا بند کرنا ممکن نہ تھا۔

سڑکوں کی کھدائی اور اندر کام کے مواقع کھلنے کے بعد، اور قابضین کی انٹیلی جنس اور فوج کی جانب سے مزاحمت پر جاری جنگ کے باوجود، یہ واضح ہو گیا کہ وہ کچھ ریلیف محسوس کرنے لگے ہیں۔ صبح کے وقت کرفیو ہٹانا عام ہو گیا تا کہ مزدور جلدی نکل کر اپنے کام پر وقت پر پہنچ سکیں، جو کہ مغربی کنارے اور غزہ سے حیفا، یافا وغیرہ میں کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد ممکن ہوتا تھا۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ جن خاندانوں کے سربراہ اندرون ملک کام کرتے تھے ان کی زندگی کا معیار بتدریج بہتر ہونے لگا، اور کچھ ہی عرصے میں یہ آدمی اپنے گھر کی چھت کو ٹائلوں سے بدل کر لوہے کی چادروں سے ڈھانپنے لگے، کوئی اپنی دیوار کو اونچا کرنے لگا، کسی نے اپنے گھر کے لیے مضبوط دروازہ لگایا، کسی نے سیمنٹ کا تھیلا اور سمندر کی کھردری ریت خریدی اور ایک مزدور کو بلا کر اپنے گھر کی زمین کو پختہ کرایا۔ اس طرح ہمارے اردگرد کے مکانات دوبارہ ترقی کرنے لگے اور ان کا معیار بلند ہونے لگا، جب کہ ہمارا گھر ویسے ہی رہا۔ جنگ سے قبل یہ محلے کے بہترین گھروں میں سے ایک تھا، مگر اب اس کی حالت دوسرے گھروں کی ترقی کے مقابلے میں پیچھے رہ گئی تھی۔

وہ پڑوسی جن کے پاس گھر کی تعمیر میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کرنے کے وسائل نہیں تھے، انہوں نے بڑی بڑی پلاسٹک کی چادریں خرید کر انہیں چھت پر بچھا دیا، پھر ان کے کناروں کو موڑ کر لکڑی کے ٹکڑوں سے کیلوں کے ذریعے باندھ دیا، ہر کیل پلاسٹک کی چادر کے دونوں اطراف میں باندھا گیا تا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے، اس طرح کی چادریں پلاسٹک پر وزن ڈال کر اسے حرکت سے روک دیتی ہیں اور گرنے سے بچاتی ہیں، اس منصوبے کی لاگت زیادہ نہیں تھی اور یہ بارش کے پانی کے کمرے میں رسنے اور بستر پر گرنے کے مسئلے کا مناسب حل تھا، جس کی وجہ سے ہمیں سونے کے دوران اپنے بستروں کے درمیان برتن رکھنے پڑتے تھے تا کہ قطرے ان میں جمع ہو سکیں۔ جب میری ماں نے اس مسئلے پر میرے بھائی محمود سے مشورہ کیا اور اس کی لاگت معلوم کی، تو انہوں نے چھت پر پلاسٹک ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ محمود نے پلاسٹک، لکڑی کے ٹکڑے اور کیلیں خریدیں، اور ایک پڑوسی سے ہتھوڑا اور سیڑھی ادھار لی، میرے دونوں بھائی حسن اور محمد نے اس کام میں مدد کی۔ چھت پر پلاسٹک ڈالنا ہماری زندگی میں ایک حیران کن تبدیلی تھی، خاص طور پر سردیوں میں، ہم پانی کے رسنے اور برتنوں میں گرنے والی بوندوں کی آواز سے نجات پا گئے اور ہماری نیند پر سکون ہو گئی۔

جب میں تیسری جماعت میں پہنچا تو عموماً ہوتا یہ تھا کہ ایجنسی کے کلینک کا ڈاکٹر کبھی کبھار اسکول کا دورہ کرتا اور کلاسوں کا جائزہ لیتا، طالب علموں کی صحت کا معائنہ کرتا اور جسے واضح طور پر غذائی قلت اور جسمانی کمزوری نظر آتی، اس کا نام نوٹ کر لیتا۔ چند دنوں بعد ان طالب علموں کو 'کرونا' کے طور پر ایک کارڈ دیا جاتا جو انہیں پناہ گزینوں کے کیمپ میں موجود ایجنسی کے مرکز صحت میں ایک بار کھانے کی اجازت دیتا۔ اس بار ڈاکٹر آیا اور اسکول کا دورہ کیا، جب وہ ہماری کلاس میں داخل ہوا تو اس نے میرا نام پوچھا اور نوٹ کر لیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ چند دنوں میں مجھے کھانے کا کارڈ ملے گا۔ جب میں نے وہ کارڈ حاصل کیا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، ایسا لگا جیسے میرا سر چھت سے جا لگا ہو۔ میں کارڈ لے کر گھر واپس آیا اور اپنے بہن بھائیوں کو خوشخبری دی، فاطمہ کو بہت غصہ آیا اور وہ مجھ سے کارڈ چھیننے کی کوشش کرنے لگی اور چیخنے لگی کہ ہم غریب نہیں ہیں۔ میں نے مدد کے لیے اپنی ماں کو پکارا، جنہوں نے فاطمہ کو بلایا اور اسے سمجھایا کہ کارڈ لینے میں کوئی عیب نہیں ہے، ہم پناہ گزین ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ بچوں میں سے کسی کو کھانے کا کارڈ مل جائے، ہم ویسے بھی ایجنسی کے سہارے زندگی گزار رہے ہیں، گھر ایجنسی کا ہے، اسکول ایجنسی کے ہیں، صحت کی سہولتیں ایجنسی فراہم کرتی ہے، جب لوگوں کے گھر تباہ ہو گئے تو انہیں دوبارہ کس نے آباد کیا؟ ایجنسی نے۔ اس پر فاطمہ مجبوراً خاموش ہو گئی، مگر یہ بات اس کی مرضی کے خلاف اور بغیر قائل ہوئے ہوئی۔

ہر روز کلاسوں کے دوران یا ان کے ختم ہونے کے بعد، سینکڑوں بچے اور بچیاں کھانے کے مرکز کی طرف دوڑتے، ہم ایک لمبی قطار میں کھڑے ہوتے اور اندر جانے کے لیے دھکم پیل، مداخلت اور لڑائی جھگڑے کرتے، کھانے کے مرکز کے اندر جاتے تو وہاں خاموش رہنا پڑتا کیونکہ کھانے کے مرکز کا انچارج میز کے پیچھے بیٹھا ہوتا۔ وہ ہر ایک سے اس کا کارڈ لیتا، اس پر آج کی تاریخ درج کرتا، اسے واپس کرتا اور ایک چھوٹی روٹی دیتا، پھر ایک اور کارکن ہمیں ایک پلیٹ دیتا جس میں مختلف قسم کے کھانے ہوتے، تین یا چار اقسام جن میں پھل یا مہلبیہ[1] بھی شامل ہوتی، ہم وہ کھانا لے کر ہال میں جاتے جہاں میزیں اور کرسیوں پر بیٹھ کر وہ لذیذ کھانا کھاتے، پھر پلیٹ لے کر اسے کچن کی کھڑکی سے پھینک دیتے تا کہ وہ اسے دھو سکیں اور ہم باہر نکل جاتے۔ باہر کے دروازے پر ایک کارکن یا کارکنہ کھڑے ہو کر یہ دیکھتے کہ کہیں ہم کھانا چھپا کر تو نہیں لے جا رہے ہیں، کیونکہ وہ کھانا ہمارے لیے صحت کی بنیاد پر مخصوص ہوتا تھا، اگر کسی کو پکڑ لیا جاتا تو اس سے کھانا لے کر کچرے کے ڈبے میں ڈال دیا جاتا تا کہ وہ سیکھ سکے کہ اپنا کھانا اندر ہی کھانا ہے۔

میرا چچازاد بھائی ابراہیم میرا سب سے عزیز دوست تھا اور ہم ہمیشہ ساتھ ہوتے تھے، ایک روز منگل کے دن ہم نے طے کیا کہ میں اس کے لیے آدھی روٹی میں کفتہ بھر کر دوں گا کیونکہ منگل کا دن کفتہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، میں اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا نائلون کا تھیلا لے کر گیا، میں میز پر بیٹھا تھا اور ابراہیم دروازے کے قریب میرا انتظار کر رہا تھا، میں نے آہستگی اور بڑی

[1] مہلبیہ ایک مشہور مشرقی میٹھا ہے جو عرب ممالک، ترکی، ایران اور برصغیر پاک و ہند میں بنایا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کی دودھ کی کھیر ہے جو عام طور پر دودھ، چینی، چاول کا آٹا یا کارن فلور اور خوشبودار اجزاء جیسے کہ عرق گلاب یا الائچی کے ساتھ تیار کی جاتی ہے۔

احتیاط سے اپنی آدھی کفتہ کے حصے کو آدھی روٹی میں بھر کر نائلون کے تھیلے میں ڈال دیا اور اسے اپنی پتلون میں چھپالیا، باقی کھانا کھا کر میں نے پتلون کا جائزہ لیا تاکہ تلاشی کے دوران کچھ ظاہر نہ ہو، میں نے پلیٹ کو باورچی خانے کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور مؤدب بچے کی طرح تلاشی کے لیے دروازے پر کھڑی مس عائشہ کے پاس پہنچ گیا، میں نے اپنے ہاتھ سر کے اوپر اٹھا دیے، انہوں نے جلدی سے میری تلاشی لی اور میں باہر نکل گیا، میں نے ابراہیم کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا اور پتلون میں ہاتھ ڈال کر آدھی روٹی نکالنے لگا، جیسے ہی روٹی میرے ہاتھ میں آئی، میں نے دیکھا کہ قریباً تیس بچوں کا ایک گروہ، جو ایک قریبی علاقے میں رہتا تھا اور جنہیں ہم ان کی زیادہ مشکلات کی وجہ سے ہیکسوس کہتے تھے، میری طرف بڑھ آیا، وہ میری روٹی چھیننے کی کوشش کر رہے تھے، میں نے اپنی پوری قوت سے دوڑنا شروع کر دیا اور کافی دور دوڑنے کے بعد مجھے لگا کہ میں ان سے دور ہو گیا ہوں، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تاکہ یہ یقین کر سکوں کہ وہ رک گئے ہیں یا واپس چلے گئے ہیں، لیکن جیسے ہی میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ایک بڑا پتھر کسی نے میری آنکھ پر مار دیا، میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور آدھی روٹی میرے ہاتھ سے گر کر مٹی میں مل گئی، میں نے اسے اٹھانے کے لئے جھکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ میں نے کارڈ کو پکڑا اور امی امی چیختے ہوئے گھر کی طرف دوڑنے لگا، میں نے ایک لمبا فاصلہ طے کیا اور اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھ کر گھر پہنچا، میری ماں نے خوف سے چیخ ماری اور میری آنکھ سے ہاتھ اٹھا کر دیکھا کہ کیا ہوا ہے، چیخ کر بولی: افسوس، بچے کی آنکھ گئی۔

اس نے اپنا دوپٹہ لیا اور مجھے کبھی گود میں اٹھا کر اور کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ایجنسی کی کلینک کی طرف دوڑ پڑی، بڑی مشقت اور تکلیف کے بعد ہم کلینک پہنچے اور آنکھوں کے علاج کے کمرے میں داخل ہوئے جہاں ایک ماہر نرس موجود تھی۔ جب ہم پہنچے تو انہوں نے میری ماں سے کلینک کا کارڈ (راشن کارڈ) مانگا جسے دکھائے بغیر کسی کا علاج نہیں کیا جاتا اور کچھ معمول کی کارروائیاں کرتے ہیں۔ لیکن میری ماں فکر اور خوف کی وجہ سے وہ کارڈ ساتھ لینا بھول گئی تھی، انہوں نے بہت منتیں کیں اور کوشش کی مگر بے سود، انہوں نے کہا کہ راشن کارڈ لے کر آؤ، بغیر اس کے بچے کا علاج نہیں ہو سکتا۔ میری ماں نے مجھے آنکھوں کے کلینک کے سامنے لکڑی کے بینچ پر بٹھا دیا اور کارڈ لانے کے لیے دوڑ پڑی تاکہ کلینک بند ہونے سے پہلے واپس آ سکے۔

جب نرس کو یقین ہو گیا کہ وہ واقعی کارڈ لینے گئی ہے، تو اس نے مجھے بلایا اور کرسی پر بٹھا دیا اور میری آنکھوں کا معائنہ شروع کر دیا، اس نے میری آنکھ پر ایک موٹا کپڑا (پٹی) رکھ دیا اور اسے چپکا دیا، میں اپنی ماں کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا، میری ماں واپس آئی تو وہ ہانپ رہی تھی اور لمبے فاصلے تک چلنے کی وجہ سے تھکی ہوئی تھی، انہوں نے رجسٹریشن کی تمام کارروائیاں مکمل کر لیں اور نرس سے میری آنکھ کے بارے میں تسلی کر لی کہ وہ ٹھیک ہے، پھر میری ماں نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم گھر واپس آ گئے۔

میرا مسئلہ اور میری ماں کا مسئلہ اس وقت صرف میری آنکھ کی چوٹ نہیں تھی بلکہ یہ تھا کہ میری بہن فاطمہ نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور کھانے کا کارڈ پھاڑ دیا۔ اس طرح جیسے اس نے میری دوسری آنکھ پھوڑ دی ہو کیونکہ اس نے مجھے کھانے سے محروم کر دیا تھا۔ ہماری مالی حالت اس دور میں درمیانی تھی، کچھ لوگ ہم سے آگے بڑھ گئے تھے کیونکہ ان کے خاندان کے سربراہ مقبوضہ زمینوں میں کام کرتے تھے، اور کچھ لوگ ہم سے بہت پیچھے تھے، جیسے ہماری پڑوسن ام العبد کی فیملی۔ وہ چار بیٹوں اور تین بیٹیوں کی ماں تھی اور ان کا کوئی کفیل نہیں تھا، ان کے شوہر ۱۹۶۷ء میں شہید ہو گئے تھے اور اپنے بچوں اور بیوی کو (ان کی ماں کے بقول) بے یار و مددگار چھوڑ گئے تھے۔

اقوام متحدہ کی امدادی ایجنسی زندگی کے زیادہ تر پہلوؤں کا احاطہ کرتی تھی، لیکن کچھ گوشے ایسے تھے جن کے لیے مالی امداد کی ضرورت تھی، جو ایجنسی فراہم نہیں کر سکتی تھی، ام العبد کو اپنی فیملی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر جائز ذریعہ استعمال کرنا پڑتا تھا، اس کے بیٹے ہر جمعہ کو خالی بورے لے کر ۱۹۴۸ء کی حدود کے قریب ایک علاقے میں جاتے تھے جہاں یہودی بستیوں کا کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا، وہاں سے پرانے جوتے، استعمال شدہ ڈبے، خالی بیئر کی بوتلیں اور جو کچھ بھی بیچنے یا استعمال کرنے کے قابل ہوتا تھا، جمع کرتے تھے اور انہیں اپنے بوروں میں ڈال کر واپس لاتے تھے۔

ان کی ماں بوتلوں کو اچھی طرح دھوتی اور انہیں ایک عورت کو بیچ دیتی تھی، جو کلینک کے سامنے بیٹھ کر انہیں فروخت کرتی تھی۔ لوگ انہیں خرید کر کلینک سے حاصل کردہ دوائی ڈالنے کے لیے استعمال کرتے تھے، وہ جوتے صاف کرتی اور جوڑوں میں بیچ دیتی تھی، جو انہیں بازار میں فروخت کر دیتا تھا۔ اسی طرح وہ ہر صبح کھانے کی تقسیم کے مقام پر جاتی تھی اور ان عورتوں سے دودھ خریدتی تھی جنہیں وہ استعمال نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس دودھ سے وہ جمید (نیم سخت دہی) بناتی تھی اور اسکول کے دروازے پر بیٹھ کر بچوں کو بیچتی تھی۔ جب بچوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے، تو وہ انہیں روٹی کے ٹکڑوں کے بدلے فروخت کرتی تھی۔ وہ اس روٹی میں سے اپنے خاندان کے لیے ضرورت کی روٹی رکھ کر باقی فروخت کر دیتی تھی، تاکہ تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کر سکے اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کر سکے۔ وہ اپنی قسمت سے خوش اور مطمئن تھی اور بچوں کی پرورش اپنی جان کی بازی لگا کر کر رہی تھی۔

میرے بھائی محمود کا قاہرہ یونیورسٹی میں انجینئرنگ کالج میں داخلہ ہو گیا۔ جس دن ہمیں اس کا علم ہوا، ہم نے معمول کے مطابق اس کا جشن منایا، چیخ و پکار کی اور محمود پر حملہ کر کے اسے مارا پیٹا اور چٹکی کاٹی۔ ہماری ماں نے اس کے لیے حلبہ کی مٹھائی تیار کی اور مبارکباد دی اور مبارکبادیں وصول کیں۔ محمود نے مصر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ سبزی کی دکان کو جاری رکھنا ضروری تھا کیونکہ اس سے آنے والے سالوں کی تعلیم کے اخراجات پورے ہونے تھے، اس لیے اسے اپنی پڑھائی اور اسکول کے وقت کے مطابق اس کا انتظام کرنا تھا۔ یہ یقیناً محمود کے

مصر جانے کے آخری دن سے پہلے تک تھا، کیونکہ وہ اپنے سفر کے دن تک اپنے کام میں مگن رہا، اور مجھے اپنے چچا کے کارخانے میں اپنے بھائی محمد کے ساتھ صفائی اور ترتیب میں اپنی باری لینی پڑی۔ مصر جانے سے پہلے، ہماری ماں نے اس کے لیے بہت سی چیزیں تیار کیں جو اس نے اپنے ساتھ لے جانی تھیں۔ اس کے لیے کچھ زیتون کا تیل، چائے، خشک ملوخیا، خشک بھنڈی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں تیار کیں۔ انہوں نے اپنی جمع شدہ رقم سے مصری پاؤنڈز خریدے اور محمود نے انہیں ایک درزی کے پاس لے گیا جس نے انہیں پتلون کے کپڑے کے اندر بیلٹ میں ڈال دیا اور کپڑے پر سلائی کر دی، تاکہ محمود مصر میں اپنے اخراجات لے جا سکے۔ کیونکہ یہودی کسٹمز اہلکار پیسہ ضبط کرتے ہیں اور مسافروں کو مصر لے جانے سے روکتے ہیں۔

محمود ریڈ کراس کے دفتر بار بار گیا جو قبضے کے حکام اور مصری حکام کے درمیان طلباء کے غزہ سے مصر سفر اور واپسی کے عمل کو منظم کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اسے اپنے سفر کی تاریخ معلوم ہوئی، اسے دوسرے طلباء کی طرح سرایا میں انٹیلی جنس کے شعبے میں جانا پڑا، جہاں ان سے تفتیش کی گئی اور تنظیم کے ساتھ کام کرنے سے متنبہ کیا گیا اور جسے وہ بھرتی کر سکتے تھے، کرنے کی کوشش کی گئی۔ مصر جانے سے ایک رات پہلے ہم سب اس کے ساتھ زیادہ دیر تک جاگتے رہے جتنا ہم عادی تھے کیونکہ وہ ہم سے رخصت ہونے والا تھا۔ اور تقریباً ایک سال تک اس نے ہم سے دور رہنا تھا۔ یہ رات ہنسی، رونے، خوشی اور غم کے جذبات کا ایک عجیب امتزاج تھی اور خاص طور پر میری ماں کی ہدایات اور احکامات سے بھری ہوئی تھی۔

صبح ہم جلدی اٹھ گئے، میری ماں نے دو بڑے استعمال شدہ بیگ تیار کیے تھے، جو محمود نے خریدے تھے، جس میں اس نے تمام چیزیں اور سامان رکھا تھا۔ میرے بھائی حسن نے ایک بیگ اٹھایا اور میرے چچا زاد حسن نے دوسرا بیگ اٹھایا اور میری ماں ان کے ساتھ محمود کو الوداع کہنے نکلیں۔ ہم نے اسے گلی کے کنارے تک الوداع کہا، اور اداس دلوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے، کیونکہ ہم نے اب اچھی طرح سمجھنا شروع کر دیا تھا کہ پیاروں کی جدائی کا کیا مطلب ہے۔

انہوں نے اسے ریڈ کراس کے دفتر تک پہنچایا جہاں بہت سے لوگ اپنے بچوں کو الوداع کہنے آئے تھے۔ طلباء بسوں کے اندر انتظار کر رہے تھے اور والدین ان کے سامنے دور سے ان کو ہاتھ ہلا رہے تھے۔ پھر بسیں روانہ ہو گئیں اور والدین ہاتھ ہلاتے رہے یہاں تک کہ بسیں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ محمود کے سفر کے چند دن بعد ہماری ایک پڑوسن آئی اور شکایت کی کہ میرا چچا زاد حسن اس کی بیٹیوں کو تنگ کر رہا ہے۔ میری ماں شرمندگی سے سرخ ہو گئیں اور وعدہ کیا کہ اس معاملے کا حل نکالیں گی۔ میرے دادا بیماری اور بڑھاپے کی وجہ سے بستر پر تھے، اور محمود مصر جا چکا تھا، گھر میں صرف حسن سے چھوٹے بچے تھے جن پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لیے میری ماں نے حیلہ اور قائل کرنے کا سوچا۔

جب شام کا وقت آیا تو اس نے حسن کو بلایا اور بیٹھ کر بات کرنے لگی۔ (میرے پیارے، پڑوسی کا حق اور تمہارے شہید والد کی عزت، خاندان کی عزت، ہماری ساکھ اور ہماری عزت) آخر میں حسن نے وعدہ کیا کہ وہ پڑوسی کی بیٹی کے قریب نہیں جائے گا، اس نے پوچھا: کیا یہ پکا وعدہ ہے، حسن؟ حسن نے کہا: وعدہ پکا ہے چچی۔

چند دنوں بعد، پڑوسن کانپتی ہوئی واپس آئی اور گھر میں چیختی ہوئی داخل ہوئی: اے ام محمود، اس لڑکے نے لڑکی کو سڑک پر پکڑا اور اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ میری ماں غصے سے بھر گئیں اور اس کو تسلی دینے کی کوشش کی اور اسے یہ کہتی ہوئی گھر کے اندر لے آئیں کہ ام العبد، تم جانتی ہو کہ نہ تمہارے ہاں اور نہ میری طرف کوئی مرد ہے جو اس کو سدھار سکے، اللہ جانتا ہے کہ تمہاری بیٹیاں میری بیٹیوں جیسی ہیں۔ آؤ سوچتے ہیں کہ اس لڑکے کو کیسے روکا جائے۔ ہم بیٹھ گئے اور میری ماں نے تجویز دی کہ وہ اسے سوتے وقت باندھ دے اور وہ اور لڑکے اسے ماریں گے۔ اگر اس نے دوبارہ ایسا کیا تو وہ فدائیوں سے مدد لیں گی اور اس کا ہاتھ اور ٹانگ توڑ دیں گے۔

میری ماں نے رسی اور لاٹھی تیار کی اور جب حسن واپس آیا اور کھانا کھا کر سونے چلا گیا تو میری ماں اور میرے بھائی حسن اور محمد نے اس کے سو جانے کا اطمینان کر لیا، پھر میری ماں نے آہستہ سے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے۔ پھر انہوں نے دادا کو جگایا اور انہیں حسن کی حرکت کے بارے میں بتایا۔ دادا کانپتے ہوئے کہنے لگے، اللہ تمہارا چہرہ کالا کرے حسن، اللہ تمہارا چہرہ کالا کرے حسن! اسے مارو اس کے ہاتھ اور ٹانگیں توڑ دو۔ حسن جاگ گیا اور خود کو بندھا ہوا پایا تو وہ دھمکیاں دینے لگا۔ پھر لاٹھی اس کی پسلیوں پر پڑنے لگی، وہ گالیاں دینے لگا اور دھمکیاں دیتا رہا۔ انہوں نے اسے خوب پیٹا اور میری ماں نے اسے سمجھایا کہ انہوں نے یہ سب گھر کے اندر کیا تاکہ بدنامی نہ ہو، اور اگر وہ دوبارہ سعاد کو تنگ کرے گا تو وہ فدائیوں کو بتائیں گی اور ان سے کہیں گی کہ اس کے ہاتھ اور ٹانگ توڑ دیں۔ پھر اسے صبح تک بندھا ہوا چھوڑ دیا اور میرے چچا زاد ابراہیم سے کہا کہ اسے کھول دے۔

ابراہیم اچھا، فرمانبردار، ذہین اور پڑھائی میں محنتی تھا، وہ گیا اور اپنے بھائی کی رسیوں کو کھول دیا، تو حسن نے اسے مارا اور دھمکیاں دینے لگا۔ پھر وہ ہمارے کمرے کی طرف بڑھا تاکہ ہماری ماں کو دھمکائے اور خوف زدہ کرے۔ ماں نے اس پر چیخ کر کہا: ہوش میں آؤ، تم سمجھتے ہو کہ تم مجھے ڈرا سکتے ہو؟ تم ایک ناکارہ ہو، اور ناکارہ کسی کو نہیں ڈراتے۔ اور تم کبھی آدمی نہیں بنو گے، نہ ہی مرد۔ حسن غصے میں گرجا اور ماں کی طرف بڑھا اور انہیں دھکیل دیا تو وہ زمین پر گر گئیں۔ ہم سب بچے اور بچیاں حسن پر حملہ آور ہو گئے، اسے زمین پر گرا دیا اور مارا، اس کے بال نوچ لیے اور اسے کاٹا۔ حسن لاتیں مارتے ہوئے اور گالیاں دیتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا، حسن چلا گیا اور واپس نہیں آیا۔ ہم نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ۱۹۴۸ء کے مقبوضہ علاقوں (اسرائیل کے اندر) چلا گیا ہے اور وہاں کام کر رہا ہے اور اس نے دوبارہ پڑھائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۴ پر)

بین الاقوامی مسلم سکالرز یونین کا اسرائیل کے خلاف جہاد کا فتویٰ

علی القرہ داغی نے بین الاقوامی مسلم سکالرز کی یونین کی قیادت کرتے ہوئے اسرائیل کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا ہے۔ یہ فتویٰ اس وقت سامنے آیا ہے جب غزہ جنگ کو ڈیڑھ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ علی القرہ داغی نے عرب اور مسلم ممالک کی حکومتوں پر تنقید کی ہے اور انہوں نے غزہ کی تباہی پر خاموش رہنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ’یہ خاموشی مذہبی اور اخلاقی ناکامی کی قبر ہے۔‘ ۱۵ اہم نکات پر مشتمل اس فتوے میں اسرائیل کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعاون سے منع کیا گیا ہے۔ جس میں اسرائیل کو ہتھیاروں کی فروخت یا اس کے فائدے کے لیے سویز کینال جیسے آمدورفت کے راستوں کا استعمال شامل ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ ’اسرائیل کو ہتھیار فروخت کرنا، بندرگاہوں یا بین الاقوامی بحری راستوں جیسے سویز کینال، باب المندب، یا کسی اور زمینی، سمندری یا ہوائی راستوں سے آمدورفت روکی جائے جس سے اسرائیل کی مدد ہو رہی ہو۔ علی القرہ داغی نے کہا ہے کہ یہ کمیونٹی فتویٰ جاری کرتی ہے کہ غزہ میں ہمارے بھائیوں کی حمایت میں دشمن کا فضائی، زمینی اور سمندری راستہ روکا جائے۔ اپنے مینڈیٹ کے مطابق اس نسل کشی اور بڑی تباہی کو روکنے کے لیے فوری طور پر فوجی، اقتصادی اور سیاسی طور پر کام کریں۔

برطانوی شہریوں پر غزہ میں جنگی جرائم کا الزام

لندن کی میٹروپولیٹن پولیس میں ایک اعلیٰ بیرسٹر اور قانونی تحقیقاتی ٹیم نے محصور غزہ میں ۱۰ برطانوی شہریوں پر جنگی جرائم کا الزام عائد کرتے ہوئے ایک تفصیلی رپورٹ جمع کرائی ہے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق ۲۴۰ صفحات پر مشتمل یہ رپورٹ برطانیہ میں انسانی حقوق کے معروف بیرسٹر مائیکل مینس فیلڈ کے سی اور دی ہیگ میں مقیم محققین سمیت وکلاء کی ایک ٹیم نے مرتب کی ہے تا کہ میٹروپلیٹن پولیس کاؤنٹر ٹیررازم کمانڈ میں جنگی جرائم کی ٹیم کے سامنے پیش کیا جاسکے۔

رپورٹ غزہ میں ہونے والے سنگین جرائم میں برطانوی شہریوں کے ملوث ہونے کے تفصیلی، مکمل تحقیق شدہ اور ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہے۔ اس نے خاص طور پر ۱۰ برطانوی مشتبہ افراد کی نشاندہی کی اور اسرائیلی فوج کی طرف سے ’جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم‘ میں ان کے ملوث ہونے کے ثبوتوں کا ایک ڈوزیئر پیش کیا۔ اس میں مزید مطالبہ کیا گیا ہے کہ برطانوی شہریوں کے خلاف تحقیقات کی جائیں، جس کا مقصد وارنٹ گرفتاری جاری کرنا اور برطانوی عدالتوں میں قانونی چارہ جوئی کرنا ہے۔

الشباب کے خوف سے سینکڑوں صومالی پولیس اہلکار فرار

صومالی گارڈین کی رپورٹ کے مطابق سینکڑوں صومالی پولیس افسران اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر غائب ہو گئے ہیں اور ان پر شبہ ہے کہ وہ الشباب مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ دارالحکومت کی طرف الشباب کی پیش قدمی کا مقابلہ کرنے کے لیے ان اہلکاروں کی فرنٹ لائن پر تعیناتیاں ہوئی تھیں لیکن یہ اس سے پہلے ہی فرار ہو گئے۔ نیوز ایجنسی نے پولیس کی انٹرنل دستاویزات تک رسائی حاصل کی اور انہیں نام اور رینک کے لحاظ سے ۱۴۵ لاپتہ افسران کی فہرست دی گئی، جبکہ دوسرے کئی ذرائع بتاتے ہیں کہ یہ تعداد ۶۰۰ تک ہو سکتی ہے۔ حکام نے یہ واضح نہیں کیا ہے کہ آیا وہ جنگی تعیناتی کے دوران غائب ہو گئے تھے یا فرنٹ لائن ڈیوٹی سے بچنے کے لیے شہری پوسٹنگ سے فرار ہو گئے تھے۔ سکیورٹی تجزیہ کاروں کو خدشہ ہے کہ لاپتہ اہلکاروں نے یا تو الشباب میں شمولیت اختیار کی ہے یا غیر قانونی طور پر اپنے ہتھیار فروخت کیے ہیں۔ صومالی حکومت نے حال ہی میں الشباب کے خلاف جنگی محاذوں کو تقویت دینے کے لیے ہزاروں پولیس افسران کو متحرک کیا تھا، جن میں سے بہت سے الشباب کے حملوں میں مارے گئے یا پکڑے گئے۔ سکیورٹی کی بگڑتی صورتحال کے سبب کسٹوڈیل کور کے سربراہ مہاد عبدالرحمن نے حال ہی میں دھمکی دی تھی کہ عسکریت پسندوں کے حملوں کے بعد فرار ہونے والے کسی بھی اہلکار کو ان کے پورے خاندان سمیت پھانسی یا گرفتاری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بڑے پیمانے پر گمشدگیاں صومالیہ کے سکیورٹی اپریٹس کے لیے گہرے چیلنجز کی نشاندہی کرتی ہیں۔ حکام نے ابھی تک اس بحران پر کوئی سرکاری بیان جاری نہیں کیا ہے۔

عراق: ابو فاضل عباس بریگیڈ کے رہنما کی ایران پر تنقید

عراق کے ابو فاضل عباس بریگیڈ کے رہنما ’عوس خفّاجی‘ نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ ایران عراق کی بھلائی نہیں چاہتا، وہ نہیں چاہتا کہ عراق میں کوئی اچھی چیز ہو۔ ایران نے بشار الاسد اور حسن نصر اللہ کو بھی دھوکہ دیا، حتیٰ کہ کچھ حشد الشعبی رہنماؤں کو بھی امریکہ کے حوالے کر دیا۔ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے میزائل حیفا تک پہنچیں گے، اسرائیل کو مٹا دیں گے، لیکن کچھ بھی نہیں کرتے۔ عراقی رہنما کا یہ بیان اس خیال کو تقویت دے رہا ہے کہ ایران، عراق کی حکومت کے مقابلے میں ایران سے وفادار رہنے والی ملیشیاؤں کو طاقتور دیکھنا چاہتا ہے۔ جسے عراقی حکومت بھی پسند نہیں کرتی۔ دی ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق ایران نے پہلی بار عراق میں اپنی پراکسی فورسز کو طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائلوں کو منتقل کیا ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ ترسیل کا انتظام ایرانی پاسدارانِ انقلاب

کی فضائیہ نے کیا تھا۔ یہ خبر ایسے وقت میں سامنے آرہی ہے جب ایران اپنے میزائل اور جوہری پروگرام پر امریکہ کے ساتھ مذاکرات میں داخل ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔ ۲۰۱۸ء میں صدر ٹرمپ کی جانب سے اوبامہ کے جوہری معاہدے کو ختم کرنے کے بعد سے ایران امریکہ کے ساتھ اپنے جوہری پروگرام پر پہلی باضابطہ بات چیت کرنے کے لیے تیار ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق حالیہ برسوں میں ایران عالمی سیاست میں قدرے کمزور سطح پر ہے۔ ایرانی پراکسیوں کے زوال کے بعد، اب ایران جوہری مقامات کے ارد گرد فضائی دفاعی قوت بھی کھو چکا ہے۔ دی ٹائمز کے مطابق دو دیگر قسم کے میزائل قدس ۳۵۱ کروز اور جمال ۶۹ بیلسٹک میزائل بھی گزشتہ ہفتے عراق میں سمگل کیے گئے تھے۔ ان کی رینج نئے سطح سے سطح پر مار کرنے والے میزائلوں کے مقابلے میں بہت کم تھی، جو یورپ تک ہدف کے لیے پوزیشن میں ہو سکتے تھے۔ یہ نئے ماڈل ماضی میں ان ملیشیا کو نہیں دیے گئے تھے۔ یمن میں حوثی باغی گروپ اور عراق میں ایران کی اتحادی ملیشیا کو ایران میں حکومت کی جانب سے لڑنے والی آخری قوت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

روسی حملے کا خوف اور امریکہ کی بے رخی کے سبب جرمنی میں جنگی تیاریوں میں تیزی

جرمنی کی فوج کو حال ہی میں دفاعی اخراجات پر سخت قرض کے قوانین سے استثنیٰ حاصل کرنے کے بعد بڑی سرمایہ کاری میں اضافے کی اجازت دی گئی ہے۔ ملک کے اعلیٰ ترین جنرل نے بی بی سی کو بتایا کہ یہ مالی معاونت فوری طور پر ضروری ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ روسی جارحیت صرف یوکرین تک محدود نہیں رہے گی۔ جنرل کارسٹن بروئر نے کہا ’ہمیں روس سے خطرہ ہے۔ ہمیں پیوٹن سے خطرہ ہے۔ جو بھی ضروری اقدامات ہیں، وہ کرنا ہوں گے تاکہ اس جارحیت کو روکا جاسکے۔‘ بروئر نے خبردار کیا کہ نیٹو کو اگلے چار سالوں میں کسی بھی ممکنہ حملے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ روس کے حوالے سے جرمنی کا ایک خاص نقطہ نظر رہا ہے۔ جس وقت پولینڈ اور بالٹک ریاستوں جیسے ممالک ماسکو کے قریب جانے سے احتیاط برتتے تھے اور اپنے دفاعی اخراجات بڑھا رہے تھے، برلن میں سابق چانسلر اینجلا مرکل نے کاروبار کرنے کو ترجیح دی۔ جرمنی نے یہ سوچا کہ وہ جمہوری عمل جاری رکھے۔ لیکن روس نے ان سے پیسہ لیا اور پھر بھی یوکرین پر حملہ کر دیا۔ پھر فروری ۲۰۲۲ء میں چانسلر اولاف شولز نے ملکی ترجیحات میں ایک اہم تبدیلی کا اعلان کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب چانسلر نے ملک کی فوجی طاقت کو بڑھانے اور پیوٹن کی توسیع پسندانہ جنگی پالیسی کو کاؤنٹر کرنے کے لیے ۱۰۰ ارب یورو کی ایک بڑی رقم مختص کی۔ لیکن جنرل بروئر کا کہنا ہے کہ یہ کافی نہیں تھا۔ جنرل بروئر کے بقول ’ہم نے تھوڑی بہت کمی پوری کی، لیکن صورتحال بہت خراب ہے۔‘ ایک حالیہ یوگوو پول میں یہ ظاہر ہوا کہ ۷۹ فیصد جرمنوں کا خیال ہے کہ ولادیمیر پیوٹن یورپ کے امن اور سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ ۷۴ فیصد لوگوں نے ڈونلڈ ٹرمپ کے بارے میں بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

سعودی گرینڈ پرکس کا انٹرٹینمنٹ سیزن

جدہ کارنش سرکٹ (Jeddah Corniche Circuit) نے فارمولہ ون کے تیز ترین سٹریٹ سرکٹ سعودی گرینڈ پرکس ریس کے اختتام پر ہفتہ ۱۸ اپریل سے اتوار ۲۰ اپریل تک میوزک پرفارمنسز کی میزبانی کی۔ جس میں امریکی موسیقاروں سمیت بہت سے بین الاقوامی مشہور سنگرز نے پرفارم کیا۔ اس کے علاوہ بھی اب سعودی عرب کے مختلف شہروں سے مغربی خواتین کی رقص کرتی نیم برہنہ تصاویر منظر عام پر آنا معمول بن چکا ہے اور یہ سب ایک ایسے وقت میں سعودی عرب میں ہو رہا ہے جب غزہ پر صبح شام آگ برس رہی اور فلسطینی بچوں کے چیتھڑے ہوا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ ایک فلسطینی بہن کی بددعا پر کہ اے اللہ یہودیوں سے پہلے ان عربوں کو سزا دے، دل سے آمین نکلتی ہے۔

پاکستانی مصنوعات پر نیا امریکی ٹیرف

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے متعدد ممالک سے امریکہ میں درآمد ہونے والی اشیا پر نئے ٹیرف (ٹیکس) کے نفاذ کا اعلان کیا ہے اور ان ممالک کی فہرست میں پاکستان کو بھی شامل کرتے ہوئے اس کی امریکہ برآمد کی گئی مصنوعات پر ۲۹ فیصد ٹیرف عائد کرنے کا کہا گیا ہے۔ پاکستان کے علاوہ انڈیا اور بنگلہ دیش کی امریکہ برآمد کی جانے والی مصنوعات پر نئے ٹیرف کا اعلان کیا گیا ہے جس میں انڈیا پر ۲۶ فیصد اور بنگلہ دیش پر ۳۷ ٹیرف عائد ہو گا۔ یہ دونوں ممالک عالمی سطح پر دو بڑی برآمدی منڈیوں امریکہ اور یورپی یونین میں پاکستان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ گزشتہ دو دہائیوں میں جب پاکستان کی توجہ دہشت گردی کے خلاف جنگ پر مرکوز رہی اور پاکستان میں بجلی اور گیس کی بڑھتی قیمتوں کے سبب پیداواری لاگت میں بے تحاشا اضافہ ہوا تو پاکستان میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹس سیکٹر سے جڑے صنعتکاروں کی ایک بڑی تعداد اپنا سرمایہ اور سیٹ اپ بنگلہ دیش منتقل کرتی رہی۔ ماہرین کے مطابق ٹرمپ کی جانب سے اس ٹیرف کا نفاذ پاکستان کے لیے مزید معاشی مشکلات کھڑی کرے گا۔ یہ بھی اطلاعات ہیں کہ پاکستانیوں کے لیے امریکی ویزے کا حصول بھی مزید سخت ہو گا۔ جنوری میں ٹرمپ نے ایک ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے امریکہ کی جانب سے غیر ممالک کو امداد بند کرنے کے آرڈر جاری کیے تھے ان میں پاکستان بھی شامل تھا۔ پاکستان ٹیرف کم کروانے کے لیے ایک وفد امریکہ بھیجنے کی تیاری کر رہا ہے لیکن موجودہ حالات میں یہ ممکن دکھائی نہیں دیتا کہ ٹرمپ کوئی لچک دکھائے سوائے اس کے کہ پاکستان اپنے قومی مفادات کو پس پشت ڈالتے ہوئے کوئی بڑی خدمت امریکہ کے لیے سرانجام دے۔

پاکستان ۴ سالہ مدت کیلئے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسدادِ منشیات کا رکن منتخب

پاکستان کا انتخاب نیویارک میں یو این اقتصادی و سماجی کونسل کے انتخابات میں عمل میں آیا۔ پاکستان کو ۲۰۲۶ء سے ۲۰۲۹ء تک چار سالہ مدت کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ پاکستان یو این مشن کے اعلامیے کے مطابق پاکستان یو این اقتصادی و سماجی کونسل کی

حمایت پر مشکور ہے۔ اعلامیے میں کہا گیا کہ کمیشن برائے انسدادِ منشیات کار کن منتخب ہونا پاکستان پر اعتماد اور بھروسے کو ظاہر کرتا ہے، پاکستان عالمی انسدادِ منشیات کی کوششوں میں اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ اعلامیے کے مطابق پاکستان عالمی سطح پر انسدادِ منشیات کی کوششوں میں پیش پیش رہا ہے۔ منشیات کے تدارک میں پاکستان نے جو خدمات سر انجام دی ہیں اس کا اندازہ تو ملک بھر کے تعلیمی اداروں، اور ہر گلی اور چوک میں کھلے عام بکتی منشیات کو دیکھتے ہوئے ہی ہو جانا چاہیے۔ پاکستانی فوج، ایف سی، رینجرز، کسٹم، اے این ایف سے لے کر، جرنیلی مفادات کا تحفظ کرنے والے کٹھ پتلی سیاستدان وڈیرے، حتی کہ سکیورٹی اداروں سے جڑے مخبر اور جاسوس تک منشیات کے دھندے سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عالمی ادارے اور امریکہ ان حقائق سے واقف نہیں؟ ایک غیر ملکی دفاعی تجزیہ نگار کے بقول امریکہ اور عالمی طاقتیں پاکستان کی کرپٹ فوجی اور سیاسی حکمرانوں کو بطور رشوت منشیات، تعلیم، صحت، صنفی مساوات کے نام پر فنڈز دیتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ ان فنڈز اور قرضوں کا استعمال شفاف نہیں ہوتا اور بڑا حصہ پاکستان پر قابض افراد کی جیبوں میں ہی جاتا ہے۔ اس رشوت کے عوض ہی یہ قابض ٹولہ مغربی طاقتوں کا غلام رہتا ہے۔

برطانوی تعمیراتی ادارے کی جانب سے لاہور میں طالبات کی رہائش کیلئے پراجیکٹ کا اعلان

پاکستان میں متعدد لگژری منصوبے مکمل کرنے والے برطانوی تعمیراتی ادارے ون ہومز نے لاہور میں طالبات کی رہائش کے لیے تمام بنیادی سہولتوں سے آراستہ لونا پراجیکٹ پیش کیا ہے۔ ون ہومز کے چیف کمرشل آفیسر عاقب حسن کا کہنا تھا کہ یونیورسٹیز ڈسٹرکٹ پر رائے ونڈ روڈ پر جہاں لونا پروجیکٹ تعمیر کیا جا رہا ہے، وہاں اطراف میں ۱۲ بڑی یونیورسٹیز ہیں، جہاں ایک لاکھ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ان میں نصف طالبات ہیں۔ پاکستان کے موجودہ تعلیمی نظام نے تعلیمی اداروں میں جس پیمانے پر فحاشی و بدکاری کو فروغ دیا ہے اس کے نتائج اخبارات اور سوشل میڈیا پر ہم آئے روز دیکھتے رہتے ہیں۔ ایسے میں طالبات کا گھر سے باہر سرکاری اور پرائیویٹ ہاسٹلوں میں رہنے کا کلچر پروان چڑھانا کتنا بڑا فتنہ ہے اس کے متعلق سوچتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کلچر کو روکنے کے لیے ہر سطح اور انداز سے بھرپور کوشش کی جائے۔

معدنی وسائل کے لیے نئے قانون کی منظوری

اطلاعات کے مطابق خیبر پختونخوا کابینہ نے کان کنی اور معدنیات کا نیا قانون منظور کر لیا ہے، جسے اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔ مبینہ طور پر اس میں وفاقی حکومت کو 'سٹریٹجک معدنیات' کا تعین کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، جو صوبائی اختیارات کو کمزور کرتا ہے۔ کچھ دن قبل ڈی جی آئی ایس پی آر صاحب کا پارہ بھی یہ کہتے ہوئے آسمان پر پہنچ گیا تھا کہ 'یہ معدنیات کیا آپ جہیز میں لے کر آئے ہیں؟ یہ معدنیات پاکستان کی ہیں'۔ اور جب فوج کا ترجمان یا آرمی چیف لفظ 'پاکستان' استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب فوج خود ہی ہوتی ہے۔ اسی بیان کے جواب میں مفتی منیر شاکر نے فوج کو اسی زبان میں جواب دینے کی گستاخی کی تھی کہ یہ معدنیات کیا فوج جہیز میں لائی ہے؟ اور مبینہ طور پر اسی 'گستاخی' کے جواب میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ جتنی سہولت سے خیبر پختونخواہ حکومت نے اس بل کے لیے پیشرفت دکھائی ہے یہ فوج اور علی امین گنڈاپور کے تعلق کا پردہ بھی چاک کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پی ٹی آئی کا سوشل میڈیا اپنے رہنماؤں کو اس بل پر فوج کی سہولت کاری کرنے پر آڑے ہاتھوں لے رہا ہے اور سخت تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔

اس حوالے سے معید پیرزادہ نے لکھا:

"خیبر پختونخواہ کے خلاف نئی سازش؟ جرنیلوں کو اور ٹرمپ کو خوش کرنے کی ایک اور بھرپور کوشش؟ تفصیلات اور background کو سمجھنے کی ضرورت ہے! تاہم ایک فائدہ بھی ہو رہا ہے! وہ کیا؟ PTI کے اندر جرنیلوں کے ٹٹو ایک ایک کر کے بری طرح ننگے ہو رہے ہیں! اس Mine & Minerals Act کو جلدی جلدی دھکا لگانے کی کوشش میں علی امین گنڈاپور اور اعظم سواتی نے اپنے آپ کو پورے طور پہ Expose کر دیا ہے!"

محمود خان اچکزئی نے لکھا:

"بلوچستان کی حکومت سے لکھوایا گیا ہے کہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ میل کا علاقہ قلعہ عبداللہ سے قلعہ سیف اللہ، ژوب تک کے تمام منرلز OGDCL یا دو یا تین محکموں کو دے دیے گئے ہیں اور اس میں بلوچستان کا حصہ صرف ۱۰ فیصد ہو گا۔ یہ کون مانے گا؟ اس کے خلاف ہم عدالت جا رہے ہیں ہم یہ نہیں ہونے دیں گے۔"

مفتی فضل غفور لکھتے ہیں:

اگر علی امین گنڈاپور نے خیبر پختونخوا اسمبلی سے مائنز اینڈ منرل قانون پاس کروا کر اپنے وسائل SIFC کو سرنڈر کیے تو اس کا مطلب پھر یہی ہو گا کہ فوج نے پی ٹی آئی کو اس صوبے پر اسی لئے مسلط کیا تا کہ صوبہ میں کھربوں ڈالرز مالیت کے معدنی ذخائر کو اپنے کنٹرول میں لا سکے۔"

حسین ندیم نے لکھا:

کے پی کے مائنز اینڈ منرلز بل ۲۰۲۵ء دیکھنے کا موقع ملا جسے معدنیات کے شعبے میں 'سرمایہ کاری' اور 'شفافیت' کے لیے "انتہائی ضروری" ریگولیٹری فریم ورک کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ۱۳۹ صفحات کی طویل دستاویز کی لائنوں کے درمیان کے پی کے میں کانوں اور معدنی وسائل کو غیر منتخب اداروں کو منتقل کرنے کی سیاست ہے۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ KP معدنی صنعت کا کنٹرول سنبھالنے کے لیے 'Milbus' کے لیے جگہ کھولنا ہے۔ (مل بس کی اصطلاح دفاعی تجزیہ نگار فوج کے کاروباری دیو کے لیے استعمال کرتے ہیں)۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے بڑے حصوں میں زمین پر قبضہ، یا گلگت بلتستان میں سیاحت و ہوٹل انڈسٹری کی صنعت پر قبضہ۔ تصدیق کے لیے، میں نے یہ بل AI کے ذریعے دیکھا اور تجزیہ بالکل وہی ہے جس کی کوئی توقع کرے گا: اتھارٹی کی

مرکزیت اور صنعت پر فوجی قبضے کا سنگین خطرہ۔ ایک ایسے صوبے میں جو پہلے ہی جنگ جیسی صورتحال سے دوچار ہے، اس طرح کی نوآبادیاتی قبضہ شورش کو مزید گہرا کرنے والا ہے۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ براہ راست پاکستان میں جاری عسکریت پسندی کے فروغ کا سبب بنے گا۔“

کے پی کے میں پی پی کے میڈیا ایڈوائزر اسامہ یاور نے لکھا:

”اگر ان کے اینکرز کے پی کے مائنز اینڈ منرلز ایکٹ ۲۰۲۵ء کا دفاع کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میڈیا آؤٹ لیٹس کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔“

میاں افتخار حسین، صدر عوامی نیشنل پارٹی پختونخوا نے کہا:

”اے این پی اس بل کے خلاف عوامی عدالت میں بھی جائے گی اور اس کے خلاف بھرپور مزاحمت کرے گی۔ اس ایکٹ کے خلاف اے این پی دیگر سیاسی جماعتوں کو بھی اعتماد میں لے گی۔ تمام سیاسی جماعتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس ڈاکے کے خلاف آواز اٹھائے۔“

سابق سینیٹر مشتاق نے معدنیات کے حوالے سے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کی جانب سے دیے جانے والے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”مبارک ہو! پاکستان ایک خود مختار ملک ہے؟

ڈونلڈ ٹرمپ نے پاکستان کی معدنیات کو سٹریٹجک اثاثے قرار دیا ہے اور وائسرائے المعروف با امریکی سفیر متعین اسلام آباد کے ذریعے اس کی حفاظت کی ہدایت جاری کی ہے؟“

اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے سے جاری کیے جانے والے بیان میں امریکی محکمہ خارجہ کے جنوبی اور وسطی ایشیائی امور کے بیورو کے سینئر عہدیدار ایرک میئر کا کہنا تھا کہ صدر ٹرمپ نے واضح کیا ہے کہ اس مواد (پاکستانی معدنیات) کے متنوع اور قابل اعتماد ذرائع کو محفوظ بنانا ایک سٹریٹیجک ترجیح ہے۔ پاکستان کی وسیع معدنی صلاحیت اگر ذمہ داری اور شفاف طریقے سے تیار کی جائے تو دونوں ممالک کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ اہم معدنیات امریکہ کی جدید ترین ٹیکنالوجیز کے لیے ضروری خام مال ہیں۔“

انڈیپینڈنٹ اردو کے صحافی اظہار اللہ کی رپورٹ میں اس بل کی بعض شقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے:

”خیبر پختونخوا میں ۲۰۱۷ء کے معدنیات ایکٹ کے تحت کسی بھی معدنیات کے ٹھیکے کا لائسنس محکمہ معدنیات میں لائسنسنگ ڈائریکٹریٹ جاری کرتا تھا اور اس میں معدنیات سے متعلق تمام بڑے و چھوٹے منصوبے شامل تھے۔ تاہم نئے مجوزہ قانون میں بڑے اور چھوٹے منصوبوں کے لائسنسنگ کا طریقہ کار تبدیل کیا گیا ہے اور اب بڑے منصوبوں کے ٹھیکے دینے کے لیے لائسنسنگ اتھارٹی کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ مجوزہ بل کی شق نمبر پانچ کے مطابق اس اتھارٹی کے پاس ’بڑے مائننگ‘ کے منصوبوں کے ٹھیکے یا لیز دینے کا اختیار ہو گا اور اس کا فیصلہ اتھارٹی کی میٹنگ میں دو تہائی اکثریت پر کیا جائے گا۔ اس اتھارٹی کے پاس یہ اختیار بھی ہو گا کہ وہ صوبے میں کسی بھی جگہ معدنیات کی نشاندہی کرے، اس کی قیمت لگائے اور اس کو نیلامی کے لیے پیش کر سکے۔ نئے مجوزہ قانون میں بل کے مطابق صوبے میں معدنیات سیکٹر کی ترقی کے لیے منرل انوسٹمنٹ فیسلی ٹیشن اتھارٹی قائم کی جائے گی۔ اس اتھارٹی کو خود یا وفاقی حکومت کی تجاویز کے مطابق لیز اگریمنٹ میں تبدیلی، فیس رینٹ اور رائلٹیز میں تبدیلی، نیلامی کے دوران سیکیورٹی ڈیپازٹ میں تبدیلی، معدنیات سیکٹر میں سامان بیرون ممالک سے درآمد کرنے پر ٹیکس میں رعایت اور صوبائی لائسنسنگ اتھارٹی کے طریقہ کار میں تبدیلی کا اختیار ہو گا۔ اس نئے مجوزہ بل میں واضح طور پر شق نمبر ۲۶ میں لکھا گیا ہے کہ صوبے میں کسی جگہ پر بھی معدنیات کے ذخائر کی مالک حکومت ہو گی اور حکومت کو اس کی ہر طریقے سے استعمال کی اجازت ہو گی۔ مجوزہ قانون کے مطابق لیز ہولڈرز معدنیات کی کان کو استعمال کرنے کا حق دار ہو گا لیکن اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا جبکہ کان کی زمین کے مالک کو لیز ہولڈر باقاعدہ رینٹ ادا کرے گا اور اس حوالے سے مالک جائیداد اور لیز ہولڈر کے مابین باقاعدہ معاہدہ طے کیا جائے گا۔ اس مجوزہ قانون کے شق نمبر ۶۵ میں لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی غیر ملکی کمپنی صوبے میں معدنیات لیز لینے میں دلچسپی رکھتی ہے تو اس کے ساتھ معاہدہ فیڈرل مائننگ ونگ اور منرل فیسلی ٹیشن اتھارٹی کے تجاویز پر کیا جائے گا۔

جرنیلوں کے مفادات کو تحفظ دیتی دوسری تمام قانون سازیوں کے مقابلے میں اس بل کو جتنی شدت کے ساتھ تمام سیاسی جماعتوں کی اکثریت تنقید کا نشانہ بنا رہی ہے، اگر یہ بل پاس ہو جاتا ہے تو اس نام نہاد جمہوری سیٹ اپ کی حقیقت بھی سب کو سمجھ آ جانی چاہیے۔ الیکشن سمیت اس پورے جمہوری سیٹ اپ کو چلانے کی جو لاگت ہے وہ اس ملک کی غریب عوام کا خون چوس کر پوری کی جاتی ہے اور یہ نظام دے کیا رہا ہے؟ لوٹ مار کے قانونی جواز۔ یہ بھی حیرانگی کی بات ہے کہ جن جرنیلوں کے سامنے پاکستان کے کسی آئین و قانون کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے انہیں اس قانون سازی کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟

☆☆☆☆☆

دشمن کے خلاف مہلک ترین ہتھیار!

دشمن کے خلاف سب سے مہلک ہتھیار تو ہمارے اندر حوصلے اور عزم جیسی معنوی قوت کا وجود ہے جو دینِ مبین کے لیے قربانی سے جنم لیتی ہے۔ اس روحانی قوت کو اقوال و افعال کے ذریعے ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے۔ کوئی بھی ایسی کاروائی جو عزت و وقار کی علامت ہو اور شرف و ناموس کی حفاظت کے لیے انجام دی جائے، وہ امت کی توانائیوں کو بیدار کر دیتی ہے۔ منظم الفاظ اور پڑھے گئے اشعار شاید لوگوں کو مادی ہتھیار نہ دے سکیں، لیکن وہ ہر فرد کو خود ایک ہتھیار میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

فضیلۃ الشیخ سیف العدل

لوگ گمشدہ نہیں

گمشدہ تو خواب ہیں

لوگ گمشدہ نہیں
گمشدہ تو خواب ہیں
خواب آدمی کے خواب
خواب ہر کسی کے خواب
خواب زندگی کے خواب
خواب آگہی کے خواب
خواب روشنی کے خواب
خواب آشتی کے خواب
خواب شانتی کے خواب
اور برابری کے خواب

لوگ گمشدہ نہیں
گمشدہ تو ملک ہے
عدل کی ہوا سمیت
امن کی دوا سمیت
چین کی دعا سمیت
صبر کی جزا سمیت
ابر کی صدا سمیت
تیرے ناخدا سمیت
اور مرے خدا سمیت

لوگ گمشدہ نہیں
گمشدہ تو آپ ہیں
مسندِ ضمیر سے
آپ صاحبِ جفا
آپ صاحبِ رضا
آپ صاحبِ عطا
آپ صاحبِ صدا
آپ صاحبِ ریا
آپ صاحبِ قضا

لوگ گمشدہ نہیں
گمشدہ تو عہد ہے
تخت اور فرد کا
زور کے خمار میں
خون کے فشار میں
خوف کے حصار میں
چشمِ انتظار میں
ضبط کے مدار میں
عسکری غبار میں

لوگ گمشدہ نہیں
گمشدہ تو بات ہے
جو سہی نہیں گئی
جو کہی نہیں گئی
جو سنی نہیں گئی
جو بُنی نہیں گئی
جو چُنی نہیں گئی

لوگ گمشدہ نہیں
گمشدہ تو خواب ہیں

احمد فرہاد

(احمد فرہاد ایک جدید مزاحمتی شاعر ہیں،
ان کے تمام افکار سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں)

ایک طرف یہودی، امریکی طیاروں کے ذریعے پلٹ پلٹ کر اہلِ غزہ پر بمباری کرتے ہیں، دوسری جانب ماؤں کی نظروں کے سامنے ہی ان کی آنکھوں کے تارے ان سے جدا ہوتے ہیں۔ جس کے باعث وہ ہر وقت ایک انجانے خوف سے کانپتی رہتی ہیں۔ گویا ہر سانس کے ساتھ ان کی روح پرواز کرتی ہو۔ ویسے بھی سننے والا دیکھنے والے سے بہتر نہیں جان سکتا اور جس کا جگر گوشہ اس سے چھنتا ہے وہی اس زخم کی حقیقت کو جان سکتا ہے اور جس پر بم برستے ہیں، وہی اس کی شدت کو سمجھ سکتا ہے لیکن افسوس آج کوئی معتصم نہیں جو ان کی طرف سے انتقام لے۔ یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ وہ شخص جو اس قتلِ عام میں پوری طرح شریک ہے اسے غزہ کی امید کہنا اور اس کی مدح اور تعریف کرنا، نفسانی حزیمت اور امت وشہدا کے خون سے کھلی غداری ہوگی۔ حالانکہ خوددار اہلِ غزہ کا اس شکست خوردہ سوچ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ غزہ کی زندگی کے لیے اس کے نوجوانوں نے جان دے دی۔ پھر بھی کفر کے سرغنوں کی مدح خودداروں کے دل جلا ڈالتی ہے۔ لوگوں نے نیزوں کے زور پر آزادی حاصل کیں، پھر انہیں نیزوں ہی سے کس طرح غلام بنایا جا سکتا ہے۔

اے اہلِ غزہ! تمہیں لگنے والے زخموں کا درد میرے قلب کی گہرائیوں تک باعثِ الم ہے۔ لیکن عقائد کی حفاظت اور حقوق کی پاسبانی قربانی اور خون دے کر ہی کی جاتی ہے۔ مگر ان بادشاہوں نے تو سب کچھ بیچ ڈالا اور اہلِ کفر کی غلامی پر ان کو ناز اور فخر ہے۔ اے ماں! پوچھ اس سے جس نے بچوں کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ کیا اس کے دل اور پتھر میں کوئی فرق بھی ہے۔ ان کے دل دشمن کے دلوں سے کچھ مختلف نہیں۔ چاہے یہ نجد کے بادشاہ ہوں یا مصر کے حاکم، فرعون اس دور میں پھر سے نمودار ہو گئے۔ جو اہلِ عرب کو رسوا کرنے اور انہیں غلام بنانے نکلے ہیں۔ اے سلاطینِ زماں تم نے دشمن کی صف میں جا کر خود ثابت کر دیا کہ تمہاری گردنوں کا اڑانا دین میں عین حق ہے۔

الشیخ ابو عبداللہ اسامہ بن لادن شہید رحمۃ اللہ علیہ